(شاہانہ سرپرستیوں میں)

جس میں

عربی اور اسلامی ممالک، ہند اور دکن کے مسلمان سلاطین و اطباء کے علمی و فنی کارناموں کے مختصر مگر اہم جامع حالات کے سوا، یونانی، سریانی، عربی، فارسی اور ہندی زبانوں کی نادر طبی کتابوں کے متعلق، پہلی دفعہ اردو میں معلومات قلمبند کئے گئے ہیں۔ ایسی قدیم ترین طبی کتابوں کا خاص طور پر ذکر ہے، جن کے ذریعے اردو کی لسانی تحقیقات بھی کی جاسکتی ہے

از

ابن مظہر قاضی معین الدین رہبر فاروقی (منشی فاضل)

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن

۱۳۵۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

آج ہمیشہ سے، اس اصول کا مخالف رہا ہوں کہ قوموں کو خواب غفلت سے
لگانے کے لئے اُن کے سامنے محض اُن کی موجودہ پستی اور زوال کا ہی رونا
رویا جائے۔ ماہرین نفسیات یہ بتا سکتے ہیں کہ انسان اپنے بزرگوں اور اپنی ترقی
کا اس قدر محظوظ ہوا کرتا ہے کہ اُس کے دل میں ارتقاء و عروج کی
اعلیٰ بلندیوں پر پہنچنے کے لئے بے پناہ موجیں اُٹھنے لگتی ہیں۔ اس میں
ہیں کہ تنزل کا یقین ہی اُبھرنے اور عروج پر آنے کی پہلی سیڑھی ہے
لیکن جن نام نہاد دردمندوں نے اپنا یہی وتیرہ بنا رکھا ہے کہ مسلمانوں
کی ساری بُرائیاں بیان کی جائیں، اور اُن کے اسلاف کے
تاریخی کارناموں کا کوئی تذکرہ ہی نہ ہو۔ بڑے ہی سوءِ ظن روح ہیں۔ اپنی
تاریخ انسان اتنا متاثر نہیں ہوتا جس قدر اُس کے بزرگوں کے اچھے کارناموں
تاریخ کے حوالے سے اُس کو اپنی حالت کا اندازہ کراتے ہوئے "قوتِ عمل" کا جذبہ
پیدا کرتا ہے میرا ایقان ہے کہ بُرائیاں سُن سُن کر تو انسان بے غیرت ہو جاتا ہے
میں نے اپنے اسی خیال کی تحت "طب اسلامی" کی گرتی ہوئی حالت کو
[illegible] کے سننے، اُن کے بزرگوں کے کارنامے

تاریخ رشید الدین خانی ۳۵ رسالہ طبابت حیدرآباد

تاریخ فرشتہ ۳۶ رسالہ فیروز شاہی (قلمی فارسی)

مُحوّلات

ب پڑھنے سے پہلے ایک غلط انداز نظر ان کتب کے اسماء پر بھی ڈال لیجیے جو میرے موضوع کا نچوڑ ہیں ۱۲

اخبار الحکماء جمال الدین قفطی (عربی)
اختیارات بدیعی (فارسی قلمی و مطبوعہ)
آثار خیر (اردو مطبوعہ)
اکبرنامہ
البرامکہ
الہارون
المشاہیر
آئین اکبری
اورینٹیل طبیہ میگزین
بستانِ آصفیہ
تاریخ الحکماء علامہ شمس الدین محمد شہرزوری (عربی)
تاریخ حکماء میر مقصود علی (قلمی فارسی)
تاریخ حکماء (فارسی)
تاریخ الاطباء۔ غلام جیلانی
تاریخ خورشید جاہی
تاریخ دکن عبد الحلیم نصر اللہ خاں
تاریخ رشید الدین خانی
تاریخ فرشتہ

۱۹ تاریخ فتحیہ (قلمی فارسی)
۲۰ تاریخ نادری المعروف تاریخ الحکماء
۲۱ تحفۃ الاطباء (منظوم فارسی قلمی)
۲۲ ترجمہ ساوتر عبداللہ بن یحییٰ (فارسی قلمی)
۲۳ ترجمۂ کتاب ساوتر فیروز جنگ (فارسی قلمی)
۲۴ تزک محبوبیہ
۲۵ تقویم الاطباء (عربی قلمی)
۲۶ ثمرۂ حیات سلطان الحکماء وزیر علی
۲۷ چہار مقالہ نظامی عروضی سمرقندی
۲۸ خزائن الحکم (عربی قلمی)
۲۹ خفی علائی (فارسی قلمی و مطبوعہ)
۳۰ خلاصۃ الحیات (فارسی قلمی)
۳۱ دربارِ آصف
۳۲ دستور الاطباء (فارسی قلمی و مطبوعہ)
۳۳ ذخیرۂ اسکندریہ (عربی قلمی)
۳۴ رسالہ تحفۂ عالم شاہی (قلمی فارسی)
۳۵ رسالہ طبابت حیدرآباد
۳۶ رسالہ فیروز شاہی (قلمی فارسی)

۳۷ رسائل شبلی
۳۸ رسائل حنین بن اسحاق (عربی قلمی)
۳۹ رسالہ مقداریہ (فارسی قلمی)
۴۰ رشحات الفنون (فارسی قلمی)
۴۱ رموز الاطباء فیروز الدین
۴۲ ریاض عالمگیری (فارسی قلمی)
۴۳ سفرنامہ علامہ ابن جبیر
۴۴ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر
۴۵ سفرنامہ موسیو تھیونو
۴۶ سیر المتأخرین
۴۷ شرح فصول بقراط (عربی قلمی)
۴۸ صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب
۴۹ طبقات الاطباء (عیون الانباء) عربی
۵۰ طب سلیمان شاہی (فارسی قلمی)
۵۱ طب دارا شکوہی (فارسی قلمی)
۵۲ طب محمود شاہی (فارسی قلمی)
۵۳ عرب و ہند کے تعلقات مولانا سلیمان ندوی
۵۴ عین الشفاء (فارسی قلمی)
۵۵ فوائد الانسان (؍؍)
۵۶ فوائد معدہ (؍؍)

۵۸ قرابادین اسکندری (فارسی قلمی)
۵۹ قرابادین جلالی (؍؍)
۶۰ قرابادین دکن (؍؍)
۶۱ گلزار آصفیہ
۶۲ گنج باد آورد (فارسی قلمی)
۶۳ لذت النساء ابو المظفر ہبۃ اللہ (؍؍)
۶۴ لذات النساء مولانا جاجی (؍؍)
۶۵ مآثر الامراء
۶۶ مجموعہ حکیم الملک گیلانی (عربی فارسی قلمی)
۶۷ مجموعہ شجرۂ دانش (؍؍)
۶۸ مجموعہ عشرہ رسائل (؍؍)
۶۹ مخزن اسرار الاطباء (فارسی قلمی)
۷۰ معدن الشفاء سکندر شاہی (فارسی قلمی و مطبوعہ)
۷۱ مقالات زہراوی (عربی قلمی و مطبوعہ)
۷۲ منتخب التواریخ
۷۳ منتخب اللباب
۷۴ منتخب الادویہ (فارسی قلمی)
۷۵ میزان الطبائع قطب شاہی (فارسی قلمی)
۷۶ مختصر قانون ایلاقی (عربی قلمی)
۷۷ یادگار سلطنت (تذکرہ اطباء)

یادگار ظفر

طب شمالی ہند میں

(از صفحہ ۸۸ تا ۱۲۵)

طب دکن میں

(از صفحہ ۱۲۶ تا ۲۰۷)

اُشکم از پردہ بروں آمد و غوغا برداشت

سیلاب اشک نے ایک ایسی صورت اختیار کرلی جو اِن کاغذی پرزوں پہ
بکھرا ہوا ملے گا۔ اور مجھ سے ایک بے بضاعت کے لئے اِس کے سوا اور
طریقہ تھا؟ ؎

ہیں کہ سینہ چاک، جگر خوں کند کسے   اظہارِ دردِ دل بہ چہ مضموں کند کسے

اِس مقالہ کی ترتیب میں کس قدر خاک چھاننی پڑی ہوگی، اِس کے لئے کتاب
حد شہادت دے سکے گا۔ غالباً طب سے متعلق اپنی نوعیت کا یہ پہلا
مقالہ میں نے صرف "اسلامی طب" کی حد تک ایک کام کی ابتدا کی ہے
سچائی بات ہے کہ ہر تحقیقاتی کام میں ضرور اضافہ ہوتا چلا آیا ہے اور کیا
متوقع ہے کہ میرے محدود معلومات کے لحاظ سے اِس مضمون کی "ہندی کی چندی"
ملے دی جائے یہ یقین و باور کرنے کے لئے کافی گنجایش بھی موجود ہے کہ فنِ طب
ایسا ناپیدا کنار بحر ہے جس سے پار اُترنا، یا جس کا احاطہ کرنا بس کی چیز نہیں
مضمون میں ہزاروں ایسے باکمال اور ائمۂ فن ہوں گے جن کا تذکرہ اور جن کے
کارنامے اجاگر کرکے اِس سلسلے میں پیش کرنا ضروری ہوگا، اور وہ ہی میرے قلم
ہوگئے ہوں، چنانچہ اثنائے طباعت میں جنوری [illegible] کے "معارف" میں
عبداللہ صاحب چغتائی کا ایک مضمون نظر سے گزرا جس میں موصوف نے
ہے کہ

"یحییٰ بن عیسیٰ جزلہ (المتوفی [illegible]ھ) کی کتاب "تقویم الابدان" کا ایک نایاب ترین نسخہ، نہایت اچھی حالت میں گجرات کے علاقہ انکلیشور میں موجود ہے جو خطِ نسخ

تفصیل طبقات الاطباء جلد اول صفحہ [illegible] پر اور اخبار الحکماء قفطی طبع مصر صفحہ [illegible] اور صفحہ [illegible] پر مل سکتے ہیں۔

میں ۸۶۸ھ میں شیرہ خرما سے لکھا گیا ہے، اور مخطوطے کے سرورق پر

"کتاب تقویم الابدان و اسباب کل مرض و علامتہ و رتبہ یحییٰ بن

بجمیع المومنین و صاحبہ و کاتبہ الفقیر الی رحمۃ اللہ تعالیٰ و عفر ذنبہ المذ

احسانہ حمید بن عمر بن عبد الجبار الورزقینی الکتبیہ لنقیب فی سنۃ ثمان و ثمانین

ظاہر ہے کہ، ایسی بہت سی چیزیں ہوں گی ممکن ہے کہ کچھ فرو گذا

ہو گئی ہوں، اور جن باتوں کو میں اہمیت دے رہا ہوں، وہ درحقیقۃ

پڑھنے والے یہ کہہ اٹھیں سے

آنچہ، یاقوت گفتہ، میناست   چہ فروشی! کہ جوہری بینام

یہ مقالہ تین بڑے حصوں پر محیط ہے، پہلا۔ عرب و دیگر مسلمان سلاطین،

کی طبی مساعی پر منحصر ہے دوسرا۔ شمالی ہند کے بادشاہوں اور طبیبوں کے کارنام

رکھا ہے، تیسرا حصہ:۔ دکن کے حکمرانوں اور دکنی اطباء سے متعلق ہے۔

میرے اس مقالہ کا بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ "طب اسلامی" کی وقعت ا

نظروں میں، دوبارہ پیدا ہو جائے۔ پوری کتاب میں، ایک طرف عام دلچسپی

طور پر ملحوظ رکھی گئی ہے، اور دوسری طرف صاحبانِ فن کو اُن کے اسلاف

کارنامے سنائے گئے ہیں کہ وہ ان کو پڑھ کر کچھ گرما جائیں۔

میں نے اس دوران میں، فن طب پر، جس قدر غور کی ہے اس سے ا

پہنچا کہ جو شخص جس ملک کا باشندہ ہوگا اس کو وہیں کی آب و ہوا راس آ

اور اُسی سرزمین کی دوائیں، اس کے مزاج کے موافق بھی ہوں گی۔ کسی ایک

خطہ کی ادویہ سے دوسرے ممالک کے باشندوں کا علاج کرنا درست نہیں،

قدرت اور نیچر کے خلاف ہے۔ اگر فائدہ کی کوئی صورت بھی ہوگی تو اس

دیر میں ظاہر ہوگا، ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، اور کرنا چاہیئے کہ یونانی

ویہ کی عوض ہم ہندی دواؤں سے ہندوستانیوں کا علاج کریں، تو ان کو بہت
یدہ اور حیرت انگیز فائدہ پہنچے گا نہ یونانی دوائیں تنہا فائدہ پہنچا سکتی ہیں، اور نہ
انگریزی ہی ہمیں چاہیئے کہ ہم ایک فنی اور علمی حیثیت سے ایسی طب کی بنیاد رکھیں
اور ایسا معالجہ شروع کردیں کہ ہر طب سے اپنے مقصد کے موافق فائدہ اٹھائیں
اور اس کی ہر اچھی چیز کو بے پس و پیش اختیار کرلیں خواہ وہ انگریزی ہو یا یونانی یا ہندی
میں کسی قسم کا تامل نہ ہونا چاہیئے کہ ع

یک سجدہ بر دو قبلہ ہم از اختراع ماست

ہماری ناقص اور ذاتی رائے ہے کہ ہمیں اپنی "اردو زبان" کی طرح ایک ایسی
طب بھی حاصل کرلینی چاہیئے، جو ہر قوم کی سرمایہ دار ہوسکے۔ شاید اس قسم کی
کوششوں اور محنتوں سے ہم ایک ایسا فن حاصل کرلیں، جو سارے زمانہ کو اعجوبہ میں
ڈال دے۔ ہندوستان کے اکثر سلاطین نے اسی خیال سے کہ ہندوستانیوں کو
ہندی ہی طب سے فائدہ پہنچے گا، اس کی سرپرستی کی، اور اپنی اسلامی طب کے
ساتھ ساتھ اس کو شیر و شکر کرلینا چاہا چنانچہ بہت سے فاضل اور سنجیدہ بزرگوں نے
اس قسم کی تحقیقات میں ساری زندگی صرف کردی اپنی عمر بھر کی کمائی اور تجربوں کو ہمارے
لئے یادگار چھوڑ گئے کہ ہم ان کی کوششوں پر ایک ایسی عمارت تعمیر کرلیں، جو ہمارے
لئے ہر طرح سے مفید اور سودمند ثابت ہو، اگر ہم اس قسم کی سعی شروع کردیں اور اصولی
تحقیقات کرکے اپنی طب میں اضافہ کرلیں، تو ہمارا نام دنیا کی تاریخ میں ایک روشن
عہد کے دور میں مذکور ہوگا در حقیقت

دور عثمانی

کے زیر سایہ یہ سب کچھ ہوسکتا ہے، اور اس عہد کے ان برکات کو ہمارا عمیل یا منیر

ادویہ کی عوض ہم ہندی دواؤں سے ہندوستانیوں کا علاج کریں، تو ان کو بہت جلد، اور حیرت انگیز فائدہ پہنچے گا نہ یونانی دوائیں تنہا فائدہ پہنچا سکتی ہیں، اور نہ انگریزی ہی ہمیں چاہئے کہ ہم ایک فنی اور علمی حیثیت سے ایسی طب کی بنیاد رکھیں اور ایسا معالجہ شروع کر دیں کہ ہر طب سے اپنے مقصد کے موافق فائدہ اٹھا سکیں اور اس کی ہر اچھی چیز کو بے پس و پیش اختیار کر لیں خواہ وہ انگریزی ہو یا یونانی یا ہندی ہمیں کسی قسم کا تامل نہ ہونا چاہئے کہ ع

یک سجدہ، بر دو قبلہ ہم از اختراع ماست

ہماری ناقص اور ذاتی رائے ہے کہ، ہمیں اپنی "اردو زبان" کی طرح، ایک ایسی ہی طب بھی حاصل کر لینی چاہئے، جو ہر قوم کی سرمایہ دار ہوسکے۔ شاید اس قسم کی کوششوں اور محنتوں سے ہم ایک ایسا فن حاصل کر لیں، جو سارے زمانہ کو اعجوبہ میں ڈال دے۔ ہندوستان کے اکثر سلاطین نے اسی خیال سے کہ ہندوستانیوں کو ہندی ہی طب سے فائدہ پہنچے گا، اس کی سرپرستی کی، اور اپنی اسلامی طب کے ساتھ ساتھ اس کو شیر و شکر کر لینا چاہا چنانچہ بہت سے فاضل اور سنجیدہ بزرگوں نے اس قسم کی تحقیقات میں ساری زندگی صرف کر دی اپنی عمر بھر کی کمائی اور تجربوں کو ہمارے لئے، یادگار چھوڑ گئے کہ، ہم ان کی کوششوں پر ایک ایسی عمارت تعمیر کر لیں جو ہمارے لئے ہر طرح سے مفید اور سودمند ثابت ہو، اگر ہم اس قسم کی سعی شروع کر دیں اور معمولی تحقیقات کر کے اپنی طب میں اضافہ کر لیں، تو ہمارا نام دنیا کی تاریخ میں، ایک روشن باب کے دور میں مذکور ہو گا در حقیقت

دور عثمانی

کے زیر سایہ یہ سب کچھ ہو سکتا ہے، اور اس عہد کے ان برکات کو ہمارا عمل یا نیر

کی طرح سارے عالم میں روشنی پہنچانے کا ضامن ہوگا ۔

وقت ست اے حریف کہ غنچے درسبو کنند   دُردی کشاں بہ منزلِ مقصود رَہ کنند

اِس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہندی طب اسلامی (یونانی) طب کے مقابلہ میں زیادہ ترقی یافتہ نہیں اور اسی طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مغربی طب کے مقابلہ میں اسلامی (یونانی) طب کی قدیم تحقیقات تہ کرکے رکھ دینے کے قابل ہیں۔ مگر آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ طب جدید کے حاملین نے آپ ہی کے آباء اجداد کی تحقیقات، اور اُن کی کتابوں کو پڑھ پڑھ کر آج دنیا میں انقلاب پیدا کردیا اور نئے نئے نظریہ پیش کئے لیکن آپ نے کبھی اِن علمی خزانوں کو چھونے کی بھی زحمت گوارا نہ فرمائی۔ آج اُٹھئے! اور اپنی طب کو اعلیٰ و ارفع حیثیت دے کر اُس میں ریسرچ اور علمی تحقیقات کے ذریعہ، ہندی علم الادویہ، اور مغرب کے ترقی یافتہ اصولوں کو اپنے فن میں جذب کرلینے کی کوشش کیجئے، ورنہ یہ یاد رکھئے کہ خالی آباؤ اجداد کی سیکڑوں برس پیشتر کی محنت پر تکیہ کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا گو اس میں شک نہیں کہ آپ کے بزرگوں نے ایک حد تک مکمل اور اعلیٰ درجہ کا فن، آپ کے لئے ورثے میں چھوڑا ہے، مگر اِس کو دیکھئے کہ غیر اسی فن کو لے کر اُس پر تحقیق و انکشافات کے وسیلہ سے آپ کے آباء سے اولین کی محنتوں پر اپنے لئے جدید شہرت و عزت کی عمارت تعمیر کررہے ہیں، جس پر کہ آپ اور صرف آپ ہی کو حق پہنچتا تھا۔

ہمیشہ سے یہ اصول چلا آیا ہے کہ ہر قدیم چیز پر آنے والے ضرور اضافہ کرتے اور اپنی تحقیقات سے اِس کو اعلیٰ و ارفع درجہ پر پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ اُس کی تغیر پذیری کی وجہ سے "دُرمع الدہر کیف دار" کی [illegible] وہ چیز بھی ساتھ دے سکے، اگر مسلمان یونانی طب کو ترقی نہ دیتے تو آپ [illegible] بھی

ایسا شاندار فن نہ پہنچ سکتا تھا، اور نہ خود مغربی طب ہی آج اس قدر اعلیٰ پایہ پر ہو سکتی تھی۔ اسی طرح اب آپ پر بھی اس فن سے متعلق کچھ نہ کچھ خدمت کرنی فرض ہے۔

اگر میری یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور محافظین صحت نے، ان ناچیز مساعی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا، اور کچھ کام کرنے کے لئے، فن سے محبت کرنے والے پیدا ہو گئے تو بس محنت ٹھکانے لگی، اور اس کے برخلاف اگر یہ کاوش آپ کی نظر میں رائگاں ثابت ہو اور ایک فضول بکواس سے زیادہ درجہ حاصل نہ کر سکے تو سمجھئے کہ ع

این دفتر بے معنی، غرق مئے ناب اولیٰ

آخر پر میں مولانا نے محترم مولوی عمر یافعی صاحب (مدظلہ) کا شکر گزار ہوں کہ موصوف نے، اس دشوار گزار رستہ میں، خضر راہ بن کر ہمیشہ کی طرح اس موقع پر بھی رہبری فرمائی۔ حضرت صفی اورنگ آبادی مدظلہ اور ان احباب کا بھی ممنون ہوں، جن کی مخلصانہ نوازشیں، اس نوبت پر میرے شامل حال رہیں۔

۲۹، ذی حجۃ الحرام ۱۳۵۵ھ
بیرون یاقوت پورہ، نوازش منزل
حیدر آباد دکن

معین الدین رہبر فاروقی

تعارف

مولانا حکیم مقصود علی خاں

(افسر الاطباء دولت آصفیہ)

کی

تقریظی روشنی میں

۷۸۶
۷۹۲

مجی (ابنِ مظہر) قاضی معین الدین صاحب" رہبر فاروقی" (منشی فاضل) ملک کے
نوجوانوں میں ایک سنجیدہ اہلِ قلم ہیں۔ اب تک مختلف عنوانوں پر انکے جتنے مضامین
بھی چھپے ہیں اُن کے دیکھنے سے طبیعت میں ایک گونہ علمی و تحقیقی اُٹھان پائی جاتی ہے جو مصنف
کو کامیاب بنانے کی پوری پوری ضمانت دے سکتی ہے۔ ملک کی موجودہ "جلد بازی" کی
فضائے تالیف و تصانیف سے (مصنف بننے کے شوق میں) متاثر نہ ہو کر اپنے مطالعہ
کو پختہ کرنے کے بعد (جیسا کہ اسلامی طب میں کام لیا گیا ہے) کسی موضوع پر قلم اُٹھایا کریں
تو وہ دن دُور نہیں ہوگا کہ ملک کے چوٹی کے مصنفین میں انھیں ایک خاص امتیاز نہ
حاصل ہو کر رہے گی۔ ان کی فطری صلاحیت و کتابی قابلیت اور سب سے بڑھ کر خداداد
ذہانت سونے پر سہاگے کا کام دیا کرے گی۔ چنانچہ "اسلامی طب" کو پڑھنے کے بعد
مولانا حکیم مقصود علی خاں (افسر الاطباء، دولت آصفیہ) نے اپنی
رائے ان الفاظ میں لکھی ہے کہ:۔

"قاضی معین الدین صاحب رہبر فاروقی ملک کے نوجوان
ہونہار، قابل افراد میں سے ہیں، ان کی تالیف "اسلامی
طب شاہانہ سرپرستیوں میں" میں نے پڑھی، جس محنت
اور کد و کاوش کے ساتھ بکھرے ہوئے موتی سمیٹے گئے
ہیں اس کی داد نہ دینا مؤلف پر ظلم کرنا ہے"۔
امید ہے کہ ان کی یہ تالیف دلچسپی کے ساتھ پڑھی
جائے گی، اور ملک اس کی قدر کرے گا"۔
"یہ نوجوان ہیں، اور ان میں ترقی کے آثار پائے جاتے
ہیں، یہ ان کی پہلی کوشش ہے۔ امید ہے کہ یہ اگر اس سلسلہ

کو جاری رکھیں گے تو آئندہ ملک کے اچھے مصنفین میں ان کا شمار ہوگا۔"

"اسلامی طب" کا موضوع ایک ایسا پُرعظمت موضوع ہے کہ اسلامی علوم کے نقطۂ نظر سے مولانا شبلی مرحوم کے بعد سے شاید ہی کسی نے آج تک توجہ کی ہو۔ کتاب کا طرز بیان نہایت درجہ شگفتہ و برجستہ ہے، واقعات کی ترتیب میں بڑے سلیقہ کے ساتھ کام لیا گیا ہے، کتاب میں ہر جگہ دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے باعث اسے اول سے آخر تک پڑھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ گو یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک مستقل کتاب کی تعریف میں داخل نہیں ہوتی، بل کہ اس کا "خاکا" معلوم ہوتا ہے۔ لیکن مؤلف کے طبعی ذوق و شوق نے اس "خاکے" کے لئے بھی سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی کٹھن زحمت بھی برداشت کی۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ ساری کتابیں انھیں ملک ہی میں میسر آگئیں۔ ان میں بعض کتابیں تو "نوادر" کا بھی حکم رکھتی ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے ممکن ہے کہ اور بیسیوں کتابیں قابل مطالعہ نکل آئیں، اور ان کے لئے بیرونِ ملک سفر کی ضرورت بھی داعی ہو، مگر سے

مرا به تجربه معلوم شد، پس از سی سال   که قدرِ مرد به علم است و قدرِ علم به مال

کیا عجب ہے کہ اس کتاب کو ہماری فیاض و علم پرست حکومت ملاحظہ فرمانے کے بعد اس سے کہیں وسیع تر پیمانے پر لکھنے کے اسباب مہیا کر دے، اور مؤلف کو اطمینان کے ساتھ اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔

چوں کہ مؤلف میرے رفیقِ طریق ہیں، اور اپنے دیباچۂ کتاب میں بھی ایک خاص نہج سے میرا ذکر کیا ہے، اس لئے ڈر ہوتا ہے کہ میں کچھ اور زیادہ لکھوں تو کہنے والے کہیں گے کہ اپنی آپ تعریف کی ہے۔ آپ کتاب پڑھئے اور سچی رائے قائم کیجئے۔ میرے دل سے تو یہی نکلتی ہے کہ

ع "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"

عمر یافعی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی طب شاہانہ سرپرستیوں میں

اور چیزوں سے قطع نظر اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ درحقیقت دنیا کو دو علموں کی ضرورت ہے، اور بقیہ علوم اُس کی متضاد فطرت کا نتیجہ ہیں۔ جن کے بغیر بھی دُنیا کے کاروبار آسانی سے نہیں تو کم از کم کسی نہ کسی حیثیت سے تکمیل پا سکتے ہیں۔ آج سے ہزاروں سال قبل دُنیا کا کیا حال تھا اور اُس وقت انسانی تمدن و زندگی کس نوبت پر تھی، وہ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں، مگر زمانۂ ماقبل تاریخ میں بھی، یا یوں کہیے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کو پہلے پہل صرف دو علموں ہی سے سابقہ پڑا، اگر یہ کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا کہ ابن آدم کے عالم وجود میں آتے ہی "عِلْمُ الْاَدْیَان" کی بجائے اُسے "عِلْمُ الْاَبْدَان" کی ضرورت پیش آئی۔ جب وہ اپنی معصومانہ زندگی ختم کر کے عالم ہوش میں پہنچا تو اُسے "علم الادیان" کی طرف متوجہ ہونا پڑا کہ بقائے صحت ہی پر سارے دینی و دنیوی امور موقوف ہیں۔

ہر انسان کا کوئی نہ کوئی مذہب ہوتا ہے اور ہر شخص کسی نہ کسی حیثیت سے
خدائے ذوالجلال کے وجود کا مُقر نظر آتا ہے، بالآخر یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ
ایک ہی ذات مختلف ناموں اور مختلف طریقوں سے مسجود عالم بنی ہوئی ہے۔ اسی لیے
کسی نے کیا خوب کہا ہے :-

وَلِلنَّاسِ فِیْ مَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاھِبُ (یعنی عشق میں لوگوں کے اپنے اپنے طریقے ہیں)
اُن طرقِ متضادہ کی تعلیم ہر شخص کو اس کی ہمت کے موافق حاصل کرنی پڑتی ہے
گو اب زمانہ کے تغیر سے بعض لوگ "لا مذہب" سمجھے جاتے ہیں، اس کے باوجود
یہ شدت کے ساتھ احساس ہونے لگتا ہے کہ ان کے نزدیک اُن کا یہ منتہائے
خیال "مادہ" ہی خلّاقِ عالم ہے جسے وہ اپنی زبان میں وہ نام دے لیتے ہیں اور
ہم اِسی کو نرقی دیگر، خدائے لایزال کہتے ہوئے آمَنَّا وَ صَدَّقْنَا پڑھتے ہیں :-

حرم جویاں درے را می پرستند — فقیہاں دفترے را، می پرستند
برافگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاراں، دیگرے را، می پرستند

مگر حقیقت بیں نگاہوں سے یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ ایسے اشد بھی، موقع پر ضرور
اپنے آبائی مذہب کی پیچ کرنے کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور اسی وجہ سے یہ معلوم
ہوتا ہے کہ مذہب انسان کی ایک فطری چیز ہے جس سے کسی حالت میں بھی مفر
نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے حکیم عالمیان حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ
وسلم (فداہ اُمی وأبی) نے یہ ارشاد فرمایا "اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ، عِلْمُ الْاَدْیَانِ
وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ" یعنی علم دو ہیں، ایک علمِ دین دوسرا علمِ صحت بدن (طب)

علم طب کی ابتداء انسانی عقل اس بات کو تسلیم کرنی چاہتی ہے کہ "علم طب"
کوئی نیا علم نہیں ہوگا۔ جب سے کہ اس کرۂ خاکی پر اس کی تخلیق ہوئی اسی وقت
سے "آبائے اوّلین" نے اپنی عقل کارستانیوں اور قوتوں کے ذریعہ، اپنے

درمانوں کا علاج بھی ڈھونڈ لیا ہو گا، اسی لیے مسلمان مانتے آئے ہیں کہ حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی پہلے انسان، اور سب سے پہلے طبیب تھے، جنہوں نے اس فن میں، خلاق عالم سے تلمذ حاصل کیا تھا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے "شیثؑ"[1] کو یہ علم وراثۃً ملا، گو اس فن نے ہزاروں سال تک علمی حیثیت اختیار نہ کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس علم کی مکمل تعلیم الہام کے ذریعہ "حضرت سلیمانؑ" کو دی گئی تھی۔ یہ تو مسلمانوں کے عقائد ہوئے لیکن غیر مسلم اقوام میں، اگر یہودیوں نے "حضرت موسیٰؑ" کو اس علم کا موجد قرار دیا، تو دوسری طرف ہندوؤں نے "دھن تنتری" اور مجوسیوں نے اپنے پیغمبر "زردشت" کو مخترع سمجھا اس زمانہ کو مورخین "خود رو طبابت" سے موسوم کرتے ہیں، جو لازمۂ زندگی ہے۔ اور جس میں "عملیات و روحانیات" کے ذریعہ بھی علاج معالجہ کی ایک شاخ نکلی۔

ان سب سے الگ، ہر چیز کو علم و عقل کی صحیح روشنی میں دیکھنے والے مورخین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ "اسقلی بیوس[2]" ہی ایک ایسا شخص گذرا ہے،

---

[1] شیث علیہ السلام کا نام اوریائی "ثالث" و "اغا ثادیمون" بھی لکھا ہے، جس کے معنی اہل سعادت کے ہیں۔ یہ ہرمس الہرامسہ کے استاد ہیں جن کو عرب "ادریس" سمجھتے ہیں اور حضرت ادریس علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے شریعت اور حکمت سیکھی ابو معشر لکھتا ہے کہ "ہرمس الہرامسہ" کئی لوگ ہیں۔ ہرمس کو یونانی میں "ارمس" کہتے ہیں اور ہرمس معرب ہے جس کے معنی عطارد کے ہیں۔ یونانیوں نے اپنی اس ان کا نام "طرشمیر" رکھا ہے۔ اور عبرانی میں حنوخ ستر یخ بن مہلا ئیل بن انوش بن شیث بن آدم لکھا ہے۔ حضرت ادریس نے طوفان نوح سے پہلے ہی تمام علوم میں کمال حاصل کر لیا تھا، نوح کے طوفان کے بعد پھر ایک طوفان ہوا جس میں اہل مصر غرق کر دیے گئے۔ اس طوفان کے بعد ادریس مصر سے نکلے اور تمام دنیا کی سیر کی اور پھر مصر واپس آئے۔ اس کے بعد قدرت نے انہیں آسمان پر بلا لیا (تاریخ حکما شہ زوری)

[2] بعض مورخین اسے پیغمبر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ ہرمس کا شاگرد تھا۔ اس نے لوگوں کو تحصیل علم کی رغبت دلائی اور تعلیم و تعلم کی ہمیشہ کوشش کرتا رہا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بارہ ہزار شاگرد تھے۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی قبر سے شفا کے طلبگار ہوتے تھے اور ہزار قندیل اس کی مرقد پر روشن کی جاتی تھیں۔ (تاریخ الحکماء شمس الدین محمد شہ زوری)

جو "ابوالاطباء" تھا، اورجس نے سب سے پہلے، ایک فن کی حیثیت سے اس علم کی تحقیق وتلاش کی، اور اس کی داغ بیل ڈالی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ قدرتاً یونان کی خاک ہی، اس علم کے باکمالوں کے راس آئی تھی، جہاں سے بڑے بڑے نام آور اطباء پیدا ہوئے اس موجد طب کا بھی خمیر اسی یونانی آب وگل کا تھا، جس نے سب سے پہلے ایک ایسے علم کی بنیاد رکھی کہ اس کے بعد آنیوالی نسلوں سے ایسے ایسے فردِ فرید اُٹھے کہ ہمیشہ کے لیے جریدۂ عالم پر یونان کا نام اس علم کی بدولت ثبت ہوگیا، اور خود بھی زندۂ جاوید بن گئے۔

لکھا ہے کہ "اسقلی بیوس" نے اپنی اولاد کو اس فن کی زبانی تعلیم دی تھی اور وصیت کی تھی کہ یہ علم خاندان سے باہر نہ جانے پائے۔ اقلیدس، افلاطن سولن وغیرہ، اسی کے خاندان کے نام لیوا تھے۔ اس سلسلہ کی سولہویں نسل میں حضرت عیسٰی علیہ السلام سے پانچسو برس پہلے بقراط پیدا ہوا، جو یونانیوں میں پہلا شخص تھا، جس نے اس فن کی تدوین کی، اور متعدد کتابیں لکھیں اپنے خاندانی روایات کے برخلاف اس کو عام کردیا۔ صاحب الرائے لوگوں نے کہا ہے کہ اسلام سے پہلے جالینوس پر اس فن کے کمال کا خاتمہ ہوگیا۔ اسقلی بیوسؑ، غورس، مینس، برمانیدسؑ، افلاطنؑ، اسقلی بیوس دوم، بقراطؑ، جالینوسؑ یہ وہ آٹھ باکمال حکماء ہیں جنھیں دُنیا "کاخ طبابت یونانی" کے ارکان سے موسوم کرتی ہے۔

علم طب کی ابتدار کے بارے میں خود بقراط وجالینوس کا یہ قول ہے کہ "جب فلسفہ کو دنیا الہامی تصور کرتی ہے تو پھر کیوں نہ علم طب کو بھی ایک الہامی علم سمجھا جائے"۔ جو طبقہ اس کو الہامی تصور کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، وہ کہتا ہے کہ انسان عقل وفراست کی لازوال دولت کے باعث ساری مخلوقات عالم پر

فضیلت رکھتا ہے' اور خداوندِ عالم کی حکمتِ کاملہ نے غور و فکر کا مادہ اس میں بدرجۂ اتم ودیعت کر رکھا ہے' چنانچہ فلسفہ و حکمت وغیرہ جیسے علوم سب اسی کی عقلی تگ و دو کا نتیجہ ہیں اور اسی نظریہ کی تحت یقیناً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ "علمِ طب" بھی انسان کی سالہا سال کی متواتر محنتوں اور تجربوں کا ایک بہترین نمونہ ہے' اور اس کی تائید' دنیا کے ایک محیّر العقول اور عظیم الشان "علم سائنس" کے ذریعہ بھی کیجا سکتی ہے۔[1]

جب زمانہ کی ضروریات بڑھتی گئیں' اور انسانی عقل میں روز بروز ترقی ہونے لگی' تو معاملاتِ زندگی میں ارتقاء ہونے لگا' جس طرح' فہومِ انسانی نے سہولتوں ضرورتوں کے ارتفاع کی تدابیر سوچیں' اور ان کے لیے نئی نئی راہیں تلاش کریں' اسی طرح علم طب نے بھی عظیم الشان ترقی کے مدارج طے کیے' جسے یونانیوں نے اگر ترقی دی تو مسلمانوں نے اسے معراجِ کمال پر پہنچا دیا' اور اپنے کارناموں کے ذریعہ ساری دنیا میں ایک مہتم بالشان انقلاب پیدا کر دیا۔

طِبِ ایامِ جاہلیت میں قیاس کہتا ہے کہ' ریگ زارِ عرب پر آفتاب اسلام کے ضیا گستر ہونے سے قبل ہی عربوں میں علاج معالجہ کا فن رائج ہو چکا تھا' ان میں سے صرف ایک ایسے شخص کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جس نے باضابطہ طور پر اس میں دستگاہ حاصل کرنے کی سعی کی تھی اور ایران جا کر اس علم کی تحصیل کی۔[2] اس شخص کا نام "حارث ابن کلدہ"

---

[1] علم طب کی ابتداء کے بارہ میں ہی اگر کچھ تفصیلی لکھنا چاہیں تو ایک مبسوط کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہم نے بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیا ہے ۱۲

[2] ایران میں یونانی طب کے پھیلنے کے وجوہ یہ بیان کیے جاتے ہیں کہ جسٹی نین اول نے ۵۲۹ء میں بیدین فلسفیوں کو خارج البلد کر دیا تھا' جنھوں نے ایران میں آکر پناہ لی تھی۔ اس وقت یہاں خسرو پرویز اقتدار تھا' ان ہی لوگوں کی بدولت عجم میں یونانی طب اور فلسفہ جاننے والے پیدا ہو گئے تھے ۱۲

تھا' جو طائف کا رہنے والا اور قبیلۂ "بنی ثقیف" سے تھا[1]۔ تحصیل علم کے بعد واپس آ کر
علاج معالجہ شروع کیا' اور اس قدر شہرت و ہر دل عزیزی حاصل کی کہ ساری قوم
اسے "طبیب العرب" سے مخاطب کیا کرتی تھی۔ اس علم کی بدولت نوشیروان کے دربار
میں بھی' ایک معزز جگہ حاصل کی۔ صاحبِ مآثر الامراء نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ' جب
بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات
نے اس کے لیے دعا فرمائی اور فرمایا کہ انشاءاللہ تعالیٰ قیامت تک تیری اولاد میں طبابت
وجراحی جاری رہیگی[2]۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی اپنے کسی مرض کے بارہ میں اس سے
مشورہ کیا تھا۔ یہ سنہ ۱۳ھ/۶۳۴ء یا سنہ ۲۰ھ/۶۴۰ء میں زہر سے انتقال کیا[3]۔ اس کے ایک ہمعصر
"ابن ابی رومیہ تمیمی" کا بھی نام ملتا ہے۔ اور "علامہ جمال الدین قفطی" نے اپنی کتاب
"تاریخ الحکماء" میں اس کا نام "ابن ابی رمثہ" بتایا ہے' اور اس کے متعلق یہ لکھا ہے'
کہ یہ "صناعتِ ید" میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ حضور رسالت مآبؐ کے عہد مبارک
میں تھا' اور زیارت سے بھی مشرف ہوا تھا' اپنے لیے سید الانام کی جناب میں دعا
کی بھی التجا کی تھی[4]۔ ان دونوں کے بعد حارث بن کلدہ کے لڑکے نضر بن حارث
نے بڑی شہرت حاصل کی' جس کی وجہ سے بلادِ عرب میں اس علم کا شوق جاری
وساری ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر مارا گیا[5]۔
فن طب میں عرب کی عورتوں نے بھی دل چسپی لی تھی' قبیلۂ بنی داؤد کی ایک

---

[1] ضاحجۃ الطرب فی تقدمات العرب مقالۂ طب ۱۲

[2] مآثر الامراء جلد اول ص [illegible] ۱۲

[3] ضاحجۃ الطرب فی تقدمات العرب مقالۂ طب ۱۲

[4] تاریخ الحکماء جمال الدین ص ۲۸۳ مصر ۱۲

[5] ضاحجۃ الطرب مقالۂ طب ۱۲

خاتون "زینب" نے بڑی شہرت حاصل کی۔ یہ فاضلہ آنکھ کے علاج میں بڑی دستگاہ رکھتی تھی۔ اور زخموں کا علاج بڑی کامیابی سے کیا کرتی تھی۔ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی کتاب آغانی الکبیر میں بھی اس کا ذکر کیا ہے[1]۔

حالات کے استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کے جلیل الشان خلیفہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایران پر فوج کشی فرمائی، تو سپاہ اسلام کے ہمراہ کئی نامی اطبا، و جراح موجود تھے۔

بنی اُمیہ اور طب | مورخین لکھتے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عرب چھوڑ کر دمشق چلے آئے اور اس کو اپنا دار الخلافہ قرار دیا۔ تو یہاں ان کے دربار میں ایک عیسائی معالج "ابن آثال" تھا۔ یہی سب سے پہلا شخص ہے، جس نے امیر کے لیے یونانی زبان سے طب کی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کیں۔ آئے دن اس فن سے دلچسپی برابر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ خاندان بنی اُمیہ کے ایک شہزادہ (خالد بن یزید بن امیر معاویہ، متوفی ۸۵ھ) نے اپنے علمی انہماک و ذوق کی بناء پر تخت خلافت سے دست برداری حاصل کی، اور اس کی بجائے معاویہ بن یزید تخت نشین ہوا۔ خالد شہزادہ کی اس علم دوستی کی وجہ سے اس کے لیے اکثر و بیشتر طبی و کیمیاوی کتابیں عربی میں ترجمہ کی گئیں اور یہ کام حکیم اسیفانوس (قریانوس) کے سپرد کیا گیا تھا۔ علم کیمیا کی کتابوں کے ترجمہ پر "اصطفن" مامور تھا۔ خالد خود ایک بہت بڑا فاضل تھا، اس لیے اس دور میں خاصی علمی چہل پہل پیدا ہو گئی تھی اور خالد کو "حکیم آل مروان" کے لقب سے یاد کیا جاتا۔ اس کی تصنیفات سے کتاب صحیفۃ الکبیر، کتاب صحیفۃ الصغیر وغیرہ

---

[1] طبقات الاطبا، جلد اول صہ ۱۲۳
[2] رسائل شبلی صہ ۲ مطبع العلوم علی گڑھ۔

کے نام پڑھنے میں آتے ہیں۔ اس خاندان میں مروان جو ظلم کا پتلا سمجھا جاتا ہے، اس کے باوجود یہ بھی علم و فن کا دلدادہ تھا۔ اس کے عہد میں "تیاذوق" نامی ایک طبیب نے (جس کے بہت سے شاگرد خلفاء عباسیہ کے عہد میں موجود تھے) بڑی شہرت حاصل کی تھی، ان میں فرات بن سنحیاثا، عیسیٰ بن موسیٰ کے نام زیادہ مشہور ہیں بعد میں تیاذوق کو یہ عروج حاصل ہوا کہ وہ حجاج بن یوسف ثقفی کے اطبائے خاص سے سمجھا جانے لگا۔ زبردست مشہور و معروف یہودی عالم ابن ماسرجویہ (ماسرجیس اسرائیلی) بھی اسی عہد کا فاضل تھا۔ اس نے کئی کتابیں لکھی تھیں "کتاب قوی الاطعمہ ومنافعہا و مضارہا" و کتاب "قوی العقاقیر ومنافعہا و مضارہا" وغیرہ کے نام ہم تک پہنچے ہیں ایک اور کتاب "کناش" (قرابادین یا مخزنِ ادویہ) کے نام سے سریانی زبان سے ترجمہ کی، جو اہرن قس کی مصنفہ تھی۔ جب یہ تمام ہوئی تو شاہی کتب خانہ میں داخل کی گئی اور آج یہ دنیا سے ناپید ہے۔

جب مروان کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک تخت پر بیٹھا، تو اس کے عہد میں بھی اطباء کی قدر و منزلت میں کافی اضافہ ہوا، چنانچہ اس کے دربار سے دو مشہور طبیب وابستہ تھے، جن کا نام "ثوذوکس و ثیوذون" تھا۔ الغرض اس طرح علمِ طب کی قدر برابر بڑھتی گئی اور منتشر طور پر بادشاہ کے یہاں ایک نہ ایک طبیب دربار سے متعلق ہوا کرتا تھا۔ اس عہد تک فنِ طب کے جاننے والوں کی ایک کثیر تعداد وجود میں آچکی تھی اور یہ لوگ اپنے اپنے گھروں پر مطب کیا کرتے تھے، مستقل حیثیت سے، کسی آئینی طور پر اس دور تک کسی شفاخانہ کی بنیاد پڑی تھی، اور نہ اس کا رواج ہی ہوا تھا۔

دنیا کا سب سے پہلا دارالشفا، (یعنی ولید کا شفاخانہ)

اس اہم ضرورت کی طرف سب سے پہلے عنانِ توجہ پھیرنے والا، ایک ایسا تاجدار تھا

جسے اپنے ابنائے جنس کے دُکھ درد کا بے حد خیال رہا کرتا تھا۔ یہ خاندانِ اُمیّہ کا وہی بادشاہ ہے جسے دُنیا ولید بن عبد الملک کے نام سے جانتی ہے۔ عربی کی یہ ضرب المثل سچ ہے کہ "رَجُلٌ خَيْرٌ، يَحْمِلُ خَيْراً" اِس نے اپنی عزیز رعایا کی خاطر بڑے بڑے رفاہی کام انجام دیے۔ جس قدر اندھے اور مفلوج تھے، ان سب کی ایک فہرست طلب کی، اور ان لوگوں میں سے ہر ایک کے نام وظیفے مقرر کر دیے۔ معذوروں کی خدمت گزاری کے لیے ایک ایک خادم بھی متعیّن تھا۔ نیز اسیوں کے لیے سلطنت کی جانب سے روزینے مقرر تھے۔ اور حکم تھا کہ یہ لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نہ نکلنے پائیں۔ ان سارے امورِ رفاہیہ (Public works.) کے سلسلہ میں ایک شفاخانہ کا بھی افتتاح عمل میں آیا۔ یہ ایک ایسا "خیرِ جاریہ" تھا، جس کی بدولت ممکن ہے کہ آج تک بھی عقائدِ اسلامیہ کی تحت، ولید کا نامۂ اعمال نیکیوں سے پُر کیا جا رہا ہوگا، کیونکہ بہت جلد اور سلاطین نے بھی اُس کی اِس سنّت کی پیروی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مُلک کے گوشہ گوشہ میں "عافیتِ عامّہ" کے لیے شفاخانے کھل گئے، اور دُنیا ایک حقیقی ضرورت کی طرف متوجہ ہو گئی۔

ع نیکواں رفتند و سنّتہا بماند

ولید نے اس دار الشفاء کا سنگِ بنیاد ۸۸ھ میں بنفسِ نفیس اپنے ہاتھوں رکھا، جو دُنیا کا سب سے پہلا شفاخانہ سمجھا جاتا ہے، اس میں بہت سے طبیب و جرّاح مقرر کیے گئے تھے۔

چونکہ اس وقت صرف یونانی طب ہی سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھی، اور اس فن کی عمدہ عمدہ کتابیں بھی یونانی زبان میں موجود تھیں جن سے استفادہ کیے بغیر گریز نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ان کتابوں کے ترجمہ کا

حکم دیا گیا، اور اس تقریب سے بہت سے یہودی اور عیسائی علماء خلیفہ کے دربار میں باریاب ہوگئے، اور شاہانہ سرپرستیوں کے باعث یونانی علوم و فنون سے واقف ہونے کے مسلمانوں کو مواقع حاصل ہوگئے۔

وہ نیک دل سلطان، جنھیں عالم اسلامی، بلافصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد، پانچواں خلیفہ سمجھتا ہے، اور جو آج تک حضرت عمر بن عبدالعزیز (رضی اللہ عنہ) کے نام سے مشہور ہیں، ابھی سریر آرائے خلافت بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے فن طب کی ایک معرکۃ الآرا، خدمت انجام دی تھی۔ یعنی جب آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اسکندریہ تشریف لے گئے، تو یہاں آپ نے حکیم عبدالملک بن ابجر کنانی کو جو دارالعلوم اسکندریہ میں علوم عقلیہ کا پروفیسر تھا، حلقہ بگوش اسلام فرماکر، حکماء اسلام میں شامل فرمادیا تھا۔ جب بنی امیہ کی عنانِ حکومت آپ کے ہاتھوں پہنچی، تو آپ نے محکمہ طبابت کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی۔ چنانچہ جب شاہی کتب خانہ میں ابن ماسرجویہ کی کتاب "کناش" (جس کا آگے ذکر آچکا ہے) آپ کو ملی، تو اس کو نکلواکر چالیس روز تک اپنے مصلے کے نیچے رکھا، اور غور فرمایا کہ درحقیقت یہ کتاب بنی نوع کے لیے فائدہ رساں ہوسکتی ہے یا نہیں، کسی جاہل کی یا ناقابلِ اعتبار تو نہیں۔ جب ان باتوں پر کامل اطمینان ہوا، تو ۹۹ھ میں حکم صادر فرمایا کہ اس ترجمہ کی بہت سی نقلیں کرائی جائیں، اور سارے ملک میں اس کو نشر کردیا جائے۔

احمد بن ابراہیم، جو یزید بن عبدالملک (المتوفی ۱۰۵ھ) کے دربار کا طبیب تھا اور بڑی شہرت پیدا کی تھی، بقراط کی کتابوں سے منتخب کرکے ایک کتاب "اصول الطب" اور ایک رسالہ نباتات کی تحقیق میں لکھا۔

پہلی صدی ہجری کے اختتام تک بڑے بڑے طبیب پیدا ہو چکے تھے،

جن میں یحییٰ نحوی، حکیم اولیطراسس حکیم اربیاسوس وغیرہ قابلِ ذکر ہیں یحییٰ نحوی کے متعلق لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر اس سے بے حد دوستی رکھتے تھے۔ غالباً یہ رفاقت اس کے ایک فن کا استاد ہونیکی وجہ سے تھی[1]۔

شفا خانۂ جندیساپور ولید کے بعد تقریباً پچاس ساٹھ سال کے عرصہ میں ملک کے طول و عرض میں، کثرت سے شفا خانے قایم ہو گئے، ان سب میں "جندیساپور" کے شفا خانہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، جس کا مہتمم "جارجس یونانی" تھا، یہ ایک باکمال طبیب تھا۔ اس نے سریانی زبان میں ایک قرابادین تیار کی تھی، جس کا ترجمہ بعد میں حنینؒ ابن اسحاق نے عربی میں کیا تھا۔

طب خلفاء بنی عباس کی سیادت میں تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ کے حسبِ فرمان کی سخت، بنی اُمیہ کو زوال ہوا، تو ان کی جگہ خلافت عباسیہ قایم ہوئی۔ اس خاندان کا دوسرا خلیفہ منصور ۱۴۸ھ ہجری میں سخت بیمار ہوا، اور جب زیست سے ناامید ہو چکا، تو جارجس کو اپنے دربار میں طلب کیا امتثال امر میں اس نے اپنے شفا خانہ کا انتظام اپنے بیٹے کے سپرد کر کے دار الخلافت بغداد کی راہ لی، اور خلیفہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا سلطان کو عربی و فارسی دونوں زبانوں میں دُعا دی۔ جس سے بادشاہ کو تعجب ہوا پھر اُس سے چند سوال کیے۔ جن کا شافی جواب پایا۔ پھر اپنے مرض کو بیان کیا، تو اُس نے کہا کہ اب میں آپ کا علاج کرونگا۔ چنانچہ اس کے علاج سے منصور صحت یاب ہوا، تو اسے فن طب کی خوبیوں کا احساس ہوا، اس لیے جارجس سے عربی زبان میں یونانی طبی کتابوں کے ترجمہ کی فرمایش کی چنانچہ اس حکم کے بعد بہت سی کتابیں عربی قالب میں آگئیں۔ ۱۵۲ھ میں جب

---

[1] رسالہ تمدن مارچ ۱۹۱۶ء [2] رسائل شبلی صفحہ

جارجس کسی مرض میں مبتلا ہو کر وطن جانے لگا تو اپنے شاگرد عیسیٰ بن شہلاثا کو دربارِ خلافت میں جانشین مقرر کیا۔ لیکن اس کے مرنیکے بعد اس کا بیٹا بختیشوع قایم مقام ہوا، جو خلیفہ ہارون رشید کا خاص طبیب تھا۔

ایک طبیب جس نے اپنے کمالات سے چاند بنایا تھا

منصور کے بعد اس کے بیٹے مہدی نے تخت خلافت کو ۱۵۸ھ میں زینت دی۔ طبابت کو اس وقت تک کافی عروج ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کے زمانہ میں "حکیم المقنع" (ابن خطاء) نامی ایک شخص گذرا ہے، جس کو دنیا شاعروں کی بدولت آج تک جانتی ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص علاقہ "مرو" کا رہنے والا تھا۔ نہایت پستہ قد و یک چشم تھا۔ اپنے علمی و فنی کمالات سے نخشب کے کنویں سے ایک مصنوعی چاند نکالا تھا جو اسی کنویں سے طلوع ہو کر چھ میل سے زیادہ رقبہ پر اصل چاند کی طرح ضیا گستری کرتا تھا۔ اس نے اپنے کمالات و دانائی کے گھمنڈ پر نبوت و پیغمبری اور اس کے بعد خدائی کا دعویٰ کیا، تو خلیفہ نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے فوج روانہ کی۔ ماوراء النہر پر ۱۶۱ھ میں تاب مقاومت نہ لاکر، قلعہ بند ہو کر خودکشی کر لی۔ اسے عام طور سے پیغمبر خراسانی بھی کہا جاتا ہے۔ شعراء کے نزدیک "چاہ نخشب" و "ماہ نخشب" سے یہی چاند اور یہی کنواں مراد ہوتا ہے، اور "نخشب" مقام کا نام ہے۔

المتوکل باللہ کے زمانہ میں، شفا خانہ جندیساپور کا مہتمم سابور بن سہل تھا، جس نے ۲۵۵ھ ہجری میں وفات پائی، اس نے بھی ایک مفصل قرابادین تیار کی جو سترہ ابواب پر مشتمل تھی اور کئی سو برس تک شفا خانوں میں متداول رہی۔ لکھا ہے کہ اس شفا خانہ میں "ماسویہ" جیسا نامی گرامی طبیب تیس سال تک دواسازی اور مہتممی کا

کام کرتا رہا۔

یحییٰ برمکی کا دارالشفاء | خلفاء عباسیہ کے عہد میں "خاندان برامکہ" کو جو عروج حاصل ہوا، اسے ایک دنیا جانتی ہے۔ اس خاندان کے ایک رکن رکین، یحییٰ ابن خالد نے (جو ہارون رشید کا وزیر اعظم تھا) خود بھی اپنے ذاتی صرفہ سے بغداد میں ایک شفا خانہ تعمیر کرایا تھا۔ حالانکہ اس وقت دارالخلافت میں بہت سے شفا خانے موجود تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یحییٰ کو اس فن سے گہری دلچسپی تھی۔ اس کی توسیع و اشاعت کے لیے وہ تدبیریں سوچتے رہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہندوستان کے علم طب "ویدک" کی بھی سرپرستی کر کے ایک خاص کام انجام دیا ہے۔ یہ مناسب ہوگا کہ ہم فن ویدک کی مختصر تاریخ پر یہاں سلسلۂ بیان میں کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کریں۔

ویدک کی مختصر تاریخ | ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ "برھما جی رشی" نے "برھم سنگھتا" بنائی، اور ان سے "دکھش پرجاپتی" نے اس علم کو سیکھا، اور "دکھش سنگھتا" بنائی، پھر ان سے "اشونی کمارون" نے یہ علم پڑھا، اور ان لوگوں نے "راجہ اندر" کو یہ فن سکھایا، جس کے زمانہ میں طبابت کے فن کو بڑا عروج نصیب ہوا۔ پھر اس کے بعد اس کو زوال آیا، تو بہت سے رشی ہمالیہ پربت پر جمع ہوئے اور آپس میں اس فن کی

---

۱ طبقات الاطباء مصنفہ علامہ ابن ابی اصیبعہ۔ ان کا پورا نام ابو العباس احمد بن سدید الدین قاسم بن خلیفہ بن یونس السعدی الخزرجی تھا۔ یہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور علماء سے ہیں۔ تخمیناً ۶۴۳ھ میں طبقات الاطباء لکھی جس کی وجہ سے ان کی بڑی شہرت ہوئی ان کا دادا صلاح الدین غازی کے دربار کا شاہی طبیب تھا۔ بڑے بڑے مورخین کا اتفاق ہے کہ اطباء کے حالات میں "طبقات" سے بہتر کتاب آج تک نہیں لکھی جا سکی! اس کے علاوہ "حکایات الاطباء فی علاجات الادواء" (اطباء کے تاریخی معالجات کا تذکرہ) و کتاب التجارب و الفوائد وغیرہ ان کی تصنیفات سے ہیں۔ ۶۶۸ھ میں علاقۂ شام میں انتقال کیا۔ (تہذیب الاخلاق جلد اول نمبر ۳۶) مولانا سید سلیمان ندوی ان کا زمانہ "عرب و ہند کے تعلقات" میں ۵۹۹ھ / ۱۱۹۴ء تا ۶۶۸ھ / ۱۲۷۰ء لکھتے ہیں۔ ان کی کتاب طبقات الاطباء دو جلدوں میں مصر میں ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء میں چھپی ہے۔

احیار کی تدبیریں سوچنے لگے، اور یہ طے کیا کہ "بہار دوج" نامی رشی جائے اور مہاراجہ اندر سے اس علم کو سیکھ کر عام طور سے لوگوں کو فائدہ پہنچائے، چنانچہ اس قسم کی کوشش کی گئی، اور "بہار دوج" نے کامل تحصیل کے بعد عوام میں اس کی تعلیم عام کردی۔ اس کے بعد "اتریہ" نامی ایک کامل وید پیدا ہوا، جس کے شاگردوں میں اگنی، ویش، بھیل، جتوکرن، پراشر، ہاریت، کشار پانی نے بہت بڑی شہرت حاصل کی۔ اور ان لوگوں نے اپنے اپنے نام سے ایک ایک کتاب مرتب کی۔ لیکن ان کتابوں میں سے صرف "ہاریت سنگھتا" باقی رہی پھر اس علم کو زوال ہوا، تو ایک عرصہ کے بعد "مہارشی چرک" مسیح سے (۳۲۰) برس قبل پیدا ہوئے، جن کو ہندو "شیش" (ہزار سر والے دیوتا) کا اوتار سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مذکورہ بالا چھ کتابوں کا مطالعہ کیا، اور اس کے بعد "چرک سنگھتا" لکھی چرک کے بعد "دیووداس" یا "دھن تنتری" پیدا ہوا، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کئی سو برس قبل تھا۔ اس کے بہت سے شاگرد تھے، اس نے اس علم کو ترقی دی۔ اس کے شاگردوں میں سب سے زیادہ "ششرت" نے نام کمایا۔ جس نے "ششرت سنگھتا" کے نام سے کتاب لکھی۔ "ششرت" کے بعد مسیح سے دوسو برس قبل "واگ بھٹ" نے بھی ایک کتاب لکھی۔ بارہویں صدی عیسوی میں بمقام گولکنڈہ (دکن) مادھواچاریہ پیدا ہوا جس نے مختلف علوم پر چند کتابیں لکھیں ان میں طب پر بھی ایک کتاب تھی جس کا نام "مادھوندان" تھا، جو آج تک مستند سمجھی جاتی ہے، مادھو کے بعد ۱۵۵۰ء میں "بھاؤمشر" نے اس دنیا میں جنم لیا، اور "بھاؤ پرکاش" لکھی۔ اس میں بہت سی جڑی بوٹیوں کا ذکر ہے۔ بھاؤ کے بعد "شارنگ دھر" ہوئے انہوں نے اپنی یادگار میں "علم الادویہ" پر ایک کتاب چھوڑی۔ ان کے بعد "نرہری" پسر "چندیشور" ساکن کشمیر نے بھی ویدک مفردات پر ایک بسیط کتاب "راج نگھنٹو"

کے نام سے لکھی[1]۔

اِس فنِ ویدک کی، بعض اس کے کاملین فن کی وجہ سے زمانۂ قدیم میں بڑی شہرت تھی اور بہت سے اس کے علمی و افادی پہلو کے دلدادہ نظر آتے تھے، چنانچہ مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اسلام سے قبل بھی اور ممالک میں اس کے فیضان کا پتہ چلتا ہے، خود حضور سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دورِ رسالت میں بھی، پہلی صدی ہجری، یعنی ساتویں صدی عیسوی میں جاٹوں کے عرب اور عراق میں آکر آباد ہونے کے تاریخی شواہد موجود ہیں۔ ان لوگوں کے فوجی کارناموں کے سوا، ان کے ایک فنّی اور طبّی کارنامہ کا حال ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب الادب المفرد[2] میں صحابہ کے عہد کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک وقت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں، تو ان کے بھتیجوں نے ایک "جاٹ طبیب" کو علاج کے لیے بلایا تھا۔ خود حضور ختمی مآب صلعم کی حیاتِ مبارک میں بھی بعض ہندی دواؤں کے نام مشہور تھے۔ جن میں سے دو نام بہت مشہور ہیں ایک "قسط ہندی"[3] اور دوسرا "زنجبیل" جس کی اصل ہندی "زرنجا بیرا" ہے جو معرب کر لیا گیا ہے۔ یہ لفظ قرآن حکیم کی "سورۃ الدہر" میں بھی موجود ہے، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"وَكَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا"۔

دربارِ خلافت میں علمِ ویدک کی سرپرستی

ہندی طب کی اس قدر اہمیت ہونے کی وجہ سے ویدوں کی سرپرستی یحییٰ برمکی نے، یونانی طب کی طرح، اس پر بھی

---

[1] تاریخ الاطباء، غلام جیلانی صاحب

[2] کتاب الادب المفرد امام بخاری باب بیع الخادم ص — مطبوعہ مصر

[3] صحیح بخاری جلد دوم کتاب المرضیٰ ص۸۴۹

مسلمانوں کو غور و خوض کرنے کے لیے مواقع بہم پہنچانے کی طرف سب سے پہلے کوشش کی، اور اپنی شہرۂ آفاق علم پروری سے تحقیقات کے دروازے کھول دیے۔ اور مسلمان جس علم و فن طب کو مدوّن کرنے کی کوشش کر رہے تھے، اس کو وسیع و اعلیٰ ترین فن بنانے کے لیے حکم دیا کہ ایک شخص ہندوستان جائے اور وہاں پہنچ کر علم ویدک کی کامل تحقیقات کرے۔ اس کے بعد نایاب ہندی دوائیاں اور نباتات کا ذخیرہ فراہم کر کے پایۂ تخت کو لوٹے، اور ممکنہ سعی کر کے اس فن کے عالموں کو شاہانہ نوازشوں کی امید دلا کر آستاں بوس خلافت کرائے۔ چنانچہ ان کوششوں کی وجہ سے ایک جماعت ہندوستان سے بغداد پہنچ گئی، جن میں منکہ، ابن دہن[1]، صالح بن بہلہ[2]، کنکہ[3] اور شاناق[4] کے نام قابل الذکر ہیں۔ یحییٰ نے ان لوگوں کی بڑی قدر دانی کی۔ چنانچہ اس نے "ابن دہن" کو اپنے شفاخانہ کا

---

[1] اس پنڈت کے باپ کا نام "دہن" تھا، اس لیے عربوں کے نزدیک "ابن دہن" سے مشہور ہو گیا۔ اس لیے آج اس کے اصل نام کا صحیح پتہ نہیں چل سکتا ہے۔ مگر پروفیسر زخاؤ نے انڈیا کے مقدمہ میں اس کے صحیح نام کا پتہ چلانے کی کوشش کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ ترجمہ انگریزی صفحہ ۳۳۔ یہ برمکیوں کے شفاخانہ کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے "سندستاق" کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی تھی ۱۲

[2] اس کا نام اکثر عرب مورخین "صالح" لکھتے ہیں ۱۲

[3] کنکہ، ہندوستان کے مشہور طبیبوں سے تھا، اور علم طب میں بڑا کمال رکھتا تھا ادویہ کے خواص افعال کے جاننے میں مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ اس کا ذکر ابو معشر نے "کتاب الالوف" میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہندی علماء میں سب سے زیادہ فائق ہے۔ اس کی تالیفات میں "نموذار فی الاعمار" "اسرار المولید" "قرانات الصغیر" "قرانات الکبیر" اور ایک کناش وقرابادین وغیرہ ہے۔ ترجمہ کا کام اس کے سپرد تھا ۱۲

[4] شاناق، اس کا نام مصنف البرامکہ کے قیاس پر "سنکہ" ہے۔ لکھا ہے کہ معالجات میں مشہور تھا، اور علم نجوم میں خصوصیت سے کمال رکھتا تھا۔ اس کے اکثر حکیمانہ اقوال تاریخ کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اس کی تصنیفات میں "کتاب البیطرہ" "کتاب فی علم النجوم" "کتاب منتحل الجوہر" وغیرہ کے نام ملتے ہیں ۱۲

افسرِ اعلیٰ مقرر کیا۔ ان ہندی ویدوں میں منکہ کی شخصیت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ ابن کجے بغدادم نے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید سخت بیمار ہوا، اور دار الحکومت کے سارے اطباء علاج سے عاجز آگئے تھے اس زمانہ میں اِس پنڈت (منکہ) کی شہرت دُور دُور پھیل چکی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں بھی بہت سے لوگ اِس کے نام سے واقف تھے۔ چنانچہ ابو عمر و عجمی نے جو مقرب سلطان تھا خلیفہ سے اس کو علاج کے لیے طلب کرنے کا معروضہ کیا، جو منظور کیا گیا۔ حسب الحکم منکہ حاضر بارگاہِ خلافت ہوا، اور علاج کیا۔ خدا نے اس کے علاج سے تشفا بخشی تو ہارون نے بے پایاں انعام و اکرام سے اسے نہال کر دیا[1]۔

منکہ بغداد ہی میں مقیم ہو چکا تھا، اور فارسی و عربی زبانوں میں مہارت حاصل کر لی تھی، اور سنسکرت سے عربی زبان میں طب کی کتابیں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ یحییٰ بن خالد برمکی کے حکم سے "ششرت" کی بھی کتاب کا ترجمہ[2] کیا تھا۔ اس کتاب کے ترجمہ ہو جانے کے بعد خلیفہ نے حکم دیا تھا کہ اس کو بطور قرابادین کام میں لایا جائے۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب تشریح اور اعمال بالید میں اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے۔ اس کا اصل نام "ششرت سنگھتا" ہے۔

دوسری کتاب "چرک" کی تھی، جس کا پہلے فارسی میں ترجمہ ہوا، اس کے بعد اس کو عبد اللہ بن علی نے عربی میں منتقل کیا[3]۔

---

[1] طبقات الاطبا، جلد دوم صـ۳۳ ۱۲

[2] لاہور میں سنہ ۱۹۱۰ء میں "آریور ویدک فارمیسوٹیکل" کے نام سے ایک کمپنی قائم ہوئی تھی۔ جس نے ویدک کی کتابوں کے اردو ترجمہ کا کام شروع کیا تھا۔ چنانچہ اس نے ششرت سنگھتا، اور چرک سنگھتا کے بھی اردو ترجمے سنہ ۱۹۱۳ء میں شایع کیے تھے۔ ہم نے یہ کتابیں مولوی حکیم قاسم علی بیگ صاحب اخگر کے کتب خانہ میں دیکھی ہیں ۱۲

[3] ابن ندیم صـ۳۰۳ ۱۲

ایک ہندی طبیب کا خلیفہ کے بھائی کو زندہ کرنا

سالے بن بہلہ' جس کا نام ہم اوپر لکھ آئے ہیں' اس کے متعلق مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ یہ مسلمان ہو گیا تھا۔ طبقات الاطباء میں ہم نے اس کے ایک نادر علاج کا ذکر پڑھا ہے'' کہ اس نے خلیفہ کے چچازاد بھائی کے سکتہ کا معرکتہ الآرا علاج کیا' جس کے متعلق جبرئیل بن بختیشوع نے موت کا حکم لگا دیا تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید کے سامنے دسترخوان بچھا ہوا تھا' اور سارے درباری موجود تھے۔ مگر خلاف عادت اس وقت جبرئیل بن بختیشوع طبیب موجود نہ تھا' تو بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً اُسے حاضر کیا جائے' ہر طرف تلاش کی گئی' لیکن جبرئیل کا پتہ نہ چلا۔ جب یہ اطلاع ملی تو خلیفہ ناراض ہوا' اور جبرئیل کی عدم موجودگی پر اُسے بُرا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس اثنا میں یہ خود آ پہنچا' اور بارگاہِ خلافت میں عرض کی کہ جہاں پناہ! اس وقت بُرا بھلا کہنے کی بجائے آپ اپنے بھائی ابراہیم کے حال پر خاموشی سے آنسو بہائیں تو مناسب ہے۔" ہارون یہ سنکر پریشان ہوا اور بھائی کا حال دریافت کرنے لگا تو جبرئیل نے کہا کہ "وہ قریبِ مرگ ہیں' شاید نمازِ عشاء تک بھی زندہ نہ رہ سکیں۔" یہ سنکر ہارون بے اختیار رونے لگا' اور دسترخوان اٹھا لیا گیا' خلیفہ کا یہ حال دیکھکر مجلس درہم ہو گئی' اور ہر شخص متفکر تھا' جعفر برمکی نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ جبرئیل کا علاج یونانی ہے' اور سالے جو ہندی طبیب ہے اگر اس کا علاج کرایا جائے تو مناسب ہوگا' اگر حکم ہو تو اسے طلب کروں اور ابراہیم کے دیکھنے کے لیے بھیجوں۔ خلیفہ نے جعفر کی یہ گذارش قبول کرلی' "سالے" نے جاکر ابراہیم کا کامل اطمینان کے ساتھ معائنہ کیا' اور واپس آکر جعفر سے کہا کہ میں بیمار کا حال سوائے امیرالمومنین کے کسی اور کو بتانا نہیں چاہتا۔ یہ سن کر جعفر اسے دربار میں ہارون کی خدمت میں

لے آیا، تو "سالے" نے اپنی جان کی قسم کھا کر کہا کہ "آپ کے بھائی ابراہیم اس بیماری کی وجہ سے آج رات ہرگز نہیں مرینگے، اور خدانخواستہ ایسا ہوجائے تو خدا کی راہ میں، میری تمام ملک لونڈی غلام وغیرہ سب آزاد اور وقف کردیے جائیں۔ اور میری بیبیاں مطلقہ سمجھی جائیں"۔ ہارون نے اس سے کہا، حیرت ہے کہ تو غیب کی باتیں کس برتے پر قسم کے ساتھ بیان کر رہا ہے" سالے" نے عرض کی کہ "بے شک حضور کا ارشاد صحیح ہے، لیکن جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں، اُسے غیب سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ علمی اور اپنے فنی تجربہ (طبابت) کی بنا پر عرض کر رہا ہوں"۔ یہ سُنکر ہارون خاموش ہوگیا، لیکن جب عشاء کا وقت آیا تو اطلاع ملی کہ ابراہیم کا انتقال ہوگیا۔ یہ سن کر ہارون فوراً جعفر کے پاس گیا اور "سالے" کی اس گفتگو پر اس کو نہایت بُرا بھلا کہنے لگا، اور کہا کہ ہندوستان اور اسکی طب پر خدا کی لعنت ہے۔ غرض نہایت مضطربانہ اور بے قراری کے عالم میں ابراہیم کے گھر پہنچا۔ سب لوگ سناٹے میں کھڑے تھے اور ایک طرف "سالے" بھی موجود تھا۔ بخورات جلائے جارہے تھے اور انگیٹھیوں سے دھواں نکل رہا تھا۔ یکایک "سالے" چلا اٹھا اور کہنے لگا کہ "درحقیقت میری بیبیوں پر طلاق ہوجائیگی اور وہ دوسروں کے عقد میں چلی جائینگی۔ خدا کی قسم امیرالمومنین آپ ملول نہ ہوجیئے آپکا بھائی زندہ ہے۔ کیا غضب ہے کہ آپ اسکو زندہ دفن کردینگے آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اندر جاکر دیکھوں"۔ ہارون نے اجازت دی، اور "سالے" تنہا ابراہیم کے پاس پہنچا۔ اور کچھ دیر بعد نہایت خوشی کے عالم میں واپس آیا اور کہا کہ امیرالمومنین چلئے تاکہ میں آپکو ایک عجیب تماشا دکھاؤں۔ چنانچہ ہارون ساتھ ہولیا، اور ابراہیم کے قریب پہنچا۔ سالے نے مردہ کے سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن میں سوئی چبھوئی ہی تھی کہ ابراہیم (مُردہ) نے اپنا ہاتھ گھسیٹ لیا۔ "سالے" نے کہا کہ

"امیر المومنین کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مُردہ کسی تکلیف کی وجہ سے حرکت کرے"۔ پھر سالیے نے کہا کہ "امیر المومنین کے اقبال سے ابراہیم ابھی بات کر سکتا ہے، مگر مجھے خوف ہے کہ وہ اپنے کو اس کفن، خوشبوؤں اور مُردے کے لباس میں دیکھکر، کہیں ہیبت کے مارے درحقیقت دم نہ توڑ دے۔ چنانچہ اس کے بعد اُس کا کفن نکالدیا گیا۔ دوبارہ نہلا کر شاہی لباس پہنایا گیا۔ اور عمدہ عطریات لگا کر اُسے خوابگاہ میں لٹایا۔ اس کے بعد "سالیے" نے علاج معالجہ کی طرف توجہ کی اور کچھ تدبیریں اختیار کیں، جس کی وجہ سے ابراہیم کو چھینک آئی، اور کروٹ بدلی اس کے بعد ابراہیم بالکل تندرست ہو گیا۔ خلیفہ نے صحت کے بعد ابراہیم کو مصر و فلسطین کا گورنر مقرر کر دیا۔ جس نے مصر ہی میں انتقال کیا۔[1]

ان قصوں سے مسلمانوں کی ہندو نوازی پر غور کیجیے کہ جو نشۂ وحدت سے چُور چُور ہو رہے تھے، جو جہاد کو حیاتِ ابدی جانتے تھے، جن کے نزدیک خون و خنجر سے کھیلنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا، جن کی قوتِ بازو میں بے پناہ یدُاللّٰہی زور تھا، اور جن کی سیفِ مسلول سارے جہان پر چمک رہی تھی۔ اگر وہ متعصب ہوتے تو کیوں اپنے درباروں اور اپنی مجلسوں میں غیر مسلم اقوام کو جگہ دیتے جن میں ہندو، عیسائی، یہودی سب ہی شامل تھے۔ ان کی قدر دانیوں کا کیا عالم تھا، اس کو آپ تقدیم و تاخیر سے اس مضمون کے ذریعہ معلوم فرمالیں گے۔ بتلائیے کہ یہ مسلمانوں کی علم پرستی، بے تعصبی، قوت اور بل رکھنے کے باوجود ان سے اور ان کے مذہب سے مغائرت و منافرت نہ برتنا، کس قسم کی مثالیں ہیں۔ اور اپنے خاص پایۂ تخت و دربار میں جگہ دیتے ہوئے انہیں کامل مذہبی آزادی

---

[1] طبقات الاطباء جلد دوم صفحہ ۳۴ مصر۔ و اخبار الدول باب چہارم صفحہ ۱۰۳

عطا کرنا، اور انہیں مسلمان نہ بنانا کس قسم کی دلیلیں ہیں معلوم نہیں کب تک متعصب مورخین و مفسدین ان حقائق پر خاک ڈالنے کی کوشش کرینگے۔ جو آج سے صدیوں پیشتر تاریخ کی کتابوں میں منضبط ہو چکی ہیں۔ جب کہ مسلمانوں کے عروج و اقبال کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا۔ ان کی بے تعصبی اور بھی دیکھیے کہ انہوں نے اپنے فاضل اور باکمال لوگوں کے تذکرہ کے ساتھ ان کے حالات اور ناموں کو بھی زندہ رکھا ہے۔ دیکھنے والے طبقات الاطبار اٹھا کر دیکھ سکتے ہیں۔ جس میں ہندی اطبا کے حالات ایک علیحدہ باب کی صورت میں مسلم مورخین کا شکریہ ادا کر رہے ہیں، کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے ان کا نام صفحۂ ہستی پر یادگار چھوڑا ہے، کہ خود ان کی قوم میں اُن کے حالات نہیں مل سکتے تھے۔

علم وید ک کی کتابوں کے ترجمے ہندی یا سنسکرت سے جو کتابیں ترجمہ کرائی گئی تھیں ان میں سے بعض کے نام ہم ذیل میں، درج کرتے ہیں، جو ابن ندیم کے طفیل میں آج ہم تک پہنچے ہیں۔ الفہرست میں ان کو تفصیل سے لکھا ہے، اور خود ۳۷۷ھ میں ان کی نظر سے بھی گذر چکے تھے۔

(۱) کتاب استانکر الجامع۔ مرتبۂ ابن دھن۔

(۲) کتاب سیرک۔ مرتبۂ عبداللہ بن علی۔ لکھا ہے کہ یہی سب سے پہلی کتاب تھی جو ہندی سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے بھی اس دور میں ہندی زبان سیکھ لی تھی[۱]۔

(۳) کتاب مختصر للہند فی العقاقیر۔ یہ کتاب ہندی جڑی بوٹیوں کے افعال و خواص پر مشتمل تھی۔

---

[۱] مقالۂ تحفظ علوم قدیمہ ص ۱۹ ۱۲

(۴) علاجات الحبالی الہند - اس میں ہندی حاملہ عورتوں کے علاج معالجہ کے طریقے درج تھے۔

(۵) کتاب توقشتل (نوکشتل) اس کتاب کے دو حصے تھے۔ پہلے میں تقریباً ایک سو امراض اور معالجات درج تھے۔ دوسرے میں بیماریوں کے وہم اور اُن کے اسباب کا ذکر لکھا تھا۔

(۶) کتاب روسا الہندیہ - یہ عورتوں کے امراضِ مخصوصہ کے بارے میں لکھی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ایک عورت کی تصنیف تھی، جس کا نام "روسا" تھا۔

(۷) کتاب اسمار عقاقیر الہند - یہ منکہ کی تصنیف تھی، جو سلیمان بن اسحاق کے لیے لکھی تھی۔ اس میں ایک ایک جڑی کے دس دس نام درج تھے اور عربی میں ترجمہ کی گئی تھی۔

(۸) کتاب رائے الہندی - یہ سانپ کے اقسام اور ان کے زہریلے اثرات پر لکھی گئی تھی۔ مؤلف کا نام "رائے" تھا۔ اس علم کو ہندی میں "سروپ ودیا" کہتے ہیں۔

(۹) کتاب السموم (شاناق الہندی) یہ بھی منکہ کی تالیف تھی، جس میں ہندی زہریلی دواؤں کا بیان تھا۔ اور یہ فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی۔ لکھا ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ہندی راجا زہروں کا علم جان کر اپنے دشمنوں کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اس لیے ان کے لیے شاناق نے یہ کتاب لکھی تھی، جو ساتویں صدی ہجری تک موجود تھی، جس کا حال مولف طبقات الاطبا تفصیل سے لکھتا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ کتاب پانچ ابواب پر

---

[۱] عرب و ہند کے تعلقات ص ۱۵۰ [۲] ابن ندیم ص ۳۰۳

منقسم ہے۔ منکہ نے یحییٰ بن خالد برمکی کے لیے فارسی میں، ابوحاتم بلخی کی مدد سے ترجمہ کیا تھا۔ پھر اس کو عباس بن سعید جوہری نے دوبارہ خلیفہ مامون کے لیے عربی میں ترجمہ کیا[1]

(۱۰) "ندان" اس کا ذکر یعقوبی اول کے صفحہ (۱۰۵) کے حوالہ سے مولانا سلیمان ندوی نے اپنی کتاب عرب و ہند کے تعلقات کے صفحہ (۱۴۹) پر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ اس میں چار سو بیماریوں کی شناخت و علامات کا بیان درج تھا۔

(۱۱) ایک کتاب نشہ کے بیان میں بھی لکھی گئی تھی[2]۔

(۱۲) مسعودی کے حوالہ سے مولانا سلیمان نے لکھا ہے کہ راجہ کورش کے لیے ایک طب کی بڑی کتاب لکھی گئی تھی۔ جس میں بیماریوں کے اسباب ان کے علاج وادویہ کے سوا دواؤں کی پہچان اور اس میں ان جڑی بوٹیوں کی تصویریں بھی بنائی گئی تھیں[3]۔

بیمارستان بغداد خلفاءِ عباسیہ کی علم پروری و فضیلت کا آج تک بھی سارے عالم پر سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ ان لوگوں نے علم و فن کی جو خدمات انجام دی ہیں، اس کی مثال ملنی مشکل ہے، خلیفہ ہارون رشید نے، طب کی اعلیٰ پیمانہ پر سرپرستی کی تھی۔ اور ایک وسیع محکمۂ طب بھی ان اغراض کے لیے وجود میں لایا گیا تھا۔ ایک خاص شفاخانہ تعمیر ہوا جو آسائش عامہ کا کفیل و ضامن تھا اس کا مہتمم مشہور فاضل "یوحنا بن ماسویہ" تھا۔ جس کی بہت سی تصنیفات مشہور ہیں اس طبیب کو یحییٰ بن ماسویہ بھی کہتے ہیں، اور مغربی فاضلین "میسس دی ایلڈر

---

[1] طبقات الاطبار صفحہ ۳۳ [2] عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۱۵۰

[3] عرب و ہند کے تعلقات صفحہ ۱۵۰ بحوالہ مسعودی جلد اول صفحہ ۱۶۲ پیرس

Yahia ben Maswail یا یحییٰ بن ماسویل (Messus the Elder)
کے نام سے اسے یاد کرتے ہیں۔ اس صدر شفا خانہ کے سوا، متعدد شفا خانے اور قائم کیے گئے تھے، جس پر ایک ایک طبیب متعین تھا، اور ان تمام شفا خانوں کی نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر کیا گیا تھا، جو "رئیس الاطبا" سے موسوم ہوا کرتا تھا۔ اس عہدہ پر سب سے پہلے ۱۷۱ھ ہجری میں بختیشوع "مامور کیا گیا۔ یہ اطبائے نصاریٰ سے تھا۔ اس کے بعد ۱۷۵ھ ہجری میں یہ خدمت اس کے بیٹے جبرئیل کے سپرد کی گئی۔ طبقات الاطباء صفحہ ۱۳۶ پر لکھا ہے کہ اسکی تنخواہ دس ہزار درہم تھی، اور اس کے سوا، ماہوار پانچ ہزار خرچ بھتہ کے عنوان سے ملا کرتے تھے۔ خلیفۂ وقت، زبیدہ خاتون، اور برمکیوں وغیرہ کے یہاں سے، ان باپ بیٹوں کو جو آمدنی تھی، وہ اس تنخواہ کے علاوہ تھی۔ لکھا ہے کہ یہ اس قدر زبردست مالدار تھے کہ شان و شوکت میں خلیفۂ وقت کی برابری کیا کرتے تھے۔ اور خود دربار کے بڑے بڑے امیر، ان کے دست نگر رہا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے عیسائی ہونے کے باوجود خلیفہ کے دربار میں ان کی عزت و قدر دانی میں کبھی کوئی کمی نہ ہوئی، یہی سبب تھا کہ انہیں، مسلمانوں سے زیادہ یہ عروج نصیب ہوا۔

مامون سے دلدادۂ علم و فضل نے جب تخت خلافت کو زینت دی تو علوم قدیمہ کے تفحص و تلاش کا، اس کو اس قدر شوق ہوا کہ، اس نے مختلف ممالک کے سلاطین کے پاس اپنے علماء کے وفد بھیجے، اور رُومۃ الکبریٰ کے حاکم کو لکھا کہ ہم اپنا ایک وفد بھیجتے ہیں جو رُوما کے قدیم علوم پر تحقیق و تلاش کا کام کریگا۔ ان کو اجازت دے کر ہر ممکنہ سعی سے دریغ نہ فرمائی جائے۔ حجاج ابن مطر، ابن بطریق، اور صاحب بیت الحکمہ پر یہ وفد مشتمل تھا۔ جب یہ علماء، شاہِ رُوم کی خدمت میں پہنچے، تو اس نے انہیں اجازت عطا کر دی،

ان باکمالوں کے دلوں میں علمی تحقیق و تدقیق کی آگ بھڑکی ہوئی تھی، اس لیے
رُومتہ الکبریٰ جیسی عظیم الشان سلطنت کے سارے علمی خزانے چھان مارے،
اور بڑی کوشش و کاوش کے بعد نادر علمی تحفوں اور اہم معلومات کے ساتھ
خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور حسب الحکم ان خزائن کو عربی زبان میں
منتقل کرنا شروع کیا۔ اس زمانہ کا ایک مایۂ ناز مترجم ہے، جس کا نام
"ابو زید حنین بن اسحاق عبادی" تھا۔ یہ یوحنا بن ماسویہ کا شاگرد تھا۔ اور
۱۹۴ھ میں پیدا ہوا۔ دارالترجمہ کا ناظم تھا۔ مامون اس کے ترجموں کا
معاوضہ، مسودہ کتاب کے ہم وزن خالص سونا دے کر پورا کیا کرتا تھا،
کئی سو کتابوں کے اس نے ترجمے کیے ہیں۔ جو بہت کم یاب ہیں۔ ۶؍صفر
۲۶۴ھ میں انتقال کیا۔ اس کے چند رسالوں کی تفصیل یہ ہے:۔

حنین بن اسحاق کے لاقیمت قلمی رسالے	اساس الطب جالینوس، رسالہ تیر بہ بقراط، رسالۂ معرفت قوت لبن۔

ان کے سوا ہم نے
ایک نایاب ترین مجموعہ دیکھا، جس پر "مجموعۂ حرزِ جاں" لکھا ہوا تھا، جس سے
اس مجموعہ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے مالک کو جان سے
زیادہ عزیز تھا۔ جس نے حنین بن اسحاق کے نایاب ترین رسالے، بڑی محنتوں کے
بعد جمع کر کے نقل کرائے تھے۔ درحقیقت اس میں اس اسلامی زبردست مترجم کے
جو رسالے شریک ہیں، وہ شاید دُنیا میں بہت کم کتب خانوں میں ہوں گے۔ اور یہ
فی الواقع نادرات سے ہیں۔ اس مجموعہ کا کاغذ نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے، کتابت
نسخ میں نہایت ہی نفیس و پاکیزہ ہے، جس کے دیکھنے سے خطاط کے استادانہ
کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور پر کاغذ بھی تیار کرایا
گیا تھا۔ اور کتابت بھی اسی شان کی کروائی گئی تھی۔ تاکہ یہ نایاب مجموعہ عمدہ حالت

اور خط میں محفوظ رکھا جا سکے۔ اس کی جدول طلائی ہے، عنوانات سرخی سے لکھے ہیں۔ شروع صفحہ طلائی گل بوٹوں سے آراستہ ہے۔ یہ اس قدر ضخیم ہے کہ کل اس کے (۷۳۳) صفحے ہیں۔ کتاب کی تقطیع بہت بڑی اور چوڑی ہے۔ حاشیہ پر مختصر سے نوٹس بھی ہیں۔ سرورق پر لکھا ہے "تملکہ العبد نظام الدین احمد جیلانی" اور بہت سی مہریں بھی ہیں، جن میں سے اکثر مٹادی گئی ہیں۔ ایک مُہر سے جس میں "محمد معز الدین" نام لکھا ہے، اور ۱۱۴۸ھ درج ہے کیا عجب ہے کہ یہ مہر مرزا معز الدین موسوی خاں فطرت میر منشی آصف جاہ کی ہو) اسی سرورق پر کتاب کی خریدی کی بھی قیمت درج تھی، جو مٹادی گئی ہے۔ ایک طغرہ میں جو شروع صفحہ پر ہے، یہ عبارت لکھی ہے "الحمد للہ الوھاب عطانی الکتاب" (خدائے وہاب کا شکر ہے جس نے مجھے یہ کتاب عطا کی) کیا عجب ہے کہ اس کتاب کا کاتب نظام الدین احمد گیلانی ہو۔ ان کے متعلق تفصیلی معلومات ہم آگے چل کر قطب شاہیہ دور میں بیان کرینگے۔ شروع صفحہ کے آخری حصہ پر جو عبارت درج ہے، وہ کچھ مٹادی گئی ہے، ہم نے بمشکل تمام اس کو اس قدر حل کیا ہے۔ "من کتب اقل الخلقۃ ...... نظام الدین احمد گیلانی"

اب مجتبیٰ کے ان رسالوں کی ذیل میں تفصیل پڑھیے، جو جالینوس کی کتابوں کے ترجمے ہیں۔

(۱) کتاب فی فرق الطب۔
(۲) کتاب فی صناعۃ الطب۔
(۳) کتاب الجوامع الی طوتروس فی النبض
(۴) جامع المقالۃ الاولیٰ والثانی من کتاب جالینوس الی غلوقن
(۵) کتاب الجوامع جالینوس فی التشریح۔ (مقالہ اولیٰ فی تشریح العظام

ومقالۂ ثانیہ فی التشریح العضل، مقالۂ ثالثہ فی التشریح العصب، مقالۂ رابعہ فی التشریح العروق، مقالۂ خامسہ فی التشریح عروق الضوارب

(۶) کتاب منافع الاعضاء - (اس میں سولہ مقالے ہیں)
(۷) کتاب فی الاسطقسات علیٰ رائے بقراط -
(۸) کتاب فی المزاج -
(۹) کتاب فی القوی الطبیعہ (اس میں تین مقالے ہیں)
(۱۰) کتاب الجوامع فی تعریف العلل الباطنیہ المعروف کتاب المواضع الآلمہ
(اس میں چھ مقالے ہیں)
(۱۱) کتاب فی اشیاء الخارجۃ عن الطبیعہ المعروف کتاب العلل والاعراض
(اس میں بھی چھ مقالے ہیں)
(۱۲) کتاب اصناف الحمیات (اس میں دو مقالے ہیں)
(۱۳) کتاب فی البحران (اس میں تین مقالے ہیں)
(۱۴) کتاب فی الساعات و دوران الحمیٰ
(۱۵) کتاب فی ایام البحران (یہ رسالہ رُومی زبان سے سریانی میں اور سریانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا، جس میں تین مقالے ہیں)
(۱۶) کتاب الجوامع فی التشریح (مشتمل بر سہ مقالہ)
(۱۷) کتاب فی عمل التشریح (یہ کتاب پندرہ مقالوں پر پھیلی ہوئی ہے)

نظام الدین احمد گیلانی، جو قطب شاہیہ دور میں سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ تا ۱۰۸۱ھ) کے درباری طبیب تھے، جب یہ مجموعہ ان کی کتابت یا ان کی ملک سے ہوئے تو یہ اُن کے سنہ وفات ۱۰۵۹ھ سے قبل ہی کا لکھا ہوا ہوگا۔ کہیں تاریخ کتابت وغیرہ درج نہیں ہے۔

حکماءِ اسلام کے رسالوں کا ایک نایاب ترین قلمی مجموعہ

اس کے سوا ایک اور نادر مجموعہ میں، جس کی اہمیت مذکور الصدر سے بھی بہت زیادہ ہے، حنین کے اغلوقن کا ایک اور رسالہ بھی شریک ہے۔ اِس دوسرے مجموعہ کی کتابت سنہ ۱۰۲۳ھ میں عمل میں آئی ہے۔ اس میں اور مشاہیر حکماء کے رسالے شامل ہیں۔ اس مجموعہ کے شروع صفحہ پر (۹) مہریں ہیں۔ جن میں سے دو مہریں فی الحال پڑھی جاتی ہیں۔ ایک "عنایت خاں شاہ جہانی" کی ہے، جس پر ۱۰۶۱ھ لکھا ہے، اور دوسری مہر شاہ جہانی عہد کے ایک زبردست مشہور خطاط "آقا عبدالرشید دیلمی" کی ہے۔ کتاب کی اہمیت میں اس عبارت سے اور اضافہ ہو جاتا ہے، جو کچھ کچھ پڑھی جا رہی ہے۔ اور بقیہ حروف اُڑ گئے ہیں۔

"اموال نواب مغفوری سپہ سالار .... آصف خاں"[1]

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ جہاں کے سپہ سالار آصف خاں کے کتب خانہ میں بھی یہ کتاب رہی ہے۔ جو نورجہاں بیگم کا بھائی اور شاہ جہاں کی پیاری بیگم، ممتاز محل کا عالی قدر باپ تھا۔ کتاب کے دوسرے صفحہ پر جہاں سے کہ کتاب کا آغاز ہوتا ہے "ظفر المہدی الموسوی" کی بھی مُہر ثبت ہے۔

اِس کتاب کا کاغذ باریک، کمزور اور کرم خوردہ ہو گیا ہے، جو تین قسم کا معلوم ہوتا ہے اور خط بھی علیٰ ہذا القیاس۔ زیادہ تر خط نسخ میں لکھی گئی ہے۔ اور بعض بعض رسالے نستعلیق میں بھی ہیں۔ ایک کتاب کے اختتام پر لکھا ہے "کتبہ الفقیر الی اللہ القوی ابوالہاشم موسوی الابرقوی"

---

۱ اس کی تاریخ وفات "زہے افسوس آصف خاں" ہے۔
۱۰۵۱ھ

وتمت فی ظہر یوم الثلثہ، احدی وعشرین من شہر جمادی الثانی[1]۔

---

[1] چونکہ اس مجموعہ میں حکمائے اسلام کے نادر ترین رسالے شامل ہیں، جو یورپ کے کتب خانوں میں بھی نہیں ملتے اس لیے ان کے نام درج کر دیے جاتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق کو ان کا حال معلوم ہو سکے اور شاید تحقیقات کے لیے نیا میدان ہاتھ آئے۔ اس زمانہ میں جب کہ یورپ ہمارے متقدمین کی جگر کاویوں کو آنکھوں سے لگا کر ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے، اور ہم ان سے ناواقف رہ کر مستفید نہ ہوں، بڑی ہی تاسف کی بات ہے۔ ذیل کے یہ رسالے وہ ہیں جن کی قدر و قیمت اہلِ بصیرت کی نظر میں اپنی جان سے بھی زیادہ ہو گی۔

(۱) کتاب سیاستہ المدینہ، الملقب بمبادی الموجودات لابی نصر فارابی (۲) مختصر کتاب النفس من ارسطاطالیس (۳) مقالہ اسکندر افرودیسی فی العقل، علی رائے الحکیم ارسطو (۴) فی اثبات المفارقات لابی نصر فارابی (۵) مقالہ فی القول فی مبادی الکل علی رائے ارسطاطالیس لاسکندر الافرودیسی (اس مقالہ کے متعلق آخر پر لکھا ہے "ہذا آخر ما وجد من ہذہ المقالۃ من نقل سعید بن یعقوب الدمشقی غفرلہٗ والحمدللہ رب العالمین") (۶) مقالہ ابی سلیمن السجزی فی ان الاجرام العلویۃ ذوات النفس ناطقۃ لما کان جسم طبیعی۔ (۷) مقالہ ابی سلیمان محمد بن طاہر السجستانی فی المحرک الاول (۸) مقالہ لبعض حکما، فی حال معلومات النفس بعد المفارقۃ (۹) من تعلیقات ابی نصر فارابی (۱۰) مقالہ للحکیم ابی الخیر حسن بن سوار فی الآثار المتخیلۃ فی الجو ہر البخار المائی وہی الہالہ والقوس الشمس والقضبان (اس مقالہ کے اختتام پر لکھا ہے کہ اس کی کتابت ۱۰ شعبان ۱۲۳۳ھ میں عمل میں آئی) (۱۱) کتاب الجمع بین الرائیین ابو نصر فارابی (فی الجمع بین رائے افلاطون وارسطاطالیس فی الحدوث العالم اس کی بھی کتابت پنجشنبہ شعبان ۱۲۳۳ھ ہے)۔ (۱۲) عیون المسائل ونتائج العلوم لابی نصر فارابی (۱۳) جوابات بوعلی سینا بسوالات ابوریحان بیرونی (۱۴) مقالہ فی العقل للحکیم فارابی (۱۵) مقالہ اغراض مابعد الطبیعہ فارابی (۱۶) مقالہ ابی سینا فی تعریف الذات المحصل الذی تمنت بہ رویۃ الاقدمین بجوہر الاجسام (۱۷) مقالہ فی کلام ارسطو فی الرویا (۱۸) مسائل طبیعہ ارسطاطالیس المسماۃ بابال (۱۹) قول مختصر ارسطاطالیس فی النفس (۲۰) مقالہ ابی سلیمان محمد بن طاہر بن السہام سنجری فی الکمال الخاص بنوع الانسان (۲۱) تعلیق عن الشیخ ابی الفرج بن الطیب (۲۲) مختصر کتاب مدنی (۲۳) رسالہ بونصر فارابی مکتوبہ ۱۰ جمادی الاول ۱۲۳۳ھ (۲۴) المنتقطات من الرسالۃ المشومہ لابی الفرج ہندو۔ (۲۵) رسالہ حضرت شیخ شہاب الدین المقتول

(بقیہ صفحہ آئندہ)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جو کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں، ان میں سب سے بڑا ذخیرہ طب کی کتابوں پر مشتمل تھا۔ اور نجوم، ہندسہ، ریاضی اور کیمیا جیسے علوم کا بھی مواد اس میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ مصر و یونان سے بھی برابر علمی خزانے ہمیٹ سمیٹ کر دار السلطنت پہنچائے جا رہے تھے اس وقت بغداد علم و فضل اور اہل کمال کا ایسا مرکز بنا ہوا تھا، جس کی نظیر کئی صدیوں کے بعد آج بھی پیش کرنی مشکل ہے۔ بغداد کے ساتھ "مدینۃ العلم" کا خطاب بھی اسی وقت کی یادگار ہے۔

خلیفہ معتصم کا ایک مذہب سے مُطلا کتاب حاصل کرنا اور اسکا عربی میں ترجمہ

مامون کے بعد جب ۲۱۸ھ میں معتصم باللہ سریرآرائے خلافت ہوا تو اس نے فتوحات کے بڑھانے میں روز بروز ترقی کی، اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کرتا رہا۔ جب اس نے "عموریہ" فتح کیا تو سنا کہ وہاں ایک بہت بڑی عبادت گاہ ہے، جس کی وہاں کے لوگ بڑی حفاظت کیا کرتے ہیں، اور ان کا اس کے متعلق مذہبی عقیدہ ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے آثار و نادر مذہبی و علمی چیزیں نسلاً بعد نسلٍ محفوظ چلی آرہی ہیں۔ اسی لیے وہ اس کی حفاظت میں پوری پوری کوشش کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اس عبادتگاہ کا بانی ان کے نزدیک اینطوقوس، تلمیذ سکندر ذی القرنین بن فیلقوس تھا۔ اس میں کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ معتصم نے فتح پانے کے بعد یہاں کے لوگوں کو امان دیتے ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(۲۶) سیرۃ شیخ الرئیس و فہرست کتبہ (۲۷) کتاب الحدود - ابن سینا (۲۸) کتاب اسرار النجوم لارسطاطالیس (۲۹) مختصر من قول ارسطو فی النفس (۳۰) کتاب المقولات ارسطاطالیس (۳۱) جوامع انورطیقیا (کتاب القیاس) (۳۲) کتاب البرہان (۳۳) مقالہ افلیمون فی الطبائع (۳۴) مقالہ فی اسباب الرعد۔

اور اُن کو ان کے مذہب پر برقرار رکھا، اور کسی قسم کا تشدد نہ کیا۔ بجائے اس کے ان سے عہد و معاہدے لیے۔ اس فتح کے بعد عبدالملک بن یحییٰ صاحب البرید علی بن احمد منجم و محمد بن خالد مہندس کو اس ملک میں بھیجا، اور حکم دیا کہ اس عبادت گاہ اور اس ملک میں تلاش و تحقیق شروع کی جائے۔ ان لوگوں نے یہاں آنے کے بعد اپنا کام شروع کیا، اور اہل دیر سے اُن آثار و مقامات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، تو یہاں کے باشندوں نے بتلانے میں سخت کوتاہی اور تامل کیا۔ کسی طریقہ سے کوئی اتا پتا نہ لگا۔ حالانکہ خلیفہ نے انہیں امن و امان دے دیا تھا۔ اور ان پر مہربانیاں کی تھیں۔ لیکن ان لوگوں نے کسی چیز کا احسان نہ مانا۔

جب ان حالات کی اطلاع معتصم کی بارگاہ میں پہنچی تو محمد بن خالد مہندس کے نام شاہی فرمان جاری ہوا کہ اگر یہ لوگ تامل کر رہے ہوں تو فوراً انکی عبادتگاہ کو ڈھا دو۔ محمد بن خالد نے چار سو ہاتھی لے کر ان کی اس عبادت گاہ پر دھاوا بول دیا۔ اور عصر کے قریب تک یہ بت خانہ ڈھا دیا گیا۔ اور ساری عمارت چھان ماری، لیکن جب اس کی بنیادیں کھودی جانے لگیں، تو ایک گڑھے میں صندوق نظر آیا، جس پر تانبا اور لوہا مڑھا ہوا تھا۔ جب سخت ترین محنت اور تلاش کے بعد مسلمانوں کو یہ صندوق نظر آیا تو ان لوگوں نے جوش مسرت سے تکبیر کے نعرے لگائے۔ اور اس کی اطلاع معتصم کے حضور میں بھیجی اس کے بعد یہ اثری تحفہ لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر پیش کیا۔ جب اس صندوق کے قفل کو توڑا تو اس میں سے ایک سونے کا صندوق مقفل برآمد ہوا جس کا قفل بھی سونے کا تھا، اور اس کے ساتھ سونے کی زنجیر میں اس کی کنجیاں لٹک رہی تھیں، اور صندوق پر یونانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ صندوق کھولا جائے۔ اس میں سے ایک کتاب برآمد ہوئی جو سونے ہی کی تھی۔ اس کے سارے اوراق بھی سونے کے تھے۔ ہر ورق کی موٹائی نصف انگلی کے برابر تھی۔ اور ہر ایک کا طول ایک گز اور عرض تین گز تھا۔ اور ہر حرف کی مقدار جو کے دانہ سے بھی زیادہ موٹی تھی۔ اور اس پوری کتاب کے کل (۳۶۰) ورق تھے۔ اور ہر صفحہ میں بارہ سطریں تھیں، اور اس کی کتابت یونانی اور بعض جگہ رُومی زبان میں تھی۔

بادشاہ نے یہ دیکھکر حکم دیا کہ مترجمین حاضر دربار کیے جائیں۔ چنانچہ یہ لوگ بلائے گئے۔ ان سے اس کا ترجمہ اور نقل کرائی گئی۔ کتاب کے ترجمے کے بعد خلیفہ نے اس کے مطالب و ترجمہ کی تصحیح، و اصل کتاب سے مقابلہ کا حکم دیا۔ چنانچہ تعمیل کی گئی، اور کہیں بھی معانی و اغراض و نفس مضمون میں کوئی فرق نہیں پایا گیا۔ اس کتاب کی وجہ سے محمد بن خالد مہندس کے اعزاز میں بہت بڑا اضافہ ہوا، اور خلیفہ نے اس پر ایک مقدمہ لکھنے کا حکم دیا۔

اس کتاب کا نام عربی میں "ذخیرۃ الاسکندر الملک بن فیقلس ذی القرنین" ہے، اور حسبِ ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

فن اول :۔ ذکر اصول و مقدمات یحتاج الی علمہا۔
فن الثانی :۔ فی اصول الصنعہ و تدبیر الاکسیرات
فن الثالثہ :۔ فی ترکیب السمومات
فن الرابعہ :۔ فی التریاقات المحصلہ من السموم
فن الخامس :۔ فی صنعۃ الحرزاۃ الطلسمیہ النافعیہ من الامراض
فن السادس :۔ فی خواتیم الکواکب السبعۃ السیارہ
فن السابع :۔ فی ذکر فنون شیئ من الطلسمات

فن الثامن :- فی البخورات وارباب العطف والبغض
فن التاسع :- فی ذکر خواص تیعلق بالنباتات المستحلیہ
فن العاشر :- فی ذکر خواص الحیوان

اس کتاب کا بہت کم لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ ہم نے بھی اس کا ایک نسخہ دیکھا جس کی کتابت ۶ ، ذیقعدہ ۱۰۶۹ھ روز سہ شنبہ کو عمل میں آئی تھی۔ اس میں تیئیس ۲۳ تصویریں ہیں، اور کاتب کا نام "محمد شفیع" لکھا تھا۔

احمد بن طولون کا مصری ہاسپتال

جب عباسی حکومت کے حدود وسیع ہوتے گئے اور مصر بھی اُن کے زیرِ اقتدار آگیا تو انہوں نے اپنی سلطنت کے اس صوبہ کا گورنر "احمد بن طولون" کو مقرر کیا۔ جب خلافت کم زور ہوتی گئی تو اس نے یہاں اپنی خود مختاری کا اعلان (۲۵۴ھ ۸۶۸ء) کر دیا، اور آزادانہ حکومت شروع کر دی۔ انتظام ملک میں مصروف رہا۔ اسی سلسلہ میں ۲۶۱ھ میں ایک عظیم الشان شفاخانہ کی بنیاد رکھی۔ گو اس سے پہلے مصر میں خلیفہ متوکل باللہ کے وزیر فتح بن خاقان کا ایک شفاخانہ موجود تھا" احمدؒ نے لپنے اس نو تعمیر شفاخانہ کے لیئے ساٹھ ہزار دینار کی جائداد وقف کر دی۔

اس شفاخانہ میں علاج کا دستور یہ تھا کہ جب کوئی مریض رجوع ہوتا تو اس کے کپڑے، اور جو کچھ نقدی اس کے پاس ہوتی، وہ شفاخانہ کے خزانچی کے پاس امانت رکھ لی جاتی، اور شفاخانہ کی جانب سے اس کو نیا کپڑا اور بستر دیا جاتا تھا۔ صبح و شام دونوں وقت طبیب و جراح اس کے معائنہ کے لیئے آیا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ جب وہ صحت یاب ہو کر اس قابل ہو جاتا کہ مرغ کا شوربا اور روٹی کھانے لگتا تو اس کو ہسپتال سے جانے کی اجازت مل جاتی تھی اور اس کی امانت بھی اس کے حوالہ کر دی جاتی تھی۔ احمد بن طولون کو

خود اس قدر دلچسپی تھی کہ ہر جمعہ کو شفا خانہ کے معائنہ کے لیے آیا کرتا تھا اور اس کی تفتیش کیا کرتا تھا۔ علامہ شبلی نے "مقریزی" کی کتاب الخطط والآثار کے حوالے سے لکھا ہے کہ "پاگلوں کے علاج کے لیے الگ کمرے تھے" اور نہایت خبرگیری سے ان کا علاج ہوتا تھا۔

مصر کی جامع مسجد کا شفا خانہ

احمد بن طولون نے ۲۶۳ھ میں ایک رفیع الشان جامع مسجد بنوائی تھی اور اس میں ایک جدت یہ کی تھی کہ اس کی ایک طرف وسیع مکان بنوایا تھا جس میں ہر وقت ہر قسم کی دوائیں ایک طبیب کی نگرانی میں مہیا رکھی جاتی تھیں۔ اگر اچانک کوئی نمازی بیمار ہو جاتا تو فوراً اس کا علاج کر دیا جاتا تھا۔ اور یہ شفا خانہ خاص مسجد کے مصلیوں کے حادثات کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔

قیدیوں کیلیے سب سے پہلا علاج گھر

خلیفہ مقتدر باللہ کی وزارت جب علی بن عیسیٰ کے قبضہ اقتدار میں آئی تو شعبۂ طب کو اور ترقی ہوئی کیونکہ علی کو رفاہِ عام کے کاموں کا شغف تھا اور اتفاق سے اس زمانہ میں کثرت سے وبائی امراض پھیلے۔ اس لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں بھی اور اطراف و اکناف کے علاقوں میں بھی متعدد ہسپتال قایم کیے گئے۔ اور ان شفا خانوں کا نگران ایک صابی المذہب شخص سنان بن[1] ثابت قرہ مقرر ہوا۔ شفاخانوں کے لیے متعدد نئے کارخانے کھولے گئے۔ ان ہسپتالوں کی توسیع کے سوا مقتدر کے عہد میں اس شعبہ میں سب سے پہلے ایک جدید کام عمل میں آیا یعنی اس سے پیشتر جیل خانوں میں دوا خانے قایم کرنے کا کہیں رواج نہ تھا

---

[1] اس کی تصنیفات سے "تذکرہ ثابت بن قرہ اور ذخیرہ" بہت مشہور ہیں۔ اول الذکر کتاب ہم نے دیکھی ہے ۱۲

اس نے حکم دیا کہ سارے ممالک محروسہ کے زندانوں میں ہسپتال قایم کیے جائیں، اور ایک ایک جیل خانہ پر ایک ایک طبیب مامور کیا جائے۔

اضلاع کے عارضی بیمارخانے اسکے علاوہ عارضی مرض خانے بھی قایم کیے گئے تھے۔ جن میں بہت سے طبیب نوکر تھے۔ ان کا یہ فریضہ تھا کہ قصبات اور قریوں میں گشت لگاتے پھریں، اور اضلاع کے باشندوں کا علاج معالجہ کیا کریں۔ اس مقصد کے لیے ان کے ساتھ ہر وقت مختصر سا دواخانہ رہا کرتا تھا یہ لوگ حسبِ ضرورت ہر ضلع میں قیام کرتے۔ اور اس کے بعد دوسری طرف دورہ کے لیے نکل جایا کرتے تھے[1]۔

اطباء کا سب سے پہلا امتحان اس عہد تک طبی تعلیم کا کوئی معیار نہ تھا، اور نہ مدارس ہی قایم تھے۔ اس فن کے تلامذہ، مشاہیر اطباء کے گھروں پر جاکر، ان کی خدمت کرکے تجربہ اور علم طبابت حاصل کیا کرتے تھے۔ کسی باضابطہ امتحان یا تعلیم و تعلم کا کوئی طریقہ موجود نہ تھا۔ لکھا ہے کہ ۳۱۹ھ میں خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں کسی طبیب نے ایک بیمار کا غلط علاج کیا جس کی وجہ سے وہ مرگیا۔ خلیفہ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ سارے اطباء کا باضابطہ امتحان لیا جائے، اور یہ جب تک اس امتحان میں کامیاب نہ ہوجائیں انہیں علاج ومطب کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ اس فرمان کی وجہ سے سینکڑوں طبیبوں کو امتحان میں شریک ہونا پڑا۔ ان سب کا ممتحن ثابت بن قرہ مقرر ہوا۔ شبلی نے لکھا ہے کہ ان امیدواران امتحان میں سے صرف (۸۶۰) آدمی کامیاب ہوئے، اور انہیں سرکاری طور پر باضابطہ سند عطا

---

[1] رسائل شبلی صفحہ ۱۲

کی گئی۔ جس میں یہ بھی صراحت درج تھی کہ امیدوار نے کس درجہ کا امتحان دیا ہے، اور اُسے کس قسم کے علاج کی اجازت دی گئی ہے[۱] اس سے بغداد میں فن طب کی ترقی اور اُس کے تمدن کا پتہ چلتا ہے کہ شہر بھر میں کتنے ہی طبیب نہ ہونگے، وہ لوگ تو الگ ہی تھے جن کی شہرت اور لیاقت مسلّم ہو چکی تھی۔

مارستان مقتدری | مقتدر باللہ نہایت کریم النفس بادشاہ گذرا ہے اس نے اپنی ساری قوت نیک کاموں میں صرف کرنے کی کوشش کی۔ انسان کے دُکھ درد کے علاج پر اس کی توجہ خاص طور پر مرکوز تھی۔ محکمہ طب کو وسعت دینے اور اس کے لیے بے شمار انتظامات کرنے کے باوجود وہ مطمئن نہ تھا، اس لیے انتہا سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے اس نے آب دجلہ کے کنارے اپنی ماں کی یادگار میں ایک اور شفا خانہ کی تعمیر کا حکم دیا، جس کی نزہت، پاکیزگی اور منظر دید کے قابل تھا۔ محرم ۳۰۶ھ میں اس کے افتتاح کی رسم عمل میں آئی۔ اسی سنہ میں ایک اور شفا خانہ اپنے نام سے قائم کیا، جس کا ماہانہ خرچ دو سو دینار تھا[۲]۔

علامہ ابن جبیر جب سفر کرتے ہوئے شہر بغداد پہنچے تو انہوں نے بغداد کے خاص خاص محلوں اور مقاموں کا ذکر کرتے ہوئے، دجلہ کے کنارے ایک شفاخانہ کا ذکر تفصیل سے لکھا ہے، جو غالباً اسی مقتدر باللہ کا دواخانہ تھا، جس کا مختصر ذکر ہم چند سطر اوپر کر چکے ہیں یا کوئی اور ہوگا انہوں نے اس کے متعلق یہ عبارت لکھی ہے کہ:۔

"محلۂ باب البصرہ اور شارع کے درمیان سوق المارستان کے نام سے

---

[۱] رسائل شبلی ص۴۰ ۱۲ [۲] طبقات الاطباء، ص۲۲۱ ۱۲

ایک چھوٹا سا محلہ آباد ہے، اسی میں بغداد کا مشہور شفا خانہ ہے۔ جس کی دجلہ کے کنارے ایک عالیشان خوبصورت عمارت موجود ہے۔ اس کے اندر بہت سے نفیس و پاکیزہ مکانات ہیں، جن کی شاہانہ انداز پر آرائش کی گئی ہے اس میں دجلہ سے پانی آتا ہے۔ ہر جمعرات اور پیر کو اطباء مریضوں کے معائنہ کے لیے آیا کرتے ہیں، اور ہر شخص کے مناسب حال دوا و غذا تجویز کرتے ہیں، کھانے پکانے، دوائیں کوٹنے اور بنانے کے لیے ملازمین نوکر ہیں، جو طبیب کی حسب ہدایت ہر مریض کو غذا و دوا پہنچاتے رہتے ہیں۔[۹]"

مسلمان بادشاہوں، اور امیروں کی فیاضی اسی پر ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ انہیں کس قدر مخلوق خدا کے آرام اور چین کا خیال تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغداد میں اس سرے سے اس سرے تک اطباء اور شفا خانوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ چنانچہ مقتدر کے وزیر علی بن عیسیٰ نے (جس کا ذکر آگے آچکا ہے) خود اپنے ذاتی صرفہ سے ۳۰۲ھ میں محلہ حربیہ میں ایک اور ہسپتال قایم کیا تھا جس کا مہتمم مشہور طبیب، ابو عثمان، سعید بن یعقوب دمشقی تھا۔ ابن الفرات نے بھی ۳۱۳ھ میں محلہ درب المفضل میں ایک شفا خانہ تعمیر کیا تھا، جس کا انتظام ثابت بن سنان کے سپرد تھا۔ ان سب شفا خانوں کا خرچ، خاص علی کے خزانہ سے ادا ہوتا تھا۔

طب کی ایک نایاب قلمی کتاب خزائن الحکم

خلفائے عباسیہ نے کما حقہٗ اس اہم ضرورت کی تکمیل کی خاطر اپنی پیہم اور مسلسل کوششیں برابر جاری رکھی تھیں، ہر جانشین کے عہد میں کچھ نہ کچھ ضرور اضافہ ہوتا رہا۔ خلیفہ ابو القاسم مقتدی بامر اللہ (۴۶۷ھ ۴۸۷ھ) کے عہد میں ایک بہترین کتاب لکھی گئی۔ جس کا نام خزائن الحکم ہے۔

---

[۹] ترجمہ سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ رام پور ۱۲

ہم نے یہ کتاب نہایت ہی اعلیٰ درجہ کے خط میں لکھی ہوئی دیکھی ہے۔
اس میں بڑی جدت کے ساتھ امراض اور ان کے علاج جدولوں کے ذریعہ واضح کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا کاغذ اس قدر موٹا اور نفیس ہے کہ جسے دیکھکر کاغذ سازی کی صنعت کی ترقی کا پتہ چلتا ہے۔ کتاب بہت بڑی سائز پر حاوی ہے جس کے سو صفحے ہیں۔ پیش نظر نسخے کی کتابت ۲۵ رمضان ۵۰۲ھ میں بمقام کاشان عمل میں آئی ہے۔ کاتب کا نام "مسعود بن محمود بن محمد الطبیب" ہے۔
خلیفہ ناصرالدین اللہ (۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ) کے عہد میں ابونصر مسیحی و ابن عطار کی شہرت تھی۔ چنانچہ اول الذکر نے خلیفہ کا علاج کیا، اور جب صحت ہوئی تو بیس ہزار دینار کے سوا امین الدولہ ابن تلمیذ کا نادر و بیش بہا کتب خانہ مرحمت کر دیا جس میں لکھوکھا روپیوں کی کتابیں تھیں، اس طبیب نے ۶۰۰ھ میں وفات پائی۔

کتاب چور حکیم | ابن عطار کا نام ابوالخیر بن ابراہیم (نصرانی) تھا۔ یہ بھی خلیفہ موصوف کا شاہی طبیب تھا۔ سنگ مثانہ کے علاج میں ناکامی ہونے کی وجہ سے مردود بارگاہِ شاہی ہوا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اسے دنیا میں کتابوں سے زیادہ کسی اور چیز سے محبت نہ تھی۔ اس لیے اس کے پاس بیش بہا کتب کا نادر ذخیرہ جمع ہو گیا تھا اس کی خریدی کتب کا یہ عجیب قصہ لکھا ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی کتاب فروخت کے لیے آتی تو اس میں سے دو چار ورق غائب کر دیا کرتا تھا۔ اور بعد میں قیمت لگاتا۔ اگر اپنے حسب خواہش قیمت میں مل جاتی تو خرید لیتا ورنہ واپس کر دیتا تھا۔ یہ ترکیب ہمیشہ اس وقت کیا کرتا تھا۔ جب کتاب کے واپس آنے کی کوئی توقع نہ ہوتی تھی۔ یہ اپنی اس عادت کی وجہ سے بدنام ہو گیا تھا، اور لوگ اسے خائن کہا کرتے تھے۔
۶۲۳ھ میں خلیفہ مستنصر نے مکہ معظمہ میں ایک عالی شان شفاخانہ بنوایا تھا

جس کی ترمیم شریف مکہ حسن بن عجلان نے چالیس ہزار کے صرفہ سے کرائی تھی۔

چوتھی صدی ہجری میں اسلامی سلطنت اس قدر وسیع ہو چکی تھی کہ بہت سے صاحب تخت و تاج پیدا ہو گئے تھے۔ اور اپنی اپنی جگہ مستقل سلطنتوں کے بلاشرکت غیرے حکمران تھے۔

طبِ اسلامی آلِ سامان کی سرپرستیوں میں خاندانِ آلِ سامان کے ایک رکن (اسد بن سامان) کے سر پر بخت و اتفاق نے تاج شاہی رکھا تو ایک نئی حکومت وجود میں آئی اس سلسلہ میں بھی بہت سے قابل اور لائق سلاطین گذرے جنھوں نے علم و فضل کے ساتھ، فنِ طب کی سیادت کی۔ ان کے دربار میں بھی بڑے بڑے نامی گرامی حکما جمع تھے۔ چنانچہ بوعلی سینا نے اپنی ایک کتاب "مبدا، و معاد" میں اس خاندان کے ایک طبیب کے نادر علاج کا یہ قصہ لکھا ہے:-

ایک عجیب و غریب علاج "میں نے یہ سنا کہ، آلِ سامان کے بادشاہوں کا ایک طبیب تھا۔ جسے اس قدر تقرب حاصل تھا کہ حرمِ شاہی کے مخدراتِ عصمت کی بے حجاب نبض دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن بادشاہ کے ساتھ محلِ خاص میں بیٹھا ہوا تھا جہاں کہ اچھے اچھوں کی گذر نا ممکن تھی۔ جب کھانے کا وقت قریب ہوا، تو بادشاہ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، خاصہ کی تیاری کی گئی اور ایک خوان لوازم سے بھرا ہوا، لایا گیا، جو لونڈی کہ خوان سالار مقرر تھی، خادمہ کے سر سے خوان اتارنے کے بعد نیچے رکھنے کے لیے جھکی، اور رکھ کر جب سیدھی ہونا چاہی تو نہ ہو سکی، جس طرح جھکی تھی، اسی طرح اکڑ گئی۔ بادشاہ لونڈی کی یہ حالت

۱؎ ہم نے ایک کتاب میں یہ پڑھا کہ یہ قصہ شیخ الرئیس کے استاد ابو المنصور بخاری کا ہے جو امیر منصور سامانی کا شاہی طبیب تھا اور ۳۲۰ھ میں انتقال کیا۔ اس کی تصنیفات سے کتاب العلل مجموعہ کبیر اور غنی منی ہیں۔ غنی منی کا ایک نسخہ نظر سے گذرا جو [illegible] کا قلمی ہے

دیکھکر حیران ہو گیا۔ اور طبیب سے مخاطب ہو کر کہا کہ فوراً اس کا علاج کرو۔ چونکہ موقع سخت نازک تھا، نہ اس وقت دوائیں پاس تھیں اور نہ کوئی طبی تدبیر کی صورت تھی، طبیب باکمال اور حاذق تھا اس کے باوجود وہ پریشان نہ ہوا۔ اور نہایت استقلال سے اُس نے اِس مشکل معاملہ کا حل تدبیر نفسانی کے ذریعہ کرنا چاہا۔ جب غور کی، تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ عارضہ مفاصل میں ریح غلیظ کے پیدا ہونے کے سبب پیش آیا ہے۔ اس لیے یہ تدبیر بنائی کہ اس کے مُنہ اور سر سے نقاب اُلٹ دیا جائے اور اس کے بال پریشان کر دیے جائیں، اس کے باوجود اس کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا، تو پھر یہ کہا کہ اس کے سارے کپڑے کھینچ لیے جائیں اور اس کو سر سے پیر تک بالکل ننگ دھڑنگ کر دیا جائے، لونڈی یہ سنتے ہی پریشان ہوئی اور جب اس کی شلوار اتارنے لگے، تو شرم و حیا کے مارے یک دم سیدھی ہو گئی۔ بادشاہ یہ دیکھکر حیران ہو گیا کہ وہ یا تو کوششوں سے اور کھینچنے کے بعد بھی سیدھی نہ ہو سکتی تھی۔ اور صرف اس عمل سے اس کی حالت درست ہو گئی طبیب سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے یہ عرض کی کہ "جہاں پناہ! اس کے جوڑوں میں یکایک ریحِ غلیظ آکر اڑ گئی تھی۔ جب لباس اتارنے کے لیے اسکی شرمگاہ کی طرف ہاتھ بڑھایا گیا تو فوراً غلبۂ حیا کے باعث اس کے جسم میں تیزی سے حرارت پیدا ہوئی، اور جس کی وجہ سے وہ ریح غلیظ تحلیل ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ حکیم کی اس بے مثل حذاقت پر متعجب و حیران رہ گیا[1]"

---

[1] چہار مقالہ ص ۹۳ مطبوعہ لاہور ۱۲

محمد ذکریا رازی کا ایک عجیب و غریب معالجہ

مجمع النوادر کے مؤلف نے اس خاندان کے ایک اور نادر علاج کا تذکرہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ امیر منصور بن نوح بن نصر (المتوفی ۳۶۵ھ) کو ایک عارضہ پیدا ہو گیا تھا، جو ایک عرصہ دراز تک اچھا نہ ہو سکا، سارے اطبا رعلاج سے عاجز آ چکے تھے۔ اس نے مجبور ہو کر محمد ذکریا رازی کو طلب کیا۔ رازی حسب الحکم معالجہ کی خاطر چل پڑا، جب دریائے جیحون کے کنارے پہنچا، اور اس کو دیکھا تو کہا کہ میں ہرگز کشتی میں نہ بیٹھوں گا۔ کیونکہ اس ہلاکت خیز دریا میں کشتی پر سوار ہونا اور دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو ایک سخت مخاطرہ میں ڈالنا عقلمندی کے خلاف ہے۔ چنانچہ وہ یہاں سے لوٹ گیا۔ جو ایلچی کہ ذکریا کو ہمراہ لا رہا تھا، وہ بادشاہ کی خدمت میں عرض حال کے لیے پہنچا، اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے پھر قاصد کو روانہ کیا، کہ اسے سمجھا منا کر لائے چونکہ اس آمد و رفت میں کافی عرصہ ہوا تھا، اس لیے اس مدت میں محمد ذکریا نے ابو صالح نوح بن منصور (المتوفی ۳۶۵ھ) کے لیے "منصوری"[1] کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جب یہ قاصد اس کے پاس پہنچا، تو اس نے اس کے ہاتھ اپنی یہ تصنیف روانہ کی اور کہا کہ بادشاہ سے یہ عرض کر کہ یہ کتاب میری بجائے ہے۔ اور اس سے آپ کا مقصد حاصل ہو گا اور میری ضرورت نہ ہو گی۔ جب یہ کتاب بادشاہ کے پاس اس کی بجائے پہنچی، تو بے حد رنجیدہ ہوا، اور

---

[1] چہار مقالہ ہی سب سے پہلی کتاب ہے جس کی وجہ سے "منصوری" کی تالیف کا ایک عجیب و غریب اور دلچسپ قصہ معلوم ہوتا ہے ورنہ دنیا آج تک اس تمام واقعہ سے ناواقف تھی۔ لاطینی زبان میں کتاب المنصوری کا نام Ad Alman Sorem librix ہے۔ یہ بمقام "میلان" ۱۴۸۰ء میں طبع بھی ہوئی۔ اور ۱۵۳۳ء میں ڈاکٹر جارج کردت نے اس کی تلخیص بھی شائع کی تھی اور اس کی ابتدا میں ایک مقدمہ لکھا تھا۔ رازی کی دوسری کتاب یعنی "الحاوی" جس کا لاطینی نام Continens Rosis ہے "وینس" میں ۱۵۴۲ء میں چھاپی گئی تھی۔ (ماخوذ از اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۳۲ء) ۱۲

حکم دیا کہ پھر جاؤ اور یہ ہزار دینار و اسب خاص دے کر اُسے حاضرِ دربار ہونے پر مجبور کرو۔ جو مانگے اس کی تکمیل کرو۔ اگر اس طرح بھی وہ چلنے پر راضی و آمادہ نہ ہو تو اس کے ہاتھ پیر باندھ کر اُسے کشتی میں سوار کراؤ، اور جب دریا پار ہو جائیں، تو نہایت عزت واحترام کے ساتھ حاضر دربار کرو۔ چنانچہ جب وہ حاضرِ دربار ہونے پر راضی نہ ہوا، تو اسی طریقہ کا سلوک اس کے ساتھ برتا گیا، جب کنارہ پر اترے تو اس کے ہاتھ پیر کھول دیے گئے۔ دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ مجھے ڈر تھا کہ تو کوئی خصومت و دشمنی کریگا اور خوشی سے میرا علاج نہ کریگا، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ تو نے اس بدسلوکی کو بالکل فراموش کر دیا ہے اس نے عرض کی کہ میرے حاضر ہونے میں کوئی عذر نہ تھا، اور میں یہ بخوبی جانتا ہوں کہ ہزاروں آدمی آب جیحون سے پار ہوتے رہتے ہیں اور غرق نہیں ہوتے اور میں بھی غرق نہ ہوتا، اور یہ بھی ممکن تھا کہ غرق ہو جاتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو لوگ قیامت تک مجھے یہ کہکر بدنام کرتے کہ دیکھو محمد ذکریا کس قدر بے وقوف آدمی تھا کہ جانتے اور سمجھتے ہوئے کشتی میں بیٹھا، اور غرق ہو گیا۔ خیر اس کے بعد رازی نے امیر کا علاج شروع کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، ایک دن اس کی شکایت سن کر کہا کہ اچھا میں کل آپ کا دوسرے طریقہ سے علاج کرونگا، اور اس معالجہ کے لیے، فلاں گھوڑا فلاں خچر کی ضرورت ہے، یہ دونوں اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے بہت مشہور تھے اور ایک رات میں (۱۲۰) میل طے کر سکتے تھے۔ دوسرے روز محمد ذکریا، امیر کو "جوئے مولیاں" کے قریب ایک حمام میں لے گیا۔ اور حمام کے دروازہ پر گھوڑے اور خچر کو زین وغیرہ کس کر کے تیار کھڑا رکھا۔ اور ان کی رکاب اپنے غلام کے ہاتھ میں دی۔ بادشاہ کے مصاحبین و ملازمین سے کسی کو حمام میں آنے کی اجازت نہ دی، امیر کو حمام میں تنہا لے گیا اور اس کے وسط میں

بٹھلایا، اور نیم گرم پانی اس پر ڈالتا رہا اور ایک شربت جو تیار کر رکھا تھا اسے پینے کے لیے دیا، اور اتنی دیر تک منتظر رہا کہ اخلاط کو مفاصل میں پہنچکر تضیح پیدا ہوا، اس کے بعد اٹھا اور کپڑے پہنے، اور امیر کے سامنے آ کھڑا ہوا اور گالیاں دینی شروع کیں کہ "تو ایسا اور ایسا ہے اور تو نے مجھے باندھکر کشتی میں ڈالنے کا حکم دیا۔ اور میری جان کے پیچھے پڑ گیا، اگر اس بدسلوکی کے معاوضہ میں اس وقت تیری جان نہ لوں تو میں ذکریا کا بیٹا نہیں"۔ بادشاہ یہ سنکر نہایت غیظ و غضب کے عالم میں اُٹھا، تاکہ اس کے قتل کرنے سے پہلے تلوار سے ذکریا کا ہی خود خاتمہ کر دے، جب رازی نے امیر کی یہ حالت دیکھی تو، حمام سے باہر نکل آیا، وہ اور اس کا غلام گھوڑے اور خچر پر سوار ہو کر فوراً یہاں سے فرار ہو گئے، اور مقام "مرو" پر پہنچ کر دم لیا۔ اس کے بعد بادشاہ کو ایک خط لکھا کہ "خدا جہاں پناہ کو سلامت رکھے، خادم نے صحت و ازالۂ مرض کی پُوری پُوری کوشش کی، چونکہ حرارتِ غریزی نہایت کمزور ہو چکی تھی۔ اور اس کا طبعی علاج بہت دنوں میں ہو سکتا تھا، اس لیئے میں نے اس قسم کا علاج مناسب نہ سمجھا، اس کی بجائے علاج نفسانی پر غور و توجہ کر کے یہ ترکیب نکالی تھی۔ جب بادشاہ کے بدن میں تضیح پیدا ہو گیا تھا تو اس وقت حرارتِ غریزی کو جوش میں لانے کے لیے، میں نے آپ کے غصہ کی آگ کو بھڑکایا جس کی وجہ سے نہایت شدت کے ساتھ حرارتِ غریزی حادث ہوئی اور اپنی قوت سے ان اخلاط کو جو تضیح قبول کر چکی تھیں، تحلیل کر دیا۔ اس ترکیب پر عمل کرنے کے بعد یہ بہت بڑی غلطی ہوتی اگر میں وہیں جہاں پناہ کی خدمت میں حاضر رہتا، کیونکہ اپنی عزیز زندگانی کی کوئی توقع نہیں رکھ سکتا تھا۔

جب ذکریا فرار ہو گیا، تو اس کے بعد ہی بادشاہ کو غشی طاری ہو گئی جب

ہوش میں آیا تو حمام سے باہر آیا، اور خدمت گاروں کو آواز دی اور پوچھا کہ طبیب کہاں ہے۔ تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ فرار ہو گیا ہے۔ امیر نے اس کی یہ ترکیب نہ سمجھی اور متحیر رہا۔ یہ حمام سے خود چل کر باہر نکل آنے کے قابل ہو گیا، اس کی وجہ سے تمام امراء و ملازمین نے بڑی خوشی منائی، خیرات کی، صدقے اتارے۔ طبیب کی بہت کچھ تلاش کی، لیکن پتہ نہ چلا۔

ساتویں روز محمد ذکریا کا غلام اس خط کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امیر نے خط پڑھ کر اس کی اس تدبیر پر تعجب کیا اور اس کو معاف کر دیا اور اس کے لیے خلعت، گھوڑے مع ساز و سامان، ہتھیار، دستار، غلام اور لونڈیاں وغیرہ تحفہ میں بھیجیں اور حکم دیا کہ اس کے نام ہر سال ہزار دینار سرخ اور دو سو خروار غلہ اجرا ہوا کرے[1]۔

---

[1] ذکریا رازی کے حالات بہت مشہور ہیں اس لئے ہم نے اسکے متعلق یہاں کچھ نہیں لکھا ہے اسکی تصنیفات سے متعدد کتابیں ہیں لیکن حسب ذیل تصانیف ہماری نظر سے گذری ہیں:

(۱) برء الساعۃ (۲) رسالہ فی التحفظ النزلہ (۳) رسالہ فی الجدری والحصبہ (مطبوعہ بیروت) (۴) طب منصوری (۵) قوانین الابدال (۶) کتاب فی معرفۃ الفصد (۷) کتاب فی معرفۃ مومیائی (۸) مفردات العقاقیر الرفیعہ فی ذکر بعض الاغذیہ والادویہ (۹) محنۃ الاطباء (۱۰) مقالہ فی الحصی مع ترجمہ فرانسیسی (مطبوعہ یورپ) (۱۱) منصوری (کتاش قاہرہ) (۱۲) من لا یحضرہ الطبیب (مطبوعہ) (۱۳) مکاتیب ذکریا و علی بن عباس مجوسی

حال ہی میں ایک اور کتاب کا علم رسالہ معارف دسمبر ۱۹۳۶ء کے ذریعہ ہوا جس میں لکھا ہے کہ امریکہ کی پرنسٹن یونیورسٹی نے چند قدیم اور نادر قلمی کتابیں خریدی ہیں ان میں ذکریا رازی کا ایک رسالہ بھی ہے جو طب پر ہے اور ۱۲۰۲ھ میں لکھا گیا ہے۔ خیال ہے کہ یہ رسالہ صرف دنیا میں ایک ہی ہے۔ رازی پہلا شخص ہے جس نے خسرہ اور چیچک میں سائنٹفک طریقہ پر امتیاز پیدا کیا۔ طب پر ایک اور رسالہ بھی ملا ہے جو ابن نفیس متوفی (۱۲۸۸ء) کے اصل نسخہ سے ۱۲۹۳ء میں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں پھیپھڑوں کے دوران خون پر مستقل بحث ہے۔ ورنہ اس سے پہلے عام خیال یہ تھا کہ دوران خون کا نظام اسپین کے ایک فاضل مائیکل سروٹس Michael Servetus نے سب سے پہلے دریافت کیا تھا جو ابن نفیس سے تقریباً تین صدی کے بعد گزرا ہے۔ (معارف ص ۴۰۸) ۱۲

آل بویہ کا بیت الشفاء سامانیوں کے بعد دوسری قابل الذکر اسلامی سلطنت آل بویہ (۳۲۱ھ تا ۴۴۸ھ) کی تھی، اس خاندان میں بھی بہت سے نامی سلاطین گزرے ہیں۔ جنہوں نے صاحبانِ فضل و کمال کی پرورش و پرداخت میں نمایاں طور پر حصہ لیا تھا۔ معزالدولہ (متوفی ۳۵۶ھ) کے عہد میں ابراہیم بن ثابت بن قرہ الحرانی مشہور طبیب تھا، جس نے بہت سی قدیم کتابوں کا ترجمہ کیا۔ یہ شخص صابی المذہب تھا۔ جالینوس اور بقراط کی کتابوں کا درس دیا کرتا تھا۔ لکھا ہے کہ خود اس نے ایک تاریخ بھی مرتب کی تھی۔ اسی خاندان کا وہ مشہور و معروف حکمران ہے جو عالم اسلامی میں "عضدالدولہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جس کے آثار خیر کو دنیا آج تک بھلا نہ سکی۔ یہ ایک قابل، علم دوست اور رفاہِ عامہ کے کاموں کا دلدادہ فرماں روا گزرا ہے۔ سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی اس نے حکم دیا کہ سارے ممالک محروسہ میں نئے شفا خانے تعمیر کیے جائیں اور قدیم ہسپتالوں کی تعمیر و ترمیم کیجائے۔ بغداد کی کثرت آبادی کے باعث موجودہ ہسپتال بہت ناکافی تھے۔ عضدالدولہ خاندان بویہ کا چوتھا تاجدار تھا۔ اس کی سلطنت ایک بڑی وسیع رقبہ پر پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے ۳۶۶ھ میں ایک ایسا زبردست شفاخانہ قایم کیا تھا کہ بڑے بڑے اور معتبر مورخین نے بالاتفاق یہ تسلیم کرلیا ہے کہ دنیا میں اس شان و شوکت کا "بیت الشفا" آج تک تعمیر نہ ہوسکا۔ علامہ ابن خلکان نے اس شفاخانہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "لیس فی الدنیا مثل ترتیبہ واعد لہ من الآلات مایقصر الشرح عن وصفہ"۔

یہ "دارالعلاج" اپنی گوناگوں خوبیوں اور وسعت و خوب صورتی کے لحاظ سے نہایت عظیم الشان تھا، اس میں ہر قسم کے آلات کثرت کے ساتھ

مہیا کیے گئے تھے۔ اور چوٹی چوٹی کے اطبا اقصائے ممالک سے چھان بین کرکے بلائے گئے تھے ان کی تعداد پہلے پہل (۵۰) تھی، بعد کو انتخاب کے بعد گھٹ کر (۲۴) رہ گئی۔ یہ لوگ علاج معالجہ کیا کرتے اور طلباء کو درس تدریس دیا کرتے تھے، ان طبیبوں میں ابن بکس، ابن کشکرایا، ابو عیسیٰ، بنو حسنو، ابوالفرج، ابن بطلان بغدادی جیسے نامور اطباء شامل تھے۔

ابن کشکرایا وہ شخص تھا، جس نے امیر سیف الدولہ کا علاج کیا، کہتے ہیں میدانِ جنگ میں امیر کی کمر پر کاری ضرب لگی تھی۔ جس کی وجہ سے مجاری بول میں سخت نقصان پہنچا اور قوت ماسکہ اپنے عمل سے بالکل عاجز آگئی تھی۔ بالآخر سیف الدولہ ابن کشکرایا کو حاضر دربار ہونے کا حکم دیا تو یہ موصل سے اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور "حب فرفیون" سے اس مرض کا علاج کیا۔ جس سے امیر کو بے حد فائدہ ہوا تو پھر یہیں سے اس کو شفاخانہ عضدیہ میں طلب کرلیا گیا۔ لکھا ہے کہ حقنہ اسی کی ایجاد ہے۔ اس کی تصنیفات سے کتاب "معرفت نبض" اور "کناشی" ہے جو امیر سیف الدولہ کے نام سے معنون کی ہے۔

ابن بطلان بغدادی کی کتاب تقویم الاطباء کا قلمی نسخہ

ابن بطلان بغدادی مشاہیر اطباء سے تھا۔ اس کا پورا نام ابوالحسن مختار بن عبدون بن سعدون بن لبطلان تھا۔

یہ نصرانی مذہب کا پیرو، اور شاعر بھی تھا۔ اس نے ۴۶۶ھ میں وفات پائی فنونِ حکمت میں کمال کے درجہ کو پہنچ چکا تھا۔ قسطنطنیہ و مصر کا سفر بھی کیا۔ اور اس کی یادگار میں ایک سفرنامہ بھی لکھا۔ اعمالِ ید اور جراحی میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ ابوالفرج کی معرفت سے شفاخانہ عضدیہ میں مقرر کیا گیا۔ اس کی

تالیفات سے کناش الادیرہ والرہبان مقالہ در خوردن دوائے مسہل کتاب دعوۃ الاطبا (جو امیر نصیر الدولہ کے نام معنون ہے) یادگار ہیں۔ اس کی ایک کتاب "تقویم الصحۃ" ہے جسے غالباً "تقویم الاطبار" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب ہماری نظر سے گذری ہے۔ جو سرخ و سبز و سیاہ روشنائیوں سے خطِ نسخ میں لکھی گئی ہے۔ خط کی شان و شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، ڈرائنگ کے قابلِ لحاظ نمونوں اور بیل بوٹوں سے کتاب مزین ہے دوائر اور ان کی گلکاری وغیرہ بہت ہی جاذبِ نظر ہے۔ اس کی جلد بھی قابلِ حفاظت اور نہایت قدیم ہے۔ اس کتاب میں ادویہ اور ان کے امزجہ وغیرہ جدولوں کے ذریعہ نہایت کمال اور عمدگی کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں دیباچہ بھی لکھا ہے۔ جس کے حروف بوجہ قدامت اڑتے جارہے ہیں یہ کتاب نادر و کم یاب ہے ہم نے بدقت تمام اس کے مؤلف کے نام (مختار بن عبدو......) کو پڑھا۔ اور ہمارا یہ خیال ہے کہ ابن بطلان کی یہی کتاب ہے جو "تقویم الصحۃ" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ مؤلف کے نام کے جتنے حروف پڑھے جاتے ہیں ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس کتاب کا دیباچہ فارسی زبان میں ہے۔ کتاب اپنے خط کی شان اور اور ابن بطلان کی تالیف کی وجہ سے نادرات کا حکم رکھتی ہے۔ اس کتاب کے کل (۴۸) صفحے ہیں۔ یہ کتاب خزائن الحکم کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس کی بھی وہی تقطیع ہے۔

عضد الدولہ کی خوش قسمتی تھی کہ اسے ایسے باکمال ہاتھ آگئے تھے۔ اور اس کے شفاخانہ میں مامور تھے۔ جن کا جواب آج تک مسلمانوں میں پیدا نہ ہوسکا۔ جراحوں میں ابوالخیر، ابوالحسن نفاح جیسی مشہور شخصیت کے

لوگ تھے۔ ابوالصلت سی معروف عالم ہستی بھی ان میں شامل تھی جو اس شفا خانہ میں پٹی باندھنے والوں کا استاذ مقرر کیا گیا تھا۔ اس فن میں جس کا کوئی جواب نہ تھا۔ کحالوں کا معلم ابو النصر بن الرحلی تھا محکمہ طبابت اور اس شفا خانہ کا افسر امین الدولہ بن تلمیذ مشہور عیسائی تھا عضد الدولہ کے عہد میں ابو العلاء فارسی، لشکر شاہی کا طبیب تھا، جواپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ عام طور پر اس کی اس قدر شہرت تھی کہ لوگ "دستِ شفا" اس کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں سمجھتے تھے۔ عضد الدولہ کے بعد اس کے بیٹے شرف الدولہ کے دربار میں بھی اس کی وہی عزت برقرار رہی۔

مصنف چہار مقالہ نے آل بویہ کے عہد میں بوعلی سینا کے ایک اور نادر معالجہ کا ذکر کیا ہے۔

شیخ الرئیس کا ایک نادر علاج

وہ لکھتے ہیں کہ ان سے ان کے ایک معتبر دوست نے یہ واقعہ بیان کیا کہ آل بویہ کا ایک شاہزادہ مرض مالیخولیا میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اور وہ اس بیماری کی وجہ سے اپنے آپ کو یہ سمجھتا تھا کہ وہ "گائے" ہو گیا ہے۔ ہر روز آوازیں کیا کرتا، اور ہر شخص سے کہتا کہ مجھے ذبح کر کے ہریسہ تیار کرو۔ مرض نے اس قدر غلبہ کیا کہ اس نے اس وہم و تخیل کی وجہ سے کھانا پینا چھوڑ دیا اور حالت بد تر ہونے لگی۔ سارے اطباء علاج سے عاجز آ گئے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بوعلی سینا جو اس وقت علاؤ الدولہ کا وزیر تھا، سلطنت و ملک کے معاملات اور تصنیف و تالیف میں مشغول اور کتاب شفاء لکھ رہا تھا۔ اور جسے ان مصروفیتوں کی وجہ سے وقت ہی نہ ملتا تھا۔ اطباء نے عاجز ہو کر علاؤ الدولہ کی خدمت میں اس مریض شہزادہ کی ساری کیفیت بیان کی اور کہا کہ اس کا علاج سوائے ابن سینا کے

اور کسی سے ممکن نہیں آپ شیخ سے اس کی سفارش کیجئے۔ چنانچہ علاء الدولہ نے بوعلی سے اس کے علاج کی درخواست کی تو اس نے بادشاہ کے حکم کی وجہ سے قبول کر لی اس کے بعد لوگوں سے کہا کہ اچھا اس مریض سے جا کر کہو اور اسے خوشخبری دو کہ تمہارے ذبح کرنے کے لیے قصاب آتا ہے۔ چنانچہ مریض یہ سنکر بیحد مسرور وخوش ہوا' اس کے بعد بوعلی سینا دو آدمیوں کے ہمراہ اس مریض کے پاس گیا' اس کو دور سے دیکھنے کے باوجود لوگوں سے پوچھنے لگا کہ اچھا بتاؤ وہ گائے کہاں ہے؟ تاکہ میں اسے ذبح کروں۔ اس مریض نے جب یہ باتیں سنیں تو گائے کی طرح آوازیں کرنے لگا۔ بوعلی سینا نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر گائے کی طرح باندھ دو اور جانور کو جس طرح ذبح کرنے کے لیے لٹاتے ہیں اس طرح اسے لٹادو۔ چنانچہ جب اس کو باندھ کر لٹا دیا گیا تو شیخ اس کے قریب پہنچا اور چھری پر چھری رگڑنی شروع کی۔ جیسا کہ قصابوں کی عادت ہوتی ہے۔ اس کے بعد ذبح کرنے کے لیے بیٹھا۔ گلے پر چھری رکھنے سے بیشتر اس کا جسم دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ کس قدر دبلی گائے ہے' اس کو ذبح نہ کرنا چاہیے' چارہ کھلاؤ تاکہ خوب موٹی ہو' اور گوشت بھی خوب نکلے۔ اُس وقت اس کو ذبح کیا جائیگا' یہ کہنے کے بعد مریض کے پاس سے اٹھا اور باہر آکر لوگوں کو ہدایت کی کہ اس کے ہاتھ پیر کھول دو۔ میں جو کچھ غذائیں تجویز کروں اس کو کھلایا کرو۔ اور اس سے کہو کہ خوب کھائے تاکہ موٹی تازی ہو سکے۔ چنانچہ اسی طرح عمل کیا گیا۔ اس کے بعد اس مریض کے سامنے جو کچھ لے جاتے اُسے موٹا ہو کر ذبح ہونے کی خاطر ہنسی خوشی کھاپی لیتا۔ اسی ترکیب سے دوائیں وغیرہ بھی استعمال کرائی گئیں اور اس سے کہا جاتا تھا کہ یہ دوا کھا اس سے گائے بہت جلد موٹی ہوتی ہے' وہ اسے فوراً کھالیا کرتا تھا۔ اس کے بعد بوعلی سینا نے

دوسرے اطباء کو اس کے علاج کے متعلق ہدایتیں کردیں اس ترکیب سے مریض ایک مہینے کے اندر کامل صحت یاب ہوگیا

غزنوی عہد میں بُوعلی سینا کی حذاقت ادھر قدرت کے فیاض ہاتھوں نے غزنی کے چھوٹے سے شہر میں ناصرالدین سُبکتگین کے سر ۳۶۵ھ میں تاج شاہی رکھا، اور اس کی اولاد سے ایک ایسا بادشاہ پیدا ہوا جس نے اپنی فتوحات سے ہمعصر سلاطین کو لرزہ براندام کر رکھا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی جلادت و فتوحات کو کون نہیں جانتا۔ اہلِ علم و کمال کے ساتھ اس کی قدردانیوں کے واقعے کس نے نہیں سُنے۔ اس کے دربار میں جس قدر معرکتہ الآرا افاضل زمانہ جمع ہوئے تھے۔ شاید دنیا میں کسی اور بادشاہ کو نصیب ہوئے ہونگے۔ اس کی فضلاء پروری کا یہ عالم تھا کہ سارے ممالک پر اس کی نظریں تھیں، اور وہاں کے اہلِ کمال کے ناموں اور حالات سے واقف رہ کر ان کی جستجو میں رہتا، چنانچہ اس کو معلوم ہوا کہ ابوالعباس[2] مامون خوارزم شاہ کے دربار میں ابوالحسن احمد بن محمد السہیلی، ابوعلی سینا، ابوسہل مسیحی، ابوالخیر خمار ابوریحان بیرونی، ابونصر عراقی وغیرہ جمع ہیں اور یہ وہ افاضل روزگار ہیں جن کا اس وقت دنیا میں جواب نہیں۔ اس نے ابوالعباس کی خدمت میں ایک فرمان خواجہ حسین بن علی میکال کے ہاتھ روانہ کیا، جو خود افاضل روزگار سے تھا۔ محمود نے یہ خواہش کی تھی کہ میں نے سُنا ہے کہ تمہارے دربار میں بہت سے اہلِ فضل و کمال جمع ہیں،

---

[1] چہار مقالہ (صفحہ ۱۰۲ مطبوعہ لاہور) ۱۲

[2] یہ شخص خاندان خوارزم شاہی سے نہیں ہے، بلکہ محمود غزنوی کے ابتدائی عہد میں، خوارزم علاقہ کی حکومت مامون نامی شخص سے متعلق تھی اس نے سلطان محمود کی بہن سے عقد بھی کیا تھا۔ اسے اگلے مورخین ابوالعباس مامون خوارزم شاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اکثر و بیشتر اگلی تاریخوں میں یہی نام دیکھنے میں آیا ہے ۱۲

لہٰذا ان میں سے فلاں فلاں کو میری خدمت میں روانہ کرو۔ تاکہ باری آستان بوسی کا شرف حاصل کریں۔" خوارزم شاہ نے ایلچی کی بڑی آؤ بھگت کی اور اسے ایک اچھے مقام پر ٹھہرایا اور اپنے دربار میں بلانے سے پہلے حکماء کو طلب کیا اور وہ فرمان پڑھ کر سنایا' اور کہا کہ محمود بہت صاحب قوت اور بہت بڑے لشکر کا مالک ہے' ہندوستان و خراسان وغیرہ پر اس نے اپنی حکومت جمالی ہے اور اب عراق کی طمع میں جیتا ہوا ہے۔ مجھے اس قدر قدرت حاصل نہیں کہ میں اس کے فرمان سے روگردانی کروں' اب بتاؤ تم لوگ خود اس بارہ میں کیا کہتے ہو؟ بوعلی سینا اور ابوسہل مسیحی نے کہا کہ ہم ہرگز محمود کے پاس جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ لیکن ابونصر ابوالخیر اور ابوریحان البیرونی نے اس کی داد و دہش کی شہرت سن کر اس کے پاس جانے پر رضامندی ظاہر کی۔ یہ سن کر ابوالعباس نے کہا کہ اچھا تم دو آدمی قاصد کو بلانے سے پہلے فوراً یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرو۔ خوارزم شاہ نے بوعلی سینا و بوسہل مسیحی کے لیے اسباب سفر مہیا کر کے ایک قاصد کے ساتھ ان لوگوں کو روانہ کر دیا۔ اور یہ لوگ جرجان کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسرے دن خوارزم شاہ نے خواجہ حسین بن علی میکال کو دربار میں طلب کیا' اور اس کی بڑی خاطر مدارات کی' اور کہا کہ میں نے شاہی فرمان پڑھ لیا ہے' افسوس ہے کہ فرمان کے آنے سے قبل ہی میرے پاس سے بوعلی سینا اور ابوسہل مسیحی جا چکے ہیں' البتہ بقیہ لوگ سلطان کی خدمت کے لیے حاضر ہیں ان سب کو خواجہ حسین کے ہمراہ روانہ کرنے کے انتظامات کر دیے۔ ایلچی مذکور ان لوگوں کو لے کر سلطان محمود کی خدمت میں بلخ پہنچا۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ بوعلی سینا حاضر نہیں ہوا ہے' جس کے بلانے کی اس کو سب سے زیادہ خواہش

تھی، تو ابونصر عراقی (جو مصور تھا) کو حکم دیا کہ بوعلی سینا کی تصویر بنائے۔ چنانچہ اس نے تصویر بنا کر پیش کی، تو دوسرے مصوروں کو بلا کر حکم دیا کہ ایسی چالیس تصویریں اتار کر فرامین کے ساتھ انہیں اطراف ممالک میں روانہ کرو کہ جہاں کہیں اس صورت کا آدمی ملے فوراً اس کو گرفتار کر کے ہماری خدمت میں بھیج دیا جائے۔

ادھر ابوسہل و بوعلی سینا ابوالعباس خوارزم شاہ کے دربار سے نکل کر جا رہے تھے، جب ایک مقام پر ٹھہرے تو بوعلی سینا نے زائچہ کھینچا اور دیکھا کہ اب ہم کس طالع سے نکل چکے ہیں اس کے بعد ابوسہل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب ہم اِس طالع سے نکلتے ہی راستہ گم کر دینگے، اور بڑی تکلیف اٹھائینگے تو بوسہل نے کہا کہ خیر خدا کی مرضی ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔ میں خود یہ جانتا ہوں کہ میں اس سفر سے زندہ نہ نکل سکونگا۔ بوعلی سینا کہتا ہے کہ اس کے چار دن کے بعد راستہ میں ایک ایسی ہوا چلی اور اس قدر گرد و غبار اٹھا کہ ہم لوگوں نے رستہ گم کر دیا، اور اس گرد و غبار کی وجہ سے رستے کے سارے نشانات (پگڈنڈی) چھپ گئے۔ اس گرم ریگستان میں سخت پیاس اور تشنگی کی وجہ سے بوسہل مسیحی مرگیا، اور میں بدقت ہزار خدا کو زندہ رکھنا مقصود تھا اس لیے طوس پہنچ سکا۔ یہاں جب پہنچا تو معلوم ہوا اور ہر بونگ مچی کہ سلطان محمود نے اس کو گرفتار کر کے روانہ کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے نہایت پریشان ایک گوشہ میں اتر پڑا، اور چند دن ٹھہر کر جرجان کی طرف روانہ ہوا، کیونکہ یہاں کا حاکم قابوس[1] تھا۔ جو فاضل دوست اور نہایت نیک آدمی تھا، اور اسے یہاں پناہ ملنے کی توقع تھی۔

---

[1] شمس المعالی قابوس بن وشمگیر آل زیار کا چوتھا حکمران تھا، ۳۶۶ھ میں جرجان میں تخت نشین ہوا عقل و فہم اور تدبیر و سیاست میں بے نظیر زمانہ تھا۔ متقی اور پرہیزگار مگر اس کے ساتھ ساتھ سخت گیر بھی تھا۔

جرجان پہنچکر ایک سرا میں اقامت اختیار کی، اور اپنے چند
پڑوسیوں کا علاج کیا، جس سے بہت جلد شہرت ہوگئی، قابوس کے اقربا میں
سے ایک شخص بہت دنوں سے بیمار تھا، اور اطبا، اس کے معالجہ سے
عاجز آچکے تھے اور صحت کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، جس کی وجہ سے
قابوس بے حد دل گیر رہا کرتا تھا۔ قابوس کے کسی خادم نے اُس سے
عرض کی کہ جہاں پناہ! فلاں سرا میں ایک طبیب آکر ٹھہرا ہوا ہے، بہت ہی
حاذق اور دست شفا رکھتا ہے۔ قابوس نے حکم دیا کہ اچھا اُسے طلب کر کے
بیمار کے پاس لے جاؤ اور علاج کراؤ۔ چنانچہ بوعلی سینا کو طلب کیا گیا اور
بیمار کو دکھلایا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان، اور متناسب الاعضا
شخص ہے۔ لیکن بیماری کی وجہ سے اس کی حالت بہت متغیر ہے۔ اس
کی نبض دیکھی، اور قارورہ منگایا، اس کے بعد کہا کہ مجھے ایک ایسے شخص
کی ضرورت ہے، جو جرجان کے تمام محلوں کے ناموں سے واقف ہو۔
چنانچہ ایک ایسا شخص حاضر کیا گیا۔ بوعلی نے بیمار کی نبض پر ہاتھ رکھ کر
اس شخص سے کہا کہ اچھا سارے محلوں کے نام کہتا جا۔ چنانچہ وہ نام
کہتا جاتا تھا یہاں تک کہ اس نے ایک ایسے محلہ کا نام لیا کہ جس کو سنکر
بیمار کی نبض میں ایک خاص حرکت پیدا ہوئی۔ محلوں کے نام سننے کے
بعد بوعلی سینا نے کہا کہ اچھا اب محلوں کی گلیوں کے نام کہہ۔ پھر بیمار کی نبض
ایک گلی کے نام پر اسی طرح حرکت کرنے لگی جس طرح کہ محلہ کا نام سن کر اس
ایک خاص حرکت کی تھی۔ اس کے بعد ابن سینا نے کہا کہ مجھے اب ایک اور ایسے
آدمی کی ضرورت ہے، جو اِن گلیوں کے مکانوں سے واقف ہو۔ چنانچہ
دوسرا اس قسم کا آدمی حاضر کیا گیا۔ اس نے بھی مکانوں کے نام گنانے شروع

گئے۔ ایک مکان کا نام سن کر بیمار کی نبض میں پھر وہی سابقہ حرکت پیدا
ہوئی۔ اس کے بعد بو علی سینا نے کہا مجھے اب ایسا شخص چاہیے جو شہر کے
مکانوں میں رہنے والوں کے تمام ناموں سے واقف ہو چنانچہ ایسا شخص
حاضر کیا گیا اور اس نے نام کہنے شروع کیے۔ ایک ایسے نام پر پہنچ کر بیمار
کی نبض میں پھر وہی حرکت پیدا ہوئی جو دو تین مرتبہ اس سے قبل ہو چکی
تھی۔ اس کے بعد بو علی سینا نے قابوس کے متعلقین سے کہا کہ یہ نوجوان بیمار
فلاں محلے کی فلاں گلی میں فلاں مکان کی رہنے والی فلاں نام کی لڑکی پر فریفتہ
ہے۔ اس کی دوا اس لڑکی کا وصال اور اس کا علاج اس کا دیدار ہے۔
بیمار کان لگائے بو علی کی یہ باتیں سنتا رہا جوں ہی کہ یہ قصہ سنا فوراً شرم کے
منہ پر چادر اوڑھ لی۔ جب تحقیق کی گئی تو حقیقت یہی نکلی۔ جب یہ قصہ
قابوس کے سامنے بیان کیا گیا تو وہ بے حد متعجب ہوا اور کہا کہ ذرا اس
طبیب کو میرے دربار میں حاضر کرو۔ چنانچہ بو علی سینا قابوس کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ قابوس کے پاس سلطان محمود کی بھیجی ہوئی بو علی سینا کی ایک تصویر رکھی
وہ اس کو دیکھتے ہی پہچان گیا۔ جب دربار میں آیا تو فوراً اس سے مخاطب ہوا
کہ کیا تم ہی بو علی ہو؟ تو اس نے کہا کہ ہاں! قابوس تخت سے اتر پڑا اور
چند قدم چل کر اس کا استقبال کیا۔ اور تخت کے قریب جگہ دی اور اس سے
کہا کہ تم نے میرے عزیز کا جو علاج کیا ہے ذرا اس کی پوری تفصیل مجھے سناؤ
تو بو علی نے جواب دیا کہ جب میں نے مریض کا قارورہ اور نبض دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا
تھا کہ یہ شخص مرض عشق میں مبتلا ہے۔ میں نے اس نتیجہ پر پہنچنے کے بعد غور کیا کہ
اگر اس سے پوچھا کہ تم کسی پر عاشق ہو تو وہ شرم کے مارے ہرگز سچ نہ کہتا۔
اس لیے میں نے یہ ترکیب کی اور خود بخود اس کی عاشقی کے راز سے واقف

ہو گیا، کہ اس کو انکار کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے، اس لیے اُس نے اقرار بھی کرلیا۔ قابوس اس دانائی سے بیحد متحیر ہوا، اور کہنے لگا کہ " اے فاضلِ روزگار، عاشق و معشوق دونوں میرے بھانجا اور بھانجی ہیں، میں تمہاری رائے کے موافق ان کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اس طریقے سے بیچارے نوجوان مریض کی جان بچ گئی۔ اس کے بعد بوعلی سینا چند دن یہاں ٹھہر کر " رے " میں علاؤ الدولہ کی خدمت میں پہنچا، اور اس کی وزارت پر مامور کیا گیا۔[1]

بوعلی سینا کے تفصیلی حالات سے ہم گریز کرتے ہیں، کیونکہ وہ بہت مشہور ہیں اور ایک علیحدہ کتاب کی صورت چاہتے ہیں۔ اس کی تصنیفات سے سینکڑوں کتابیں ہیں۔[2] اس کے بہت سے شاگرد تھے، ان میں سے " ایلاقی " نے

---

[1] چہار مقالہ ص ۱۰۲ مطبوعہ لاہور۔

[2] ابن سینا کی حسب ذیل کتابیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔ [1] الادویہ القلبیہ (قلمی)، [2] الارجوزۃ السینائیہ منظوم (مطبوعہ کلکتہ) [3] رسالہ سکنجبین (قلمی) [4] مجموعہ بست و ہشت رسائل شیخ الرئیس۔ [5] رسالہ الفصد (مطبوعہ)۔ [6] رسالہ تدارک الخطاء [7] رسالۃ البتدیہ، [8] قانون۔ [9] تقاسیم الحکمۃ۔ [10] رسالہ فی معرفۃ النبض والنفس، معروف بہ فصول شیخ، [11] رسالہ فی العلاج الحمی شطر الغب، [12] رسالہ در جواب مسائل طبیہ۔ [13] رسالہ فی القولنج، [14] رسالہ فی الحفظ الصحت۔ [15] رسالہ تعبیر الرویہ (مطبوعہ) [16] رسالہ فی علم الکیمیار (قلمی)

شیخ الرئیس کی اُن کتابوں کی ہم تفصیل لکھتے ہیں جو یورپ میں چھپی ہیں:—

۱۴۷۳ء میں قانون کے حصہ " غسل " کو داراکو نے " نامپ " میں چھاپا تھا۔ اور اس کی جلد پنجم " Antidotarium. " کے نام سے بمقام پادولی ۱۴۷۶ء میں شایع ہوئی۔

مکمل قانون ۱۴۸۳ء میں بمقام وینس میں شایع ہوا۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

بہت شہرت حاصل کی تھی۔

ابن سینا کے شاگرد ایلاقی کی ایک قلمی کتاب

اس شخص کا نام سید ابو عبداللہ محمد بن یوسف شرف الدین تھا۔ طب اور علوم حکمیہ میں مہارت تامہ حاصل کی تھی۔ اس نے سینا کی کتاب قانون کی "مختصر" لکھی۔ ہم نے اس کی یہ تالیف دیکھی ہے۔ جو ۵۸۱ھ کی مکتوبہ ہے اس کے خاتمہ پر لکھا ہے "تم الاختصار من الجزء الکلی من القانون فی التصنیف الاول من شہر ربیع الآخر الذی من شہور سنہ ثمانی عشرہ وسبعمائۃ وہذا المختصر للفاضل الایلاقی وہو اجل تلامذہ الرئیس بن سینا"۔

سلطان محمود غزنوی نے سب سے پہلے مسلمانوں میں فوجی شفاخانہ کی بنیاد ڈالی۔ اس نے گو ساری عمر فتوحات میں گزاری لیکن رفاہِ عام کے کاموں سے اسکو بھی کمال شغف تھا۔ جب ابوریحان بیرونی جیسے بہت سے افاضل روزگار دا طباء جمع تھے تو ظاہر ہے کہ اس کے عہد میں طبی سررشتہ کو کتنی رونق نہوئی ہوگی۔ فی الحال ہم اس کے زمانہ کے طبی کارناموں کی کوئی تفصیل پیش نہیں کر سکتے۔

اس کے جانشینوں نے بھی برابر اس اہم ضرورت کی طرف توجہ کی۔ ابوالخیر خمار جس کے دربار غزنی میں آنے کا ذکر آگے لکھا جا چکا ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ سلطان ابراہیم غزنوی بھی اسکی وہی زبردست آوبھگت کیا کرتا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مکمل قانون ۱۴۷۳ء میں بمقام پادوی چھپا۔ اور بعد ۱۵۲۰ء میں بمقام وینس دوبارہ شایع ہوا۔ سہ بارہ یہ کتاب ۱۵۲۲ء میں بمقام وینس پھر پانچ جلدوں میں مع تشریحات چھاپی گئی۔ ۱۵۲۳ء میں اس کا ایک ملخص یعقوب مینٹینو نے لاطینی میں وینس ہی میں چھپوایا جس کا نام اس نے "طریقہ علاج" رکھا تھا۔ ۱۵۳۳ء میں قانون کی بعض تشریحات کو مشہور فلسفی اور طبیب برونیلینوس نے ترتیب دیکر چھپوایا تھا۔ ۱۵۴۳ء میں یہ کتاب پھر وینس میں اور ۱۵۵۳ء میں بازل میں چھپی۔ ۱۵۹۳ء میں روما میں اسکا ایک خاص ایڈیشن عربی میں پہلی دفعہ چھپا تھا اور بقیہ نسخے سب لاطینی میں تھے۔ یہ آخری ایڈیشن نہایت خوشخط اور مصور تھا اور اس میں طبی تشریحات سے متعلق نہایت ہی عمدہ تصویریں بھی تھیں۔ سادہ نسخہ نقش و نگار سے آراستہ تھا۔ ۱۵۹۵ء میں ایک اور ایڈیشن نکلا۔ (ماخوذ از اورینٹل کالج میگزین لاہور فروری [illegible])

یہ ابوالخیر ابتداءً نصرانی تھا، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ ربیع الاول ۳۳۶ھ میں پیدا ہوا تھا۔ ابن سینا اس کے متعلق ایک جگہ لکھتا ہے کہ ابوالخیر اپنے مرتبہ اور شان میں ایسا برتر ہے کہ اطباء زمانہ کے ساتھ اس کا شمار کرنا اس کی کسر شان ہے اور مجھ کو تو آرزو ہے کہ خدا اس سے میری ملاقات کرائے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب بوعلی سینا ابوالعباس خوارزم شاہ کے پاس ابھی ابھی پہنچا تھا، اس کے بعد ابوالخیر بھی یہاں بلا یا گیا۔ ابوالخیر کی ساری عمر شاہانِ غزنویہ کے دربار میں گزری ایک دفعہ سلطان ابراہیم کی طلب پر دربار میں جارہا تھا، شاہی گھوڑا جو اس کے لئے آیا تھا، اس پر سوار تھا، رستہ میں کفشگروں کے بازار سے جب گزرنے لگا، تو ایک اونٹ بجا یک اس کے گھوڑے کے سامنے بڑی تیزی سے آیا، جس کو دیکھکر گھوڑا بدکا اور ابوالخیر اس زور سے گھوڑے سے گرا کہ فوراً مرگیا۔

سلجوقیہ دور میں طب کا اعجاز

۴۲۹ھ میں ایک اور خاندان سلجوقیہ کے نام سے برسر اقتدار آیا، جس نے خراسان پر حکمرانی کی۔ اس خاندان نے بھی اپنے معاصر اسلامی سلطنتوں کی طرح علم و فضل کی سرپرستی کی۔ ضروریات کے لحاظ سے انہیں بھی طبی شعبہ کی طرف توجہ کرنی پڑی ان لوگوں کے بھی دربار میں بڑے بڑے باکمال اطباء جمع تھے۔

ابوالحارث سلطان معزالدین سنجر بن ملک شاہ کے عہد میں بہت سے افاضل جمع ہو گئے تھے۔ حکیم انوری بھی اسی کے عہد میں تھا، جو شاعر ہونے کے علاوہ طب میں بھی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس بادشاہ کے دربار کا طبیب ہبتہ اللہ بن ابوالمظفر بن محمد بن اردشیر بن کیقباد تھا۔ اس حکیم کو تقرب شاہی کا شرف حاصل تھا۔ اس نے بادشاہ کے حکم سے "لذت النساء" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ اس نے

چارسو موجودہ کتابوں کے مطالعہ کے بعد اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ اسی میں حکماء کے اقوال کے سلسلہ میں ایک ہندی طبیب کا نام "شطہ ہندی" لکھا ہے یہ کتاب بھی راقم کی نظر سے گذری جو بہت قدیم معلوم ہوتی ہے۔ بعض نسخے اور ترکیبیں ایسی ہیں کہ حیرت چھا جاتی ہے۔ سلجوقیوں کے پاس بھی باضابطہ شفاخانے اور اطبار موجود تھے۔ انہوں نے بھی اس شعبہ کو کافی ترقی دی تھی۔ چنانچہ ان کے فوجی شفاخانے کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اس قدر بڑا تھا کہ دو سو اونٹوں پر اس کو لاد کر لے جاتے تھے۔

سکتہ کا ایک حیرت انگیز علاج

مصنف چار مقالہ نے لکھا ہے کہ سنجر کے دربار شاہی میں ایک اور طبیب تھا، جس کا نام ادیب اسماعیل تھا۔ یہ طبیب بڑا زبردست فیلسوف اور یگانۂ روزگار تھا اور "ہرات" میں رہا کرتا تھا اس کے متعلق یہ عجیب حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک مرتبہ قصابوں کے محلے سے گذر رہا تھا ایک قصّاب کو دیکھا کہ وہ بکرے کو چھیل رہا ہے۔ اور چھیلتے چھیلتے بکرے کے پیٹ میں ہاتھ ڈال کر گرم گرم چربی کھاتا جا رہا ہے۔ خواجہ اسمٰعیل نے جب اس کی یہ حالت دیکھی، تو ایک بقال سے جو اس کے روبرو ہی دکان پر بیٹھا ہوا تھا، اس سے کہا کہ اگر کسی وقت یہ قصاب مرجائے، تو اس کو دفن کرنے سے پہلے ضرور تم مجھے خبر کرنا۔ حکیم نے اس سے یہ کہہ کر اپنی راہ کاٹی۔ پانچ چھ مہینے کے بعد ایک روز یہ خبر پھیلی کہ رات فلاں قصاب بغیر کسی بیماری اور سبب کے یکایک مرگیا، جب اس بقال کو معلوم ہوا تو وہ بھی اس کی تعزیت کیلئے پہنچا لیکن اس وقت تک اُسے طبیب کی وہ نصیحت یاد نہ آئی لوگوں کو دیکھا کہ رنج و غم میں مبتلا ہیں اور آپس میں تذکرہ کر رہے ہیں کہ کیا ہی افسوس ہے جوان مرگیا۔ ابھی تو اس بیچارے کے بہت چھوٹے چھوٹے

بچے ہیں۔ یہاں پہنچنے کے بہت دیر بعد اس بقال کو اس طبیب کا قصہ یاد آیا۔ وہ یہاں سے فوراً دوڑا اور اس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ یہ سنتے ہی خواجہ اسمٰعیل نے فوراً اپنا عصا سنبھالا۔ اور اس مقام پر پہنچا۔ مُردہ کے سَر سے چادر ہٹائی اور اس کی نبض دیکھی، اس کے بعد ایک شخص سے کہا کہ اس کی پیٹھ اور پیر پر عصا سے مارتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ مار دھاڑ موقوف کرا دی۔ اس کے بعد مردہ کے لیے سکتہ کا علاج کیا۔ اس طرح تین دن تک علاج کرتا رہا۔ تیسرے دن مردہ زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اگرچہ مفلوج ہو گیا تھا، لیکن بعد میں کئی برس تک زندہ رہا۔ لوگوں کو طبیب کی اس حذاقت و دانائی پر بہت بڑا تعجب ہوا۔ اور حکیم کی اس پیش بینی پر انتہائی حیرت ہوئی کہ اس نے اس کو جیربی کھاتے ہوئے دیکھ کر سکتہ کے مرض کا اندازہ لگا لیا تھا۔

ذخیرۂ خوارزم شاہی ایک اور سلطنت خوارزم شاہیہ قابلِ ذکر ہے جس کا نام آج تک بھی دُنیا سے طب میں زندہ چلا آتا ہے۔ یہ خاندان ۹۰ھ میں وجود میں آیا۔ یہ زمانہ کچھ ایسا تھا کہ بڑے بڑے باکمال اس دور میں اُٹھے، اور ہر سلطنت میں کچھ نہ کچھ جمع تھے۔ سلطان علاؤالدین محمدؒ خوارزم شاہ کے دربار میں بھی بہت سے فاضل جمع تھے۔ جن میں خاقانی، شروانی، امام فخرالدین رازی (جو علاؤالدین کے لڑکے سلطان محمد کو پڑھایا کرتے تھے) سید شریف شرف الدین اسماعیل بن حسین الحسینی جرجانی بھی تھے۔ یہ مسلمانوں کے مایۂ ناز اطبا سے گزرے ہیں۔ دربار شاہی میں بہت بڑی عزت رکھتے تھے، ہزار روپیہ ماہوار مقرر تھی، "ذخیرۂ خوارزم شاہی" ان ہی کی لکھی ہوئی کتاب ہے جو اطبا میں بہت

ؔ چہار مقالہ صفحہ ۱۰۱

ہی موثق کتاب سمجھی جاتی ہے ۔ اور جس کی وجہ سے آج تک عام لوگوں میں بھی اس خاندان کا نام اس کتاب کی وجہ سے زندہ رہتا چلا آیا ہے۔ انہوں نے "ذخیرہ" کے سوا، کتاب الاغراض دو جلدوں میں" کتاب یادگار" اور خفی علائی دو دو جلدوں میں لکھی ہے

حفظانِ صحت کے موجودہ اصول کی ایک قدیم کتاب

خفی علائی ہم نے دیکھی ہے۔ اس کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے ان سے کہا کہ "ذخیرہ" بہت بڑی کتاب ہے" اس کے سوا، آپ ایک اور ایسی کتاب لکھئے جو جامع و مانع ہو" اور سفر و حضر میں کام آسکے۔ "خفی علائی" کو انہوں نے بڑی جدت اور عمدگی کے ساتھ لکھا ہے۔ پہلے فن طب کی دو شاخیں قرار دی ہیں۔ ایک علمی اور دوسری عملی۔ ان ہر دو پر ساری کتاب کا دار مدار ہے ایک مقالہ تدبیر حفظ صحت میں اور دوسرا تقدمۃ المعرفہ یعنی بیمار پر جو علامات و حالات رونما ہوتے ہیں۔ ان سے مرض کا اندازہ لگانے" اور بیماری کی شدت سے امیدی و ناامیدی کے حالات پر غور کرنے کے بیان میں ہے۔ ہم اس کے چند خاص ابواب یہاں لکھتے ہیں۔ جو موجودہ زمانہ کے عین حفظانِ صحت کے مطابق ہیں، جن کی اہمیت کو سینکڑوں برس پہلے مسلمان جان چکے تھے۔

(۱) تدبیر فصلہا و سالہا۔ (۲) تدبیر ہوا و اصلاح آں۔ (۳) تدبیر شہر و مسکن (۴) تدبیر جامہ پوشیدن (۵) تدبیر غذا (۶) تدبیر آب (۷) تدبیر شراب (۸) تدبیر خواب و بیداری (۹) تدبیر حرکت و سکون۔ (۱۰) تدبیر اعراض نفسانی۔

ہم نے اس کتاب کا جو قلمی نسخہ دیکھا ہے وہ ۹۹۰ھ کا مکتوبہ ہے جس کا کاغذ نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا ہے۔ خط ولائتی ہے اور نستعلیق ہے۔

ساری کتاب طلائی جدولوں سے مُطلّا و مُذہب ہے۔ اس کے کل (۲۶۷) صفحے ہیں کاتب نے تاریخ کتابت ۱۴ ربیع الآخر جمعہ ۹۹ھ لکھی ہے۔ اور اپنا نام عبداللہ بستی مشہدی لکھا ہے۔ شروع کتاب پر دو مہریں ہیں۔ جس کی ایک مُہر میں "مسیح نذار دغیر خدا بقا" لکھا ہے اور اس کے نیچے ۱۱۱۷ھ ہے۔ اور دوسری مُہر حکیم وجیہ الدین حسین (۱۲۳۱ھ) کی ہے۔ اور دوسرے صفحہ میں شروع کتاب پر حسام اللہ خاں بہادر (۱۱۶۶ھ) کی بھی مہر ہے۔

یہ کتاب مطبع صدیقی واقع محلہ خواجہ قطب صاحب بریلی میں ۱۲۸۴ھ میں چھپی بھی ہے۔ اس مطبوعہ نسخے کے (۲۰۴) صفحے ہیں۔ اس کا سنہ اختتامِ طبع "انما الخیر وشفاء" سے نکلتا ہے۔

اندلس میں طب[۱۲] مسلمانوں کی فتوحات کا سیلابِ عظیم ساری دنیا میں برابر پھیلتا جا رہا تھا۔ یہ نشۂ وحدت میں چور چور ہونے جا رہے تھے اعلائے کلمۃ الحق میں ان کے آگے دنیا اور دنیا کی سلطنتوں کی کوئی وقعت نہ تھی، اپنی تبلیغ کی خاطر انہوں نے ممالک فتح کیے اس کے بعد وہاں انہیں حکومتیں بھی قائم کرنی پڑیں اور ان کے انتظام و نظم و نسق کی طرف بھی متوجہ ہونا پڑا، ادھر ان کی فتوحات مغرب کے آخری گوشۂ اندلس تک پہنچ چکی تھیں۔ مورخین نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں اندلس مسلمانوں کا ایک بے مثل مقام تھا۔ اس کو خلیفہ "الحکم" نے انتہائی کوشش سے عروج پر پہنچانے کی کوشش کی تھی یہ بادشاہ بڑا ہی زبردست اور علم دوست تھا۔ اس نے بہت بڑا کتب خانہ قائم کیا تھا۔ اسلامی ممالک اور دوسرے مقامات سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کتابیں فراہم کی جاتی تھیں۔ اس سلطان کی علم پروری کا یہ حال تھا کہ جو کتابیں شام اور فارس میں تدوین پاتی تھیں وہ اپنے ہی ملکوں میں

نشر پانے سے قبل اندلس پہنچ جاتی تھیں اور یہاں ان پر درس بھی شروع ہو جاتا تھا۔ دمشق اور بغداد وغیرہ میں اس کام کے لیے بادشاہ کی جانب سے نمائندے مقرر تھے، جو کتابوں کو بڑی بڑی قیمتیں دے کر خریدتے اور اندلس بھیجا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس بہت بڑا علمی مرکز بن گیا جہاں سے بڑے بڑے باکمال اُٹھے۔ یہاں کے شاہی کتب خانہ میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں موجود تھیں۔ چنانچہ ان کی اس علم دوستی کا حال ایک کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔ جس کو شاہ قسطنطنیہ نے خلیفہ عبدالرحمٰن کی خدمت میں ۳۴۹ھ میں تحفۃً بھیجا تھا۔ یہ "دیسقوریدس" کی اصل کتاب کا نسخہ تھا، جو بہت ہی خوبصورت اور مصور تھا، جس میں نباتات کی تصویریں اس قدر کمال سے بنائی گئی تھیں۔ جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی تھی خلیفہ نے قسطنطنیہ سے اس کتاب کے ترجمہ کے لیے ایک مترجم کو بلا بھیجا۔ چنانچہ نکلس نامی مترجم خلیفہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، یہاں کے بعض علماء کی مدد سے اس کا ترجمہ کیا، اور قدیم عربی نسخہ کے نقائص دور کیے، اور خود تجربۃً ہر پودے کی کامیابانہ شناخت کی[1]۔

بالآخر اندلس کی اس علمی بہار پر نظر لگی اور اس کے بعد جب اس کا بیٹا "ہشام" سریر آرائے حکومت ہوا تو منصور حاجب کے عرض کرنے پر کہ فلاسفہ بے دین ہوتے ہیں ساری فلسفیانہ کتابیں قرطبہ کے میدانوں میں جلوادیں اور جو بچ رہیں ان کو سستے داموں میں مختلف ممالک میں فروخت کروا دیا۔ اور خود فلاسفہ مورد عتاب بنائے گئے نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ فلسفہ کا ہر طالب علم اپنی کتابوں کو چھپاتا

[1] اورنٹیل کالج میگزین۔ لاہور۔ اگست ۱۹۳۳ء ص ۱۲۔

پھرتا تھا، اور اپنے احباب سے بھی تذکرہ کرتے ہوئے ڈرتا تھا، اس کے بعد دو صدی تک اندلس کا بازارِ علم سرد رہا۔

اس علمی چہل پہل کے زمانہ میں مسلمانوں میں وہ مایۂ ناز شخص پیدا ہوتا ہے، جس کی کتابوں پر سارا یورپ اپنی جراحی کے کمال کی بنیاد رکھتا ہے۔ یہ شخص ابوالقاسم زہراوی تھا۔ اس کے باپ کا نام عباس زہراوی تھا۔ یہ ۳۲۵ھ یا ۹۳۶ء میں مدینۃ الزہرا میں پیدا ہوا۔ اس شہر کو عبدالرحمٰن ثالث نے اپنی محبوبہ "زہریٰ" کے نام پر بسایا تھا، جو قرطبہ کے مضافات سے تھا۔ ابوالقاسم خلیفہ عبدالرحمٰن کا طبیب شاہی تھا۔ اس کے فضل و کمال سے ایک عرصہ تک دُنیا ناواقف رہی۔ جب مغربی مصنفین نے اس کی تصنیفات پر تحقیقات شروع کی، اور اس کو اپنا ماخذ بنایا، تو اس وقت ساری دنیا کو اس کے فضل و کمال کا علم ہوا۔ یہ شخص بہت بڑا باکمال طبیب اور اس سے زیادہ بہترین جرّاح بھی تھا۔

مسلمانوں پر یہ جو الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ طبیب تو ہوتے تھے لیکن جراحی میں انہیں کچھ بھی دسترس نہ تھی، اس قسم کا الزام لگانے والے محض ناواقف ہوا کرتے ہیں۔ موجودہ حالات تو درحقیقت ہمارے اسلاف کے ناموں کو برباد کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ مسلمانوں نے تو یونانی طب کے ساتھ ساتھ فن تشریح و جراحی کو بھی کمال عروج پر پہنچا دیا تھا۔ آج صرف ابوالقاسم زہراوی کی کتاب ہی دشمنوں کے منہ کو بند کرنے کے لیے کافی ہے۔

ابوالقاسم زہراوی کی وہ معرکۃ الآراء کتاب جو یورپ کی موجودہ سرجری کی ماخذ ہے

اس کی سب سے بڑی کتاب "التصریف" ہے جو طب اور جراحی کی انسائیکلوپیڈیا

ؔ مقالہ تحفظ علوم قدیمہ سید ہاشم صاحب ندوی ص ۲۸

سمجھی جاتی ہے۔ ہم لوگوں کو یہ سُنکر تعجب ہوگا کہ اس کتاب میں فن قبالت (مڈوائفری) پر بھی سیر حاصل مباحث لکھے ہیں۔ اور آلات جراحی سے کام لینا بھی سکھایا ہے۔ اس کتاب میں اُن آلات کی بھی تصویریں ہیں، جن سے مرے ہوئے بچے کو نکالا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس فن میں بہت سے تجربات حاصل تھے۔ چنانچہ اس نے "اخراجِ جنینِ میت" کے حال میں اپنے ایک ذاتی تجربہ کو بھی لکھا ہے۔ اس کتاب میں صرف یہی نہیں، بلکہ قسم قسم کے نشتر، قینچیاں، پیشاب کی سلائیاں، پیٹ سے پانی مثانہ سے پتھری نکالنے کے آلات کی بھی تصویریں موجود ہیں۔ اعضائے شریفہ کے آپریشن کے لیے لطیف ونازک آلات بھی وضع کیے گئے تھے۔ ان کی بھی تصویریں کتاب میں موجود ہیں، ٹوٹی ہڈیوں کے بٹھلانے اور ان کی بندش کے طریقے بھی نہایت عمدہ اسلوب و پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں اور ان کی تصویریں بھی درج ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ آج سے کئی صدی پہلے ہی، مسلمانوں کا فن جراحی کس درجہ کمال پر پہنچ چکا تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ایک چیز جب ایجاد ہو جاتی ہے تو بعد میں آنے والے اقتضائے وقت کے لحاظ سے اس میں نزاکتیں و سہولتیں پیدا کرنے کی کوشش کرتے چلے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ٹھیک ٹھیک ضرورت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے موجد کی عظمت و عزت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی ہستی اور قابلِ احترام ہو جاتی ہے اسی طرح مسلمانوں نے جراحی کے سارے اوزار و آلات بنائے تھے، جو تقریباً آج طب مغربی میں ترقی یافتہ اور کچھ بدلی ہوئی شکل میں ہیں

نظر آ رہے ہیں۔ دُنیا کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ "مقالات[1] زہراوی" ہی یورپ کی سرجری کا واحد ماخذ ہے۔ جس پر آج اس کو ناز ہے لیکن افسوس ہے کہ اس نے اپنے معلّم حقیقی کے ایجادی کارناموں کو پس پشت ڈال کر اپنی شیخی بگھارنے کی کوشش کی ہے۔ مسلمانوں کے اس عظیم الشان کارنامہ کو دُنیا کا زبردست ہاتھ آج تک نہ مٹا سکا۔ اس کتاب میں امراض کا داغ کے ذریعے علاج کرنے کے بھی طریقے لکھے ہیں جو عربوں میں پہلے ہی سے بہت مقبول تھا۔ اسی معالجہ کی یادگار آج تک یہ مقولہ

---

[1] شروع تیرہویں صدی عیسوی میں یہ کتاب لاطینی زبان میں ترجمہ کی گئی۔ اور حسب ذیل مقامات پر اس کے مکمل نسخے موجود تھے۔ فلورنس (۲۵) پلوٹارک (۷۳) بیمبرک رومن (۱۵ و ۳۵) ماتی پلیرا (۱) بولڈین لائبریری (۱) اس لاطینی نسخہ کے علاوہ اس کتب خانہ میں اس کا ایک عبرانی ترجمہ بھی موجود تھا۔ مقالات زہراوی درحقیقت "التصریف" کے دوسرے حصے کا نام ہے۔ اور اس کتاب کا یہ دوسرا حصہ ہی صرف آج تک چھپا ہے۔ یہ حصہ سب سے پہلے لاطینی میں سنہ ۱۴۹۷ء میں بمقام وینس چھپا اور سنہ ۱۵۰۰ء میں وینیلیس میں دوبارہ طبع ہوا۔ سنہ ۱۵۳۲ء میں استراسبرگ اور سنہ ۱۵۴۱ء میں شاٹ اور بیسل میں چھپا۔ اس ایڈیشن میں رولینڈ راجر کانسٹینٹین اور گیرس کے حواشی بھی موجود ہیں۔ جان کیننگ نے پھر ۱۷۷۸ء میں آکسفورڈ میں اسے چھپوایا۔ اس نسخہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں اس نے التصریف کا عربی متن بھی لاطینی ترجمہ کے ساتھ برقرار رکھا۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ برٹش میوزیم اور ایک بولڈین لائبریری میں موجود ہے کیننگ کا ایڈیشن نایاب ہے۔ سنہ ۱۸۶۱ء میں اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ چھپا تھا۔ لوسین لکلرک نے سنہ ۱۸۶۱ء میں اسے فرانسیسی میں شایع کیا۔ ہندوستان میں صدیوں بعد بجائے خواجہ قطب الدین صاحب باقی نامی پریس لکھنؤ کو اس کے چھپوانے کا خیال ہوا تو انہوں نے مولانا شبلی نعمانی سے جان کیننگ کا چھاپا ہوا نسخہ لے کر ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء میں اسے چھپوایا چونکہ اس کتاب میں بہت سے لغات تھے جو سمجھ میں نہ آ سکتے تھے۔ اس لیے موصوف نے اس کی ایک علٰحدہ ڈکشنری بھی مرتب کر کے "لغات قطبیہ" کے نام سے اردو زبان میں شایع کی۔
(ماخوذ از رہنمائے صحت لکھنؤ)

"آخر الدواء الکی" ضرب المثل چلا آتا ہے۔ چنانچہ ان عربوں نے اس طریقہ سے فریڈرک شاہ سسلی کا علاج کیا تھا جس کے معالجہ سے سارے اطباء عاجز آ چکے تھے تو اطباء عرب کو طلب کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس موقع کی تصویر پوپ کے پاس محل میں ایک مرقع میں موجود ہے۔ اس کا اقتباس مشہور فرانسیسی پروفیسر ریونیو نے حاصل کیا تھا۔ چنانچہ یہ تصویر عام طور پر شائع ہوئی تھی جس میں مسلمان اطباء کو شاہ مذکور کا علاج کرتے ہوئے دکھلایا گیا ہے۔

ایک مسلمان جراح کا عجیب فنی کمال

علامہ ابن خلکان نے ایک ایرانی طبیب کی جراحی کے کمال سے متعلق ایک قصہ یہ لکھا ہے کہ حکیم علاء الدین ایرانی نے ایک گنجے کو بیہوش کر کے اس کے سر کی کھال اتاری تھی اور اسکی جگہ بکرے کی کھال لگا کر ٹانکے دیے تھے جسکے بعد کھال پیوستہ ہو کر وہ اچھا ہو گیا تھا اور چند ہی روز میں اس کے سر پر بال آ گئے تھے۔

عرب سرجری کی تعریف ایک مغربی فاضل کی زبان سے

ایک مغربی فاضل مسٹر ایچ ڈبلیو ہسٹن نے عرب میڈیسن اینڈ سرجری کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے انہوں نے اپنی ایک حالیہ تحقیق کے ذریعہ دنیا کو ایک عجیب غریب چیز سے آگاہ کیا ہے جس سے آج صدیوں کے پرانے تجربے [illegible] جراحی کی حرف بحرف تصدیق ہو جاتی ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں سنہ ۱۹۱۲ء میں اپنی بیوی کے ساتھ افریقہ کے شمالی حصہ میں جو فرانس کے مقبوضات سے ہے تفریحاً گیا ہوا تھا اور میرا اس سیاحت سے یہ مقصد تھا کہ میں بصرہ کے شمال مشرق پہاڑی علاقہ میں جو صحرائے افریقہ کے کنارے ہے اور جو Auris. کے نام سے موسوم ہے یہاں کی قدیم قوموں سے متعلق کچھ تحقیقات کروں۔ اور اس کے بعد ان کے حالات قلمبند کروں۔ چنانچہ

جب وہ یہاں پہنچے تو انہیں ایک قوم دکھائی دی جس کا نام شئویہ Shaucioe. تھا جس کی طرزِ زندگی اور معاشرت بالکل عربوں کی سی تھی۔ ان میں چند عرب ایسے دکھائی دیے جو سر کی ہڈیوں کا نہایت کامیابی کے ساتھ علاج کرتے تھے۔ چونکہ فرانسیسی حکومت کی جانب سے یہاں جراحی کی ممانعت کردی گئی تھی اس لیے یہ لوگ چھپ چھپ کر علاج کیا کرتے تھے۔ فاضل موصوف نے تین سال تک متواتر اس علاقہ کی سیاحت کی۔ اور انہوں نے اپنے تیسرے سفر ۱۹۱۴ء میں ان عربوں کے تقریباً پچاس آلات جراحی اور جڑی بوٹیوں سے واقفیت پیدا کرلی اور ان پر نوٹس لکھ کر ۱۹۱۹ء میں رائل سوسائٹی آف میڈیسن کے سامنے پیش کیا ۱۹۲۳ء میں چوتھی مرتبہ جب سفر کیا تو اور پچاس آلات کا سُراغ لگا کر ان کے حالات لکھے۔ ان عربوں کے آپریشنوں اور جراحی کے حالات لکھتے ہوئے فاضل موصوف نے نہایت تعجب وحیرت کا اظہار کیا ہے کہ یورپ اس قدر ترقی یافتہ ہونے کے باوجود آج تک کاسۂ سر کی اسطح قطع وبرید پر کامیابی کے ساتھ قادر نہ ہوسکا جس کا کہ وہ صحرا نشین عربوں میں عملی طور پر معائنہ کر آئے تھے۔[1]

ہسپانیہ کے مسلمان اطباء میں ابو مروان عبدالملک (۱۱۱۳ء - ۱۱۶۲ء) بھی ایک مشہور حکیم گزرا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کتاب "التیسیر" ہے جس کا لاطینی زبان میں بھی ترجمہ ہوا تھا اور جو شایع بھی ہوئی۔ اس کی دوسری کتابیں بھی لاطینی میں ترجمہ کی گئیں۔ اس کی کتابوں سے بھی یورپ نے بہت بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی کتابوں میں طب کے عملی پہلو پہ زیادہ زور دیا ہے۔[2]

---

[1] رسالہ رہنمائے صحت لکھنو۔ جولائی ۱۹۳۶ء ۱۲۔ [2] تاریخ الاطباء، غلام جیلانی صاحب ۱۲

یورپ میں ابن رشد کا مرتبہ اس کے بعد اس کا نامور شاگرد ابو ولید محمد بن احمد ابن رشد نے جو شہرت حاصل کی، اسے ایک دُنیا جانتی ہے اس کے علم و فضل کا ڈنکا آج تک یورپ میں اور ساری دنیا میں گونج رہا ہے[1]۔ یہ ایک فاضل روزگار ہونے کے علاوہ خلیفہ عبدالمومن کے دربار میں شاہی طبیب بھی تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی میں سارا یورپ اس کے فلسفہ کا گرویدہ رہا۔ اطالیہ کی درس گاہ پیڈوبیں سب سے پہلے ابن رشد ہی کی طبی کتابیں شریک درس کی گئیں[2]۔ لکھا ہے کہ یہ لاطینی زبان کا بھی بہت بڑا ماہر تھا[3]۔ اس نے فلسفہ اور طب پر کئی کتابیں لکھیں۔ اسلامی فلسفہ کو اس کے نام کے ساتھ جو مناسبت ہے، اُسے دُنیا خوب جانتی ہے۔ اس نے ۵۹۵ھ مطابق ۱۱۹۸ء میں وفات پائی[4]۔

---

[1] یورپ میں "ابن رشد" کی تصنیف "طبی کلیات" کو وہی زبردست شہرت حاصل ہوئی جو شیخ الرئیس کی کتاب قانون کو حاصل تھی۔ یہ کتاب سنہ ۱۴۹۰ء میں دنیس سے شایع ہوئی۔ اس کے بعد سنہ ۱۴۹۷ء و سنہ ۱۵۴۲ء میں اس کے اور ایڈیشن نکلے۔ پھر سنہ ۱۵۳۷ء میں بمقام لیئون نہایت اہتمام سے چھاپی گئی۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل تھی۔ باب اول میں صحت اعضا، وقوائے جسمانی کا بیان جالینوس اور ارسطو کے اقوال کے مطابق لکھا تھا۔ دوسرے باب میں طریق الصحت، حفظان صحت کے بیان خاص طور پر جالینوس کے نظریہ کی تحت بیان کیے گئے تھے، اور آخری باب مختلف امراض کے بیان پر شامل تھا۔ (تفصیل کے لیے اورنٹیل کالج میگزین لاہور فروری سنہ ۱۹۳۲ء دیکھیے)

[2] مقالہ تحفظ علوم قدیمہ صفحہ ۳۶ —— [3] تاریخ الاطبا رغلام جیلانی صاحب ۱۲

[4] ابن رشد کو مغربی مصنفین "ایوارے روس دی گریٹ" (Averr(us the great.) کہتے ہیں، اور بعض Ibn Rosh. بھی لکھتے ہیں۔ اس کے بہت سے مغربی شاگرد بھی تھے۔ ایک شاگرد (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

مصر میں طب | علامہ ابن جبیر جب چھٹی صدی ہجری میں حج کے ارادے سے نکلے، تو وہ بغداد، موصل، حلب، اور دمشق پرسے ہوتے ہوئے گزرے، انہوں نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ ان مقامات پر اس کثرت سے مجھے شفاخانے نظر آئے کہ میں ان کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ چنانچہ ان مریض خانوں کی نسبت انہوں نے اپنے سفرنامہ میں کچھ تفصیل لکھی ہے۔

دمشق کا نوریہ دارالعلاج | مصر میں مسلمانوں کی ایک آزاد اور مستقل حکومت قایم ہوچکی تھی۔ اور یہاں کے سلاطین نے نہایت جاہ و جلال کے ساتھ سریرآرائی کی۔ نورالدین نے جب اس تخت پر جلوس کیا تو، اپنے نام سے دمشق میں ایک شفاخانہ تعمیر کرایا، اس کی تعمیر کی وجہ یہ لکھی ہے کہ کسی معرکہ میں یورپ کا ایک حکمراں نورالدین کے اسیروں میں گرفتار ہوا۔ اس نے اپنی رہائی کے لیے ایک کثیر رقم پیش کی۔ جس کو سلطان نے منظور کرلیا، رقم لے کر اُسے رہا کردینے کا حکم دیا۔ اور بعد میں اس رقم سے شفاخانہ تیار ہوا۔ یہ وہی "نوریہ شفاخانہ" تھا، جس کے خوبصورت دروازے مشہور باکمال نجار موئدالدین نے تیار کیے تھے۔ جو اس فن میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اس دارالعلاج میں بہت سے منشی، طبیب اور خدام نوکر تھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) "مائیکل سکاٹ" تھا، جس نے اپنے استاد کی کتابیں شاہ جرمنی کے ملاحظہ میں پیش کی تھیں، اور سب سے پہلے جرمنی کے افاضل کو ان سے روشناس کرایا۔ اٹالیہ میں ابن رشد کو بہت بڑا مرتبہ حاصل تھا، اور اس کی بڑی قدر کی جاتی تھی، چنانچہ یہاں کے ایک شاعر نے جالینوس کی طرح اس کا بھی ذکر نہایت عزت و احترام کے ساتھ کیا ہے۔ اور خود اطالیہ کے دارالعلوم میں ابن رشد کا مرتبہ ارسطو کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور یورپ کے طلبہ اس پر فخر کیا کرتے تھے۔ انگلستان کا مشہور شاعر چاسر بھی اسے سرآوردہ لوگوں میں شمار کرتا ہے (ہمدرد صحت دہلی ص[illegible] اپریل [illegible]) ۱۲

بیماروں کا رجسٹر منشی لکھا کرتے تھے۔ اور اس رجسٹر کی خصوصیت یہ تھی کہ بیماروں کے نام و نشان کے سوا، ان کے مصارف اور ضروریات کی تفصیل بھی درج کیجاتی تھی۔

یہ امر موجب حیرت تھا کہ ان شفا خانوں میں امراء اور مالداروں کو علاج کرانے کی اجازت نہ تھی، لیکن سلطان نور الدین ہی پہلا شخص تھا، جس نے اپنے وقف نامہ کی رُو سے یہ اجازت دے رکھی تھی کہ جو نایاب دوائیں یہاں کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتیں ان کے استعمال میں غریب اور امیر سب یکساں ہیں[1]۔

سلطان صلاح الدین غازی کی طبی دل چسپیاں سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں جب ملوک فاطمیہ کا خاتمہ ہوگیا، تو شاہی ایوانوں سے ایک ایوان جو بہت شاندار تھا۔ سلطان کو بیحد پسند آیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی دیواروں پر پورا قرآن کریم لکھا ہوا تھا۔ صلاح الدین نے حکم دیا کہ تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اس میں شفا خانہ قایم کردیا جائے۔ شبلی نے اس شفا خانہ کی تصویر علامہ ابن جبیر کی زبان سے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔

قاہرہ کا بیت المرضاء قاہرہ کا یہ شفا خانہ صلاح الدین کے مفاخر میں سے ہے وہ ایک نہایت خوبصورت اور شاندار ایوان ہے۔ بہت سے کمرے ہیں، ہر کمرہ میں پلنگ بچھے ہیں جن پر سلیقہ سے بچھونے اور تکیے لگے ہیں، دواؤں کے لیے الگ کمرہ ہے، اور اس کے لیے دواساز اور منشی وغیرہ مقرر ہیں، عورتوں کے علاج کے لیے اسی سلسلہ میں ایک

---

[1] مقالات شبلی ص۱۱۱

جداگانہ قطعہ ہے، اور ان کی خدمت و خبر گیری اور علاج کے لیے عورتیں مامور ہیں۔ پاگلوں کے علاج کے لیے الگ مکانات ہیں جن کا نہایت وسیع احاطہ ہے۔ اور دریچوں میں لوہے کی جالیاں ہیں۔ شفاخانہ کا اہتمام ایک طبیب سکریٹری کے متعلق ہے۔ اس کے ماتحت بہت سے نوکر ہیں جو صبح شام دونوں وقت بیماروں کا ملاحظہ کرتے ہیں اور ان کی غذا اور دوا میں تبدیلی اور اصلاح کرتے رہتے ہیں سلطان ہمیشہ خود شفاخانہ کے ملاحظہ کے لیے آتا ہے۔ اور بیماروں کے معالجہ اور خبر گیری کی سخت تاکید رکھتا ہے۔"[1]

اس شفاخانہ میں کحال کی خدمت قاضی نفیس الدین (المتوفی ۶۳۶ھ) کے سپرد تھی، جو تمام مملکت مصر کے افسر الاطبا تھے لکھا ہے کہ قاہرہ میں بعینہٖ اسی درجہ کا ایک اور شفاخانہ ہے۔

اس بیان سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا تمدن کس درجہ اعلیٰ اور ترقی یافتہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے زنانہ ہسپتال بھی اسی سے ملحق الگ قایم کر رکھا تھا۔

قاہرہ کے اس شفاخانہ کے علاوہ سلطان صلاح الدین نے شہر اسکندریہ میں بھی ایک اعلیٰ درجہ کا دارالشفاء قایم کیا تھا۔ اس میں ایک خاص خصوصیت یہ تھی جو لوگ شفاخانہ کے علاج کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے ان کے علاج کے لیے اس ہسپتال میں خاص طور پر الگ طبیب و جراح مامور کیے گئے تھے۔ جو بروقت ضرورت ان لوگوں کے گھروں پر پہنچ کر

---

[1] مقالات شبلی ص ۱۱۔

علاج کیا کرتے تھے۔

مسلمانوں میں ادویہ شناسی کا ایک امام فن

ان اعلیٰ درجہ کے شفاخانوں کے لیے بہترین دوائیں فراہم کی جاتی تھیں، جو دوائیں خریدی جاتیں ان کی جانچ اور امتحان کے لیے ایک خاص محکمہ تھا، جس کا افسر "رئیس العشابین" کہلاتا تھا۔ اس عہدہ پر وہ اطباء مقرر ہوتے تھے جو نباتات کے فن میں کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کا مشہور و معروف ادویہ شناس شہرۂ آفاق طبیب ضیاء ابن بیطار اس محکمہ کا افسر مقرر ہوا تھا۔ اس کا پورا نام ابو محمد عبداللہ احمد المالقی النباتی ہے اسے ضیاء الدین العشاب بھی کہتے ہیں۔ اس نے دس بارہ سال دربارِ مصر میں شاہی طبیب کی حیثیت سے بھی گزارے۔ ادویہ شناسی کے فن میں تو یہ اجتہاد کا منصب رکھتا تھا۔ اور آج تک اس کا کوئی ہمسر پیدا نہ ہو سکا نباتات اور ادویہ پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں وہ اس کو حفظ تھیں اس نے صرف اسی پر اکتفا نہ کی، بلکہ بڑے بڑے سفر کیے۔ چنانچہ اٹلی، یونان اور جزائر بحر روم میں نباتات اور ادویہ کی تحقیق کے لیے چپہ چپہ پھرا۔ اور اپنے ساتھ چند مصور بھی رکھ لیے تھے۔ جن سے ان جڑی بوٹیوں کی تصویریں اتروا تا پھرتا تھا۔ اور خود ان کی مختلف حالتوں کی مختلف تاثیریں قلمبند کرتا تھا۔ اس نے یونانیوں کی بیسیوں غلطیاں ظاہر کیں، اور بہت سی نئی ادویہ کا اضافہ کیا۔ جن کی یونانیوں کو ہوا تک نہ لگی تھی۔

بستان العقاقیر

مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ ازمنہ ماضیہ میں شفاخانوں اور مدرسوں کی تحت نباتات و ادویہ کی تحقیقات کے لیے باغ لگائے جاتے تھے۔ اور یہی عجائب خانے بھی قائم کیے گئے تھے، چنانچہ اکثر تاریخیں

آج تک اس بات کی شہادت دینے کو تیار ہیں۔ ان باغوں کو کامیاب بنانے کے لیے دُور دراز ملکوں سے قسم قسم کی نباتات اور بوٹیاں منگوائی جاتی تھیں۔ اور ان پر غور و فکر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ علمائے مغرب نے بھی غرناطہ اور قرطبہ کے باغوں کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے۔ لکھا ہے کہ غرناطہ کا باغ دسویں صدی عیسوی میں تھا۔ جسے عبدالرحمٰن اول نے بنایا تھا[1]۔

صلاح الدین کی داد و دہش اور اس کی علم پروری کے باعث بہت سے اہل کمال اس کے پاس جمع ہو گئے تھے وہ ہر ایک کی برابر قدر کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس کے پیر میں ایک چتی سی پڑ گئی تھی، جس کے علاج سے اطباء عاجز آ چکے تھے، اور مشورہ دیا تھا کہ پیر کاٹ ڈالا جائے۔ سلطان بے حد پریشان ہوا، اس وقت ابو نجم نصرانی کی بڑی شہرت تھی۔ اسے دربار میں طلب کیا گیا، وہ حاضر ہوا، اور ایسا معالجہ کیا کہ بادشاہ کا پیر درست ہو گیا۔ اور کاٹنے کی نوبت نہ آئی۔ صلاح الدین اس علاج سے بے حد مسرور ہوا، اور اسے اپنے دربار ہی میں رکھ لیا۔ اس کی تصنیفات سے "مجربات ابو نجم" تین جلدوں میں ہے۔

سلطان صلاح الدین کے ایک درباری طبیب کا حیرت انگیز معالجہ

اس طبیب کے ایک نادر علاج کا یہ قصہ مشہور ہے کہ یہ ایک دن عطر فروشوں کے بازار سے گزر رہا تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص بے ہوش پڑا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہیں۔ ابو نجم نے مجمع میں سے کسی شخص سے حالات دریافت کیے،

---

[1] رہنمائے صحت لکھنؤ ۱۲

اور خود لوگوں کو ہٹا کر مریض کے قریب گیا، اور لوگوں سے اس کے بے ہوش ہو جانے کا سبب پوچھا، تو جواب ملا کہ یہ اس بازار میں آتے ہی یکایک بے ہوش ہو گیا ہے۔ یہ سنکر ابو نجم اس کے سرہانے کھڑے ہو کر غور و خوض کرتا رہا، اور اس کے بعد علامات طبیہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ آیا اس میں ابھی روح حیوانی باقی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد مریض کو جاننے والے لوگوں سے سوال کیا کہ یہ شخص کہاں رہتا ہے اور کیا کام کرتا ہے تو اس کو جواب میں معلوم ہوا کہ یہ چمڑا پکاتا ہے اور دباغی کا کام کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی کہا کہ فوراً اس کو دباغیوں کے محلہ میں لے جاکر ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی عمل کیا گیا۔ تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ اس کے بدن میں حرکت پیدا ہوئی اور نبض اصلی حالت پر چلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد اُٹھ بیٹھا اور بات کرنے لگا۔ لوگوں کو اس تدبیر سے حیرت ہوئی۔ بعض جاننے والوں نے اس تدبیر کے اسباب پوچھے تو طبیب نے کہا کہ اصل میں اس کو مرض ترک عادت کی وجہ سے لاحق ہوا، کیونکہ سالہا سال سے اس کا دماغ بدبو کا عادی ہو چکا تھا۔ جب وہ عطاروں کے محلہ میں پہنچا تو [illegible] سے اس کا دماغ پراگندہ ہوا جس کی وجہ سے بے ہوشی طاری ہو گئی۔ [illegible] اس کو اس کے اصلی مقام پر پہنچا دیا گیا تھا اس لیے وہ بدبو کے پہنچنے سے اصلی حالت پر عود کر آیا، پراگندگی اور بے ہوشی جو عطر سے پیدا ہوئی تھی دفع ہو گئی۔ اگر اس طریقہ سے علاج نہ کیا جاتا تو وہ ایک دو گھڑی میں مر جاتا۔[1]

صلاح الدین کے دربار میں ایک اور مشہور و معروف طبیب تھا،

---

[1] یادگار سلف تذکرہ اطباء، ص ۳۴

جس کا نام موفق الدین عبد اللطیف بن یوسف بن محمد بن ابی سعد بغدادی معروف بہ "ابن اللباد" تھا۔ یہ اپنے وقت کا امام اور علم و فضل میں بےمثیل آدمی تھا۔ ۵۵۷ھ میں پیدا ہوا۔ اور شیخ ابی النجیب کے آغوش میں پرورش ہوئی۔ اور ۱۲ محرم ۶۲۹ھ میں وفات پائی۔ اس کی تصانیف کی تعداد تذکروں میں (۱۶۱) لکھی ہے۔ اس نے شہاب الدین سہروردی کی کتابوں کا بغائر مطالعہ کیا تھا اور کہتا تھا کہ دنیا والے اندھے ہیں، اس بزرگ کی کتابوں کو کیا سمجھ سکتے ہیں، درحقیقت علم تصوف تو یہی ہے۔ جو اس نے لکھا ہے۔ اس کی تصنیفات دستیاب نہیں ہوتیں اور نادر سمجھی جاتی ہیں ہم نے اس کی لکھی ہوئی شرح فصول بقراط دیکھی جس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ حنین نے جالینوس کی کتابوں وغیرہ کا ترجمہ کیا تھا۔ میں نے بقراط کی "فصول" کی شرح لکھی۔

مسلمانوں کے فن تشریح کی تحقیق کی ایک مثال

عبد اللطیف کی ایک تصنیف کا اور پتہ چلتا ہے جس کا نام مغربی مصنفین کے نزدیک Relation surl Egypte. ہے۔ اس کی دوسری جلد میں انہوں نے تشریح سے متعلق نہایت پُرمغز، قابلِ قدر معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

ہماری ذلیلیہ بابیں ان عجیب غریب امور سے تعلق رکھتی ہیں جن کا ہمیں دنیا میں تجربہ ہوا ہے اکثر لوگ مجھ سے ملتے ہیں اور طب پر بحث و مباحث کیا کرتے ہیں لیکن ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ جالینوس کی تشریح کو بدقت تمام بھی سمجھ نہیں سکتے، کیونکہ کسی چیز کے بیان میں اور فی نفسہ اس کے دیکھنے میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ "کمس میں ایک پہاڑی ہے

جہاں انسانی ہڈیاں کثرت سے جمع ہیں چنانچہ ہم اس اطلاع پر وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا ٹیلہ ہے، جس میں یہاں سے وہاں تک انسانی ڈھانچے موجود ہیں، اندازاً جن کی تعداد بیس ہزار یا اس سے زائد ہی ہوگی۔ ان ڈھانچوں میں بعض پرانے اور فرسودہ ہوگئے تھے۔ اور بہت سے نسبتہً تازہ بھی تھے۔"

ان ڈھانچوں کے مشاہدات اور تجربوں کے بعد وہ اپنی کتاب میں بڑی تفصیلی بحث کرتا ہے اور سارے اختلافات کو نہایت محققانہ حیثیت سے قلم بند کیا ہے[1]۔

خاندانِ آصفیہ کے جدِ اعلیٰ حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے علمی و طبی کارنامے

سلطان صلاح الدین کے دور میں مسلمانوں کے ایک زبردست اور معرکۃ الآراء فلسفی اور حکیم کا نام سننے میں آتا ہے جس کی ذاتِ گرامی سے ایک دنیا متحیر تھی۔ ان کا نام حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (مقتول) علیہ الرحمۃ ہے۔ دکن کی موجودہ حکومتِ آصفیہ کے سلاطین اسی سہروردیہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

مورخین ان کے حالات لکھتے ہوئے حیرت و استعجاب میں پڑ جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ شہاب الدین علوم حکمیہ میں نادرِ زمانہ، یکتائے روزگار اور جامع علوم و فنون تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے اطباء کسی طبی مسئلہ میں جب اختلاف کرنے لگتے ہیں تو حضرت کی تحقیق اور ان کے ارشاد و تصانیف کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔ ساری دنیا میں اُس وقت فلسفہ اور فقہ میں ان کا جواب نہ تھا۔ اس قدر فصیح البیان اور فصیح العبارت تھے کہ ان کا کوئی شخص مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اس بلا کے ذہین و طباع تھے کہ اپنی عقل کی روشنی کی وجہ سے

---

[1] ماخوذ از اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۲۹

بڑا زبردست کمال حاصل کیا تھا۔ صاحب طبقات الاطبا، لکھتے ہیں کہ شیخ فخر الدین ماردینی کہا کرتے تھے کہ کس بلا کی عقل و فہم کا انسان ہے اور کیا زبردست عالم ہے کہ جسے دیکھکر استعجاب ہوتا ہے۔ کسی نے ان سے امام فخر الدین رازی کے متعلق پوچھا تو کہا کہ "اُن کا ذہن افسردہ نہیں ہے" اور رازیؒ سے شیخؒ کے باب میں پوچھا تو فرمایا کہ "ان کا ذہن ایسا ذکی ہے جیسی کہ بھڑکتی ہوئی آگ ہو"۔ اور اسی طرح پھر کسی نے پوچھا کہ حضرت آپ افضل ہیں یا شیخ بوعلی سینا۔ تو کہا کہ "حکمت میں، میں اور وہ مساوی ہیں لیکن کشف و ذوق میں، میں بڑھا ہوا ہوں"۔

علوم باطنی و روحانی میں زبردست دستگاہ رکھنے کی وجہ سے نازک سے نازک مسائل آسانی سے حل کردیا کرتے تھے۔ جن تک دنیاداروں کی عقل نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اس لیے بعض مشاہیر و علماء، جو علوم رُوحانی سے ناواقف تھے، اُن کی باتوں کو سمجھنے سے عاجز آگئے تھے اس لیے ان پر طعن و تشنیع شروع کردی تھی۔ ان کے علم و فضل اور حکمت کو اصول وہمیہ اور مثال خیالیہ پر مبنی جانتے تھے۔" علامہ شہرزوری "تاریخ الحکماء" میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی خدمت کا شرف حاصل کیا ہے۔ حضرت نے ساری عمر سیر و سیاحت میں گزاری۔ سفر کا بڑا شوق تھا۔ دنیائے اسلام کا وہ مشہور و معروف "معلم اخلاق" جسے بچہ بچہ شیخ سعدی (علیہ الرحمۃ) کے نام سے جانتا ہے، اور جس کے فضل و کمالات کو دنیا تسلیم کرچکی ہے۔ اسی شیخ شہاب الدین مقتول کے ماموں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی المتوفی سنہ ۶۳۲ھ کا مرید باصفا تھا۔ چنانچہ ایک دریائی سفر میں جہاز پر حضرت شیخ سعدی (علیہ الرحمہ) کی ان سے ملاقات ہوئی، اور شیخ سا جہاں دیدہ شخص شہاب الدین کے

آگے سرِ تسلیم خم کرکے دستِ نیاز بڑھاتا ہے اور اپنا کمزور ہاتھ شہاب اللہ کے خدا پرست ہاتھ میں سونپ دیتا ہے چنانچہ حضرت شیخ سعدی نے اشعار ذیل میں اسی قصّہ اور اپنی ارادت کیطرف اشارہ کیا ہے ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ باخویش خود بیں مباش دگر آنکہ باغیر بد بیں مباش

شیخ شہاب الدین بڑی سخت سخت ریاضتیں فرمایا کرتے جنھیں سُنکر استعجاب ہوتا تھا کہ یا الٰہی یہ کس پایہ کا انسان ہے۔ لباس وغیرہ کے پہننے میں کسی نمایش یا اور کسی قسم کا خیال نہ کرتے تھے، جو کچھ میسر آتا پہن لیتے۔ کبھی کسائی پہنی، تو کبھی کچھ، مگر اکثر سُرخ لانبی ٹوپی، کبھی مرقع اور اس پر خرقہ پہنا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی صوفیا کے بھی لباس میں نظر آتے تھے۔ سماع، نغمہ اور موسیقی کے بڑے دلدادہ تھے۔ سیکڑوں کشف و کرامات ان سے سرزد ہوئے جب سیاحت کرتے ہوئے وہ بلاد روم سے حلب آئے، تو یہاں ان کی ملک ظاہر بن صلاح الدین یوسف سلطان مصر و یمن سے ملاقات ہوئی، شہزادہ ان کے فضل و کمال کو دیکھ گرویدہ ہو گیا۔ اور اپنے پاس ہی ٹھہرا لیا۔ اور ان کی جناب میں کمال اعتقاد رکھتا تھا۔ جب باتوں باتوں میں کبھی کبھی مسائل کا ذکر آجاتا تو شیخ شہاب الدین ان مسائل میں کم فہم علماء کی غلطیوں کو واضح فرمایا کرتے اور ان کے کلام کی تنقیص کیا کرتے تھے۔ یہ خبریں دوسرے علماء کو ملتی تھیں، اور وہ یہ سُن کر ان سے جلتے تھے۔ اس لیے علمائے حلب نے ایک دن مناظرہ کے لیے مسائل پر گفتگو کی خاطر مقرر کیا علماء نے ان سے مناظرہ کیا، لیکن جواب دینے والا وہ باکمال اور ایسی متحیر شخصیت کا انسان تھا کہ

اس نے ہر مسئلہ کی بال کی کھال نکال کر انہیں دکھا دی، اور ان کو ان کی غلطیوں اور کمزوریوں سے آگاہ کیا، اس مناظرہ میں شہاب الدین کی قوت گویائی اور کمال کا یہ عالم بندھا رہا کہ وہ بڑے بڑے علماء جو بڑے بڑے ادعاؤں کے ساتھ آئے تھے، دم بخود ہو گئے اور کچھ نہ کہہ سکے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس دن ان سے ایسے عجائبات سرزد ہوئے، معلوم یہ ہوتا تھا کہ روح الامین کی قوت ان کے ہمراہ ہے۔

اس مناظرہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ملک ظاہر کی نظر سے سارے علماء کی وقعت گر گئی اور ان لوگوں کی رسوائی ہونے لگی، تو چند مفسد علماء نے ان کے خلاف پروپگنڈہ کی کوشش شروع کی اور ان کی تکفیر و قتل کے فتوے صادر کئے۔ اور شاہزادہ کو ان کے شہید کرنے پر مجبور کیا جب وہ راضی نہ ہوا تو انہوں نے ایک محضر بنا کر سلطان صلاح الدین کے پاس دمشق بھیجا کہ اگر شہاب الدین زندہ رہے تو ملک کے اعتقاد بگاڑ دینگے اور فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہو جائیگی اگر ان کو یہاں سے کسی اور جگہ بھیجدیا جائیگا تو ہر جگہ یہ فساد کی آگ پھیلاتے پھرینگے اس لیے ان کا قتل کر دینا مناسب ہے۔ سلطان صلاح الدین نے شہزادہ کو لکھا تو وہ راضی نہ ہوا، لیکن پھر اس پر بہت زور اور دباؤ ڈالا گیا اور کہا گیا کہ تمہارے ہاتھ سے حلب کی حکومت چھین لی جائیگی۔ جب حضرت شہاب الدین کو ان کے قتل کا قصہ معلوم ہوا تو خود انہوں نے فرمایا کہ مجھے مقید کر کے کھانا پانی نہ دو اس طرح خود بخود میرا کام تمام ہو جائیگا بعض کہتے ہیں کہ انہیں تلوار سے شہید کر دیا گیا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قلعہ کی دیوار پر سے گرا دیا اور جلا دیا گیا۔ ان کی شہادت ۵۸۶ھ کے بعد

لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور اُن کی ہڈیوں کو جمع فرماتے جا رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ "یہ شہاب الدین کی ہڈیاں ہیں"

صاحب طبقات الاطباء نے لکھا ہے کہ ان کو دفن کیا گیا تھا، اور اُن کی قبر پر یہ شعر لکھے ہوئے تھے[1] ؎

قد کان صاحب ھذا القبر جوھرۃ | مکنونۃ قد براھا اللہ من الشرف
فلم تکن تعرف الایام قیمتہ | فردھا غیرۃ منہ الی الصدف

حضرت شافعی مذہب کے پیرو تھے۔ پچاس سے زیادہ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ فارسی اور عربی میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ارسطو کے بعد سے آج تک مسلمانوں میں "حکمت اشراق" کا فاضل سوائے شہاب الدین کے کوئی اور شخص پیدا نہ ہو سکا۔

صلاح الدین جیسے زبردست فرماں روا کے دور کا یہ نہایت افسوس ناک واقعہ ہے، جسے دنیا ہرگز نہ بھلا سکے گی۔

عبرت نظراں کز رشتِ دنیا دیدند | نقصانِ کمال در لفظ و معنیٰ دیدند
ملعوں خوانند از یں سبب دنیا را | کیں جا صاحب دلاں المنا دیدند

ملک منصور قلاؤن کا ایک عظیم الشان دارالعلاج

نور الدین اور صلاح الدین کی شعبۂ طب کی دلچسپیوں کی وجہ سے لوگوں کو اس حقیقی ضرورت کا اندازہ اور احساس ہوا۔ اس لیے ان کی تقلید میں بہتیرے شفا خانے قایم ہوئے۔ ملک منصور قلاؤن جس کی حیثیت اس زمانہ میں ایک

---

[1] طبقات الاطباء ص ۲۶۷ جلد دوم

فوجی افسر کی تھی، جب ایک مرتبہ دمشق پہنچا تو اتفاق سے قولنج کے عارضہ میں مبتلا ہوگیا۔ جو نسخہ اس کے لیے تجویز ہوا تھا، اس میں ایسی دوائیں تھیں جو دوسرے مقامات سے دستیاب نہیں ہوسکتی تھیں، اس لیے نورالدین کے شفاخانے سے منگوائی گئیں اور اس سے اس کو صحت ہوگئی، جب ملک منصور تندرست ہوا اور شفاخانہ کے معائنہ کے لیے گیا، تو اس کو دیکھ کر متعجب ہوا۔ دل میں نیت کی کہ "جب مجھے سلطنت نصیب ہوگی تو اس سے بہتر شفاخانہ بنواؤنگا۔ چنانچہ جب وہ ۶۷۸ھ میں تخت نشین ہوا تو ایک دارالعلاج کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ علاج گھر اس شان کا تیار ہوا، کہتے ہیں کہ شفاخانہ عضدیہ کے بعد اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی تھی۔ یہ ہاسپیتال ایک شاہی محل میں بہت کچھ اضافہ و ترمیم کے بعد قایم ہوا۔ تاریخیں ناقل ہیں کہ یہ فاطمیین کا ایک بڑا شاہی محل تھا۔ جس کو خلیفہ العزیز باللہ کے بیٹے نے تعمیر کرایا تھا اس خاندان کی تباہی کے بعد یہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا، اور اس کے بعد اس کی اولاد میں یہ وراثۃً چلا آتا تھا۔ قلاؤن نے جب شفاخانہ بنوانے کا ارادہ کیا تو اس کو اس سے زیادہ کوئی موزوں عمارت نہیں مل سکتی تھی۔ اس لیے اس محل کو اس کے مالک سے خریدا۔ اور ۶۸۳ھ میں تعمیر کے آغاز کا حکم دیا۔

اس محل میں چار بڑے ایوان تھے۔ اور اس کا کل احاطہ (۱۰۶۰۰ گز) تھا۔ اس احاطہ کے اندر ایک نہر تھی۔ جس کے ذریعے ایوانوں میں پانی آتا تھا، ملک منصور قلاؤن نے ایوانات تو ویسے ہی رہنے دیے لیکن اس میں بہت سی نئی عمارتیں اضافہ کیں۔ تین سو قیدی اور بہت سے مزدور روزانہ کمیں عمارت میں مصروف رہتے تھے۔ حکم دے رکھا تھا کہ

مصر اور قاہرہ میں جس قدر مزدور ہیں وہ شفاخانہ کے سوا، اور کہیں کام نہ کرنے پائیں۔ شفاخانہ کے جو ستون تھے وہ سنگِ مرمر یا سنگِ رخام سے تیار کرائے تھے۔ خود ملک منصور روزانہ عمارت کے ملاحظہ کے لیے آیا کرتا تھا۔ اس انتظام اور سرگرمی سے کوئی گیارہ مہینے میں شفاخانہ کی عمارت مکمل ہوئی جو قاہرہ کی عظیم الشان عمارت تسلیم کی جاتی تھی۔ اس دارالمرضاء کے مصارف کے لیے قلاؤن نے دس لاکھ درہم کی جائداد وقف کر دی تھی۔ اس کے وقف نامہ میں لکھا تھا کہ بادشاہ سے لے کر غلام تک کے لیے یہ شفاخانہ عام ہے۔ بلکہ جو لوگ اس میں رجوع نہ ہو سکیں وہ بھی اس کی دوائیں استعمال کر سکتے ہیں۔

اس شفاخانہ کے تفصیلی حالات میں لکھا ہے کہ ہر مرض کے علاج کے لیے علیحدہ علیحدہ وارڈ مقرر تھے۔ بخار کے مریضوں کے لیے وہی چار قدیم ایوان مختص کر دیے گئے تھے۔ آشوبِ چشم، لرزہ، اسہال وغیرہ کے لیے الگ الگ مکانات تھے۔ مردوں اور عورتوں کے لیے بھی بالکل جداگانہ انتظامات عمل میں لائے گئے تھے۔ ان کے علاوہ درس و تدریس، دواؤں کی تیاری، اور مطبخ وغیرہ کے لیے متعدد مکانات مخصوص کیے گئے تھے، اور ان سب میں نہروں کے ذریعے پانی آتا تھا۔ اور ہر وقت ان میں پانی کی چادریں چلتی رہتیں جو ایک عجیب سماں پیدا کرتی تھیں۔ شفاخانہ کا انتظام کئی صیغوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ہر صیغہ کا ایک منتظم مقرر تھا۔ اس ہسپتال کے مرجعہ کا یہ عالم تھا کہ روزانہ کئی ہزار مریض رجوع ہوا کرتے تھے اور دواؤں کے خرچ کے متعلق لکھا ہے کہ معمولی دواؤں کو چھوڑ کر جو روزانہ بے غل و غش خرچ ہوتی تھیں خاص دواؤں

میں شربت انار وغیرہ کے پانسو رطل صرف ہوتے تھے۔[1]

عہدِ غوریہ میں طب

غزنوی خاندان کے چراغ کو بجھا کر ایک سلطنت وجود میں آئی، جو تاریخ میں غوریوں کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان کا پہلا حکمران علاء الدین بن حسین تھا، جسے مورخین "جہاں سوز" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس غوریہ خاندان کی ابتداء جنگ و جدل سے ہوئی۔ اس بادشاہ کی طبی سرپرستیوں کا کوئی حال نہ معلوم ہو سکا۔ صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ ابوالحسن نظام الدین یا نجم الدین احمد بن عمر بن علی معروف بہ نظامی عروضی سمرقندی مؤلف چہار مقالہ اس کے درباری طبیب تھے۔ جنھوں نے مجمع النوادر کے نام سے چہار مقالہ جیسی بہتر کتاب لکھی۔ نظامی عروضی ایک ادیب انشاء پرداز شاعر اور مجمع الکمال آدمی ہونے کے سوا ایک اچھے طبیب بھی تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے معالجہ کا ایک واقعہ لکھا ہے۔

مرضِ "کثرتِ طمث" کا ایک عجیب علاج

وہ لکھتے ہیں ۵۴۷ھ میں سلطانِ عالم سنجر بن ملک شاہ میں اور میرے آقا سلطان علاء الدین بن حسین کے درمیان مقام "اوبہ" پر جنگ چھڑ گئی، جس میں لشکر غور کو شکست فاحش نصیب ہوئی، اور میں اس زد و خورد میں اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرتا اور چھپتے پھرتا تھا۔ کیونکہ میں دربار غور سے تعلق رکھتا تھا، جس کو شکست نصیب ہوئی تھی۔ اسی پریشانی کے زمانہ میں ایک رات ایک شریف اور نیک آدمی کے گھر میں میں نے پناہ لی، اور اس گھر والے کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد میں حاجت کے لیے باہر نکل آیا۔ اور جب ضرورت سے فارغ

---

[1] رسائل شبلی ص ۱۵۱

ہو کر گھر میں پہنچا، تو صاحب خانہ میرا بڑا احترام اور ادب کرنے لگا جیسا کہ محتاج کیا کرتے ہیں کچھ دیر تک میرے پاس بیٹھا رہا، اور مجھ سے باتیں کیں اور کہنے لگا کہ اے میرے بزرگ مجھے ایک لڑکی ہے جس کے سوا میری کوئی اور اولاد نہیں، لیکن بدقسمتی سے اس کو ایک عارضہ ہے جس کی وجہ سے میں سخت پریشان ہوں اور متعدد علاج کرا چکا ہوں مگر کوئی فائدہ نہ ہو سکا کاش آپ میرے حال پر رحم فرما کر اس کا علاج فرمائیں تو میں عمر بھر آپ کا شکر گزار رہونگا۔ میں نے اس سے مرض کی تفصیل پوچھی، تو کہنے لگا کہ اس کو عذر کے دنوں میں دس پندرہ من[1] خون ہر مہینے خارج ہوا کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے بے حد ضعیف و کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر خون بند کر دیا جاتا ہے تو نفخ پیدا ہو جاتا ہے (یا پیٹ بڑھ جاتا ہے) اور درد شروع ہونے لگتا ہے۔ اگر بند نہیں کیا جاتا ہے تو خون کی کثرت اخراج سے ضعف و کمزوری طاری ہو جاتی ہے۔" یہ کیفیت سنکر میں نے کہا کہ اب کی بار جس مہینہ میں عذر شروع ہو جائے مجھ سے کہنا۔ دس دن بھی نہ گزرے تھے کہ مریضہ کی ماں میرے پاس آئی اور مجھے اس لڑکی کے پاس لے گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوبصورت نوجوان لڑکی ہے مگر دہشت زدہ اور زندگی سے مایوس نظر آتی ہے مجھے دیکھتے ہی میرے قدموں پر گر پڑی، اور کہنے لگی کہ اے میرے باپ خدا کے لیے میری فریاد کو پہنچ اور میری زندگی کو بچا، کچھ اس طرح گڑگڑانے لگی کہ میرے دل پر اس کا سخت اثر ہوا، اور میری بھی آنکھوں سے آنسو نکل گئے۔ میں نے اس سے

---

[1] معلوم نہیں اس دور میں "من" کتنی مقدار کے وزن کو کہتے تھے ۱۲

کہا کہ نا امید نہ ہو، تیرا علاج بہت آسان ہے، میں نے اس کی نبض دیکھی تو قوی پائی۔ لیکن چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک فصاد (فصد لگانے والا) کو حاضر کیا جائے۔ جب وہ آیا تو عورتوں کو اس کے پاس سے ہٹا دیا اور فصاد کو حکم دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کی رگ باسلیق میں فصد لگا کر خون نکالے اور تقریباً ہزار درم خون نکالا۔ اور اس کے بعد پھر اس کو روک دیا۔ مریضہ اس عرصہ میں بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے آگ منگائی۔ جب آگ حاضر کی گئی تو اس کے قریب بیٹھ کر مرغ کے کباب لگائے، یہاں تک کہ سارا کمرہ کباب کی بو اور اس کے دھوئیں سے بھر گیا۔ یہ بُو اور دھواں اس مریضہ کے دماغ تک پہنچا تو ہوش میں آئی اور رونے لگی۔ فوراً اسے شربت پلایا، اور ایک مفرح دوا کھلائی۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ تک اس کا علاج کیا خدا کے فضل سے تندرست ہو گئی اور اس کا مرض بالکل جاتا رہا۔ اور خون اپنی اصلی مقدار پر لوٹ آیا۔ چنانچہ یہ لڑکی اب نہایت صحت و تندرستی کے ساتھ میرے پاس ہے میں نے اسے اپنی لے پالک بیٹی بنا لیا ہے اور وہ میرے لیے میرے دوسرے بچوں کے برابر ہے[1]۔"

ہم اپنے قارئین کو ہندوستان کی طبی کارفرمائیوں کی طرف متوجہ کرنے سے قبل ایک ایسی طب کی کتاب کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جو اساتذۂ فن میں ایک عرصہ سے معتبر اور مشہور رہتی چلی آئی ہے لیکن بدقسمتی سے اب لوگ اس کی اہمیت اور اس کے نام سے ناواقف ہیں۔ اس کتاب کا نام "اختیارات بدیعی" ہے اس کا مؤلف علی بن الحسین الانصاری المشتہر بحاجی (زین الدین) ابن العطار ہے۔ اس نے

---

[1] چہار مقالہ ص ۱۰۹

یہ کتاب ۷۷۰ھ میں تالیف کی۔ مسلمانوں کی طبی دلچسپی اس دور میں اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اس کی توسیع و اشاعت اور اس کے اہلِ کمال کی قدر دانی میں شاہی خواتین نے بھی بہت بڑی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ یہ اہم ترین کتاب ایک عالی مرتبت خاتون "عصمت الدنیا والدین" "بدیع الجمال" کے نام معنون کی گئی تھی۔ اور اسی کے نام پر اس کا نام "اختیارات بدیعی" رکھا گیا۔

ہم اس سلطانہ کے فی الحال تاریخی واقعات کی تحقیق نہ کر سکے۔ انشاء اللہ کسی اور موقع پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے[1]۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ مفرد ادویہ کے لغت پر مشتمل ہے اور دوسرا مرکبات کے نسخوں پر شامل ہے۔ پہلا حصہ (لغتِ طبی) بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مصنف نے اکثر و بیشتر ہندی دواؤں کے نام اور ان کے ممکنہ عربی نام لکھ کر اپنے خاص تحقیقاتی حالات و افعال و خواص لکھے ہیں، جو ہندی ادویہ کی تحقیق کے سلسلہ میں بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور یہ غالباً پہلا لغت ہوگا، جس میں مؤلف نے ہندی ادویہ کے متعلق بھی تحقیقات کر کے، ان کے علمی نوٹس لکھنے کی کوشش کی۔

یہ کتاب مطبع نولکشور میں ۱۲۹۶ھ میں طبع بھی ہو چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل دہلی میں بھی چھپی تھی۔ اس مطبوعہ نسخہ کے (۵۷۹) صفحے بڑی سائز پر ہیں جس سے کتاب کی جامعیت و اکملیت کا اندازہ ہو سکتا ہے اس کا ایک قدیم نسخہ خدا بخش خاں کی بھی لائبریری میں موجود تھا۔

---

[1] ہم نے "طب کی نادر کتابوں" کے عنوان سے کچھ لکھنے کا ارادہ کیا ہے، اس وقت اگر خدائے کارساز کو منظور ہوگا تو ہم بہت سی کتابوں پر ہر ایک سے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرنے کی کوشش کرینگے۔ اس لیے اس کتاب میں ایسی کتابوں کے متعلق کما حقہٗ تفصیلی معلومات جس کی ضرورت ہے گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے قلم بند نہ کر سکے"

اس کتاب پر ایک اور شخص نے "فرایادین جلالی" کے نام سے اضافہ کیا ہے، جس کا نام حاجی جلال بن امین الطبیب المرشد گاذرونی تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ اختیارات بدیعی کے مؤلف سے جو تسامحات ہوئی ہیں اور ان سے جو ضروری چیزیں متروک ہوئیں ان سارے نقائص کو دور کرنے کے لیے میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور خدا کے فضل سے، اس معاملہ میں پوری پوری کوشش صرف کی ہے۔

یہ تمتہ کہیں نہیں چھپا۔ ہم نے اس کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے، جو دولت آباد میں ۲۶ رشعبان ۱۰۹۷ھ میں لکھا گیا تھا۔ اور جس کے کاتب کا نام حافظ قلندر تھا۔ اس مخطوطہ کے شروع صفحہ پر "صمصام الملک" کی بھی مہر ہے۔ ممکن ہے کہ یہ مہر "صمصام الملک صمصام الدولہ شاہ نواز خاں" (دیوانِ دکن) کی ہو۔ جن کے کتب خانہ کی بڑی شہرت تھی۔ اس مہر کے سوا ایک مہر "بنت رفاہیت طلب خاں" اور ایک "شفا طلب خاں" (۱۱۹۵ھ) کی بھی ثبت ہے۔

ہم فی الحال ابتدائی اسلامی سلطنتوں کی طبی سرپرستیوں کے پہلے مقالہ کو اسی حد تک محدود رکھتے ہیں کہ ؎

افسانۂ این و آں تسلسل دارد
بر خود بپیچید و رشتہ کوتاہ کنید

طبِ (شمالی) ہند میں

غزنین کا آخری حکمراں خسرو شاہ علاء الدین کے ڈر سے لاہور آ گیا تھا، اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ لیکن جب اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک حکمراں ہوا، تو شہاب الدین غوری نے پہلے پہل لاہور ہی تک حملے کیے۔ اسی کے عہد سے ہندوستان پر مسلمانوں کی مستقل حکومت کی ابتدار ہوتی ہے، اور اس کے بعد ہی ہند میں ایک اسلامی سلطنت قائم ہو جاتی ہے۔ اس ابتدائی دور کے طبی کارناموں کی ہمیں فی الحال کوئی تفصیل نہیں ملی۔ قیاس کہتا ہے کہ جب ہندوستان پر مسلمانوں کی مستقل حکومت قایم ہو گئی اور کچھ امن و امان ملا، تو اس طرف سلاطین نے ضرور توجہ کی ہو گی۔

خلجی دور میں طب ہمیں اپنی تحقیق میں سب سے پہلی طبی تصنیف سلطان جلال الدین "فیروز شاہ" خلجی کے عہد کی ملی ہے۔ اس سلطان کا فیروز شاہ بھی خطاب تھا[1]۔ یہی وہ دہلی کا بادشاہ ہے، جو علاؤ الدین خلجی کا چچا تھا۔ اس نے ۶۸۹ھ سے لے کر ۶۹۵ھ تک حکومت کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] ملاحظہ ہو طبقات ناصری اور تاریخ فرشتہ کہ جلال الدین کا فیروز شاہ بھی خطاب تھا ۱۲

اس کے دربار میں بہت سے اطبا جمع تھے۔ اور طبابت کی طرف کافی توجہ کی گئی تھی۔ مذکورالفوق کتاب پرندوں کے علاج معالجہ کے ذکر میں ہے، جس کو عربی میں "زردقہ" کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب جانوروں کی نگہداشت کی طرف اس قدر توجہ مبذول تھی، تو پھر بنی نوع انسان کے لیے کیوں نہ آسائش و آرام کی صورتیں اختیار کی گئی ہونگی۔ بعض مورخین کا جیسا کہ خیال ہے، فاتح ہمیشہ اپنی مفتوح قوم میں ہر دل عزیزی حاصل کرنے کی فکر کیا کرتے ہیں اور ان کو آرام و آسائش پہنچا کر اپنی حکومت سے مانوس اور اس جنگ و جدل کی نفرت کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں کہ ان کو کامیابی نصیب ہوی تھی، اس کے لیے انہوں نے سب سے بہتر صورت شفاخانوں کے قیام کی نکالی تھی۔ جہاں کہیں فتح نصیب ہوتی اور ان کی حکومت قایم ہو جاتی، تو فوراً وہ اس ضروری رفاہِ عامہ کے کام کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی ضرور ہوا۔ لیکن ہمیں اس وقت تک تفصیلی شہادتیں دستیاب نہ ہو سکیں۔

پیش نظر کتاب کا نام "رسالۂ جبرمۂ شاہی" ہے۔ اس کے مؤلف کا نام "شاہ قلی" ہے۔ اس نے سبب تالیف میں یہ لکھا ہے کہ سلطان فیروز شاہ، ایک دن نہایت خوشی اور مسرت کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا اور حکمارِ زمانہ اس کے دربار میں موجود تھے۔ اس نے میری طرف خطاب کرکے حکم دیا کہ "تو پرندوں کے علاج میں ایک کتاب لکھ، تاکہ اس سے دلچسپی اور شوق رکھنے والے فائدہ اٹھائیں" چنانچہ میں نے یہ کتاب سنہ ۷۶۰ھ میں لکھی، تاکہ شاہی میر شکاریاں اور دوسرے شوقین اس سے

فائدہ اٹھائیں۔ لیکن مؤلف نے جو سنہ تالیف لکھا ہے اس عہد میں تو سلطان معزالدین کیقباد، دلی کے تخت پر حکمران تھا۔ لیکن ہماری نظر سے فی الحال تاریخوں میں اس کا فیروز شاہ خطاب نہیں گزرا۔ البتہ سلطان جلال الدین خلجی کا "فیروز شاہ"[1] بھی خطاب لکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اسی عہد کی کتاب ہو، اور کاتب کی غلطی سے سنہ لکھنے میں کچھ سہو ہوا ہو۔ ہم فی الحال اور زیادہ تلاش و تحقیق کیے بغیر اس کتاب کو اسی عہد سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ ایک مختصر کتاب ہے جو انتیس (۲۹) ابواب پر مشتمل ہے۔ اور چھوٹی تقطیع کے کل (۸۶) صفحوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اس قدر قدیم، اور طرزِ کتابت اس قسم کا معلوم ہوتا ہے کہ کیا عجب ہے کہ یہی اصل مسودہ کتاب ہو، اور دنیا میں اس کا ایک ہی نسخہ ہو۔

طب کیلیے تغلق خاندان کی سرپرستی

شفاخانوں کے مستقل رواج کا پتہ، محمد شاہ تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) سے پہلے نہیں چلتا۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ "اگر ہم مقریزی کی روایت کا اعتبار کریں تو صرف شہر دہلی میں محمد تغلق کے زمانہ میں ستر شفا خانے جاری تھے۔"

محمد تغلق کے بعد جب مشہور نیک دل سلطان فیروز شاہ سریر آرائے دہلی ہوا تو اس نے اپنے عہد حکومت میں دہلی میں ایک بڑا شفاخانہ بنوایا، جس میں امیر، غریب، ہندو مسلمان ہر شخص کو مفت دوائیں دی جاتی تھیں۔ اس شفاخانہ کا سالانہ خرچ (۳۶) لاکھ ٹکے تھا۔

---

[1] سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد رکن الدین بھی "فیروز شاہ" کے نام سے حکمران رہا ہے جس کا سنہ وفات ۶۳۴ھ ہے، اور تغلق خاندان کے تاجدار "فیروز شاہ" نے ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک بادشاہت کی ہے۔

فیروز شاہ نے اپنے خود نوشت سوانح حیات میں اس شفاخانہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ:۔

> "میں نے خدا کی عنایت سے ایک دارالشفاء بھی قایم کیا ہے تاکہ اس میں ہر شخص کا علاج ہو سکے۔ اطباء حاذق مقرر کیے ہیں تاکہ مریضوں کا معقول علاج ہو سکے، میں نے مصارف دواخانہ کے لیے ایک کثیر جائیداد وقف کردی ہے اور اس دواخانہ میں رجوع ہونے والوں کو انشاء اللہ تعالیٰ خدا اپنے فضل سے شفا بخشے گا۔ پروردگار کا احسان ہے کہ اس نے مجھے اس نیک کام کی توفیق دی اور میری یہ دیرینہ آرزو پوری ہو گئی۔"[1]

اس کے سواء اس بادشاہ نے تخت نشین ہوتے ہی رفاہِ عام کے کام سب سے پہلے شروع کیے اور حکم دیا کہ بتیس[32] شہر، چالیس[40] پختہ جامع مسجد، تیس[30] مدرسے بیس[20] خانقاہیں، دو سو[200] سرائیں، سو[100] نہریں، اور سو[100] شفاخانے، دو سو چین[250] حمام وغیرہ بنائے جائیں[2]۔ اس مجسم خیر سلطان کی یہ یادگاریں اہل دنیا کی آرام و آسائش کی کفیل بنیں، اور بعض چیزوں کے اب تک باقی رہنے کی وجہ سے آج تک کا اس کا نام زندہ ہے۔

سلطان محمود شاہ نے ۸۴۹ھ میں مانڈو[3] میں ایک نہایت عمدہ شفاخانہ تعمیر کرایا تھا۔ اس شفاخانہ کا مہتمم حکیم فضل اللہ تھا، جو بڑا صاحب کمال طبیب تھا۔ جسے سلطنت کی طرف سے حکیم الحکماء کا خطاب بھی عطا ہوا تھا[4]۔

ہندوستان میں جب اسلامی طب داخل ہوئی، تو مسلمانوں نے یہاں کی ہندی طب میں بھی مہارت و واقفیت پیدا کرنے کی کوشش کی گو دربار خلافت میں ہندی طب کی طرف توجہ کی جا چکی تھی۔ لیکن جب مسلمان فاتحین کے

---

[1] آثار خیر ص۸۸۔ [2] تاریخ رشید الدین خانی ص۴۵ [3] اب یہ مقام ریاست دھار میں واقع ہے۔ [4] آثار خیر ص۸۹

قدم اس سرزمین پر پہنچے اور انہوں نے یہاں بود و باش اختیار کرلی تو یہاں کے علوم میں بھی دستگاہ اور کمال حاصل کرنے کی کوشش کی مسلمانوں میں خلفائے عباسیہ کے عہد کے بعد سب سے پہلا اور بڑا شخص ابو ریحان بیرونی تھا، جس کے شوق و ذوق کو دیکھ کر انتہائی استعجاب ہوتا ہے کہ اس نے کیا کیا مصیبتیں سہہ کر ہندی علوم میں مہارت و کمال بہم پہنچانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کا نام آتا ہے، جن کے جیسا مجمع الکمال انسان آج تک پیدا نہ ہو سکا۔ فن طب چونکہ ایک اہم فن تھا۔ اس لیے سب سے پہلے اپنے اسلامی طب کے ساتھ یہاں کے دیسی فن سے بھی مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا اور اپنی طب میں اس کو ایک اعلیٰ اور علمی نقطۂ نظر سے جذب کرلیا۔ مسلمان فاتحین جب پہلے پہل آئے تھے تو یہاں کے طبیبوں کو وہ اپنی زبان میں "مصری" کہا کرتے تھے، کیونکہ یہ دیسی اطباء اپنے راجاؤں کے درباروں اور ان کے دارالسلطنتوں میں رہا کرتے تھے اور مسلمان جن مقامات سے شروع شروع اکثر دور رہا کرتے تھے جو کسی ایسے دیسی طبیب کا ذکر آتا یا ان کو بلانے کی ضرورت پڑتی تو کہتے کہ اس "مصر" کے (جس کے معنی عربی میں شہر کے ہیں) طبیب کو بلالاؤ۔ اس طرح عرب فاتحین کے نزدیک ان طبیبوں کا نام شہر میں سکونت رکھنے کیوجہ سے مصری پڑگیا۔ ہمارے محترم مولوی حکیم قاسم علی بیگ صاحب آشگر کے بقول اسی زمانہ سے ہندی اطبا کو مسلمانوں میں مصری طبیب کہنے کا رواج پڑ گیا۔ ورنہ درحقیقت مصر جو مشہور و معروف ملک ہے۔ اس سے یہاں کی اس طبابت کو دور کا بھی واسطہ نہیں یہ لفظ "مصری" مسلمانوں کی دیسی طب کی طرف پہلی توجہ و خیالات کی آج تک یادگار چلا آتا ہے اور ہمارے دعوے کی بڑی دلیل ہے مسلمانو

نے یہاں کی نباتات و ادویہ پر غور کر کے اور ہندی اطباء کی تحقیقات پر تجربہ کر کے ان کو اپنی طب میں داخل کر لیا۔ اور دیسی اطباء کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ ان کی کتابوں کے فارسی میں ترجمے کیے۔ اور اس شوق و ذوق سے مسلمانوں نے اسطرف توجہ کی جیسا کہ شروع میں انہوں نے یونانی طب کی طرف توجہ کی تھی۔ مگر افسوس ہے ہمارے پاس آج ان کے مکمل کارنامے موجود نہیں ہیں، ہمیں اپنی سرسری تحقیقات میں جن کتابوں تک دسترس حاصل ہو سکا ہے، ان کے متعلق یہاں ایک حد تک اجمالی تفصیل مناسب ہو گی۔

سنہ ۹۰۲ھ کی ایک تالیف ہماری نظر سے گزری جس کا نام "طب سلیمان شاہی" ہے۔ یہ ایک زبردست اور ضخیم کتاب ہے۔ اور "سلیمان شاہ" نامی ایک سلطان کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ ہم اس پر تاریخی روشنی ڈالے بغیر فی الحال اس کتاب کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کتاب ساٹھ (۶۰) فصلوں اور ایک سو پندرہ (۱۱۵) ابواب پر پھیلی ہوئی ہے۔ ساری کتاب میں امراض کے اسلامی ناموں کے ساتھ ساتھ ہندی نام بھی دیے ہیں چنانچہ اٹھائیسویں (۲۸) باب میں جو "آروغ" کے بیان پر مبنی ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کو ہندی میں "ڈکار" کہتے ہیں اور "فواق" کے متعلق لکھا ہے کہ اس کو ہندوی میں "ہچکی" کہتے ہیں۔ اور ہر جگہ ان کو تفصیل سے سمجھانے اور لکھنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی ہندی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یا مصنف کی جدت و تحقیق کی مرہون احسان ہے۔ اس میں اس قسم کی کوئی صاف صاف

لہ ہمارے محترم اردو لسانیات کے ماہرین کیلئے یہ طبی کتابیں نیا سامان ہیں، ان سے موئی پیش کردہ ناموں پر غور فرمائے، اور اب شاید آپ کو ادبی کتابوں کو چھوڑ کر سب سے پہلے اردو کی لسانی تحقیقات کے سلسلہ میں طبی کتابوں کی طرف توجہ مرکوز کرنی پڑیگی ۱۲

تصریح نہیں ہے۔ پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے طب ویدک سے نہایت سیر چشمی کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے اور اس میں بڑی زبردست مہارت رکھتا ہے۔

ہم نے حال ہی میں پڑھا تھا کہ یورپ کے ماہرین و اطباء اب اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ "خوابوں" کے ذریعہ مریض کی حالتوں کا اندازہ لگائیں اور مرض کو سمجھیں۔ مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمانوں نے اسی سلسلہ میں بہت پہلے ایسی تحقیقات کر کے کتابیں بھی مبسوط لکھ دی تھیں، جنھیں آج آپ پڑھ کر اپنی نئی تحقیقات کے نام سے دنیا کو روشناس فرما رہے ہیں۔ ذکریا رازی، بوعلی سینا اور دیگر مشہور اطباء نے تو علم الرویا کے نام سے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور یہ علم مسلمانوں میں اہمیت رکھتا ہے۔ بوعلی سینا کا تو رسالہ چھپ بھی چکا ہے۔ خود ہندوستان کی دیسی طب میں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں، یا تو فی نفسہٖ ویدک میں بھی اس علم و فن کے متعلق کافی لٹریچر ہوگا، یا خود مسلمانوں نے اس دیسی طب میں اس تعبیر رویا کو داخل کر دیا۔ یہ ایک تحقیق طلب امر ہے۔ اس ساری طویل بحث کا مقصد یہ ہے کہ پیش نظر کتاب میں بھی ایک باب ہے جس میں بیماروں کے خوابوں سے ان کے امراض کی شناخت و علاج کے متعلق لکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس طبی کتاب میں ایک باب "آب دادن سلحہ" کے بھی عنوان سے موجود ہے جس کی بڑی تفصیل لکھی ہے۔ ایک اور مستقل باب "برص" کے علاج میں بھی لکھا ہے۔ ایک باب دواؤں کے ناموں کے لیے مختص ہے۔ ہمارا پیش نظر نسخہ ۱۰۰۲ھ کا مکتوبہ ہے جس کے کاتب کا نام محمد صدرالدین ہے۔

لودھیوں کا دور طب کے لیے جب لودھیوں کا خاندان دلی کی حکومت پر برسر اقتدار آیا تو اس طبقہ کے ایک حکمران سلطان سکندر لودھی نے

اپنے دورِ حکومت (۹۳۴ھ - ۹۴۴ھ) میں بہت سے نامی گرامی اطباء کو ولایت ایران و خراسان سے طلب کر کے دتی میں جمع کیا۔ کیونکہ اس کو علم طب سے خاص شغف تھا۔ اس کی ان دلچسپیوں کا ہی سبب تھا کہ یہاں کی ویدک پر اس کے عہد میں بھی خاص تحقیقات ہوئی۔ اس کے دربار میں ایک طبیب تھا۔ جس کا نام بہوہ بن خواص خاں تھا۔ بادشاہ نے اس کی استدعا پر حکم دیا کہ حکماء ہند کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ایک ایسی کتاب تیار کرے جو خاص و عام کو اس سے نفع پہنچانے والی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ یہ کتاب میں نے ہندی سے فارسی میں ترجمہ کی ہے اور بعض الفاظ جن کے لیے فارسی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ ان کو ہندی ہی میں رکھا ہے، لیکن ان کی تشریح نہایت تشفی بخش طریقہ پر کر دی ہے۔ بعض اصطلاحیں جو فارسی یا تھیں اور جن کے لیے ہندی میں کوئی الفاظ نہ تھے، تو ان کا ذکر اور تفصیل ہندی میں لکھی ہے۔ یہ کتاب اس نے ۹۱۸ھ میں ایک مقدمہ اور تین باب پر لکھی۔

مقدمہ میں علم طب کی تعریف اور اس کی بزرگی کا بیان ہے۔ پہلا باب مقدمات علاج میں ہے۔ جس کی (۳۲) فصلیں ہیں۔ دوسرا انسان کی پیدائش کی کیفیت اور اس کے اعضاء کی تشریح کے بیان میں ہے۔ جو نو فصلوں پر مبنی ہے۔

تیسرا باب۔ امراض کی علامتوں اور ان کے علاجوں کی تفصیل میں لکھا ہے جو (۷۷) فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور پوری کتاب ایک ہزار ایک سو سرسٹھ امراض اور ان کے علاج و ادویہ کے ذکر میں ہے اور اس نے اپنی کتاب ششرت، چرک، جاتوکرن، بھوج، باگ بھٹ، ورس رتناکر

سارنگدھر انکسین، مادھونداں، چکردشت، کیدت، چنتامن، برندہ وغیرہ کی کتابوں سے مدد لے کر مرتب کی ہے۔ اس نے اپنی اس کتاب کا نام اپنے مربی اور بادشاہ کے نام کی مناسبت سے "معدن الشفا سکندرشاہی" رکھا۔ مؤلف شاعر بھی تھا۔ چنانچہ اس کے چند اشعار کتاب کے شروع اور آخر پر موجود ہیں۔ اس کتاب کا ہم نے ایک مطبوعہ اور قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔ پہلا نسخہ مطبع نولکشور نے حکیم نیاز علی رئیس جالیسر سے حاصل کر کے ۱۲۹۴ھ میں چھاپا تھا۔ اور دوسرا قلمی نسخہ بڑی اور چوڑی تقطیع کے (۸۱۰) صفحوں پر مشتمل ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے کتاب خانہ میں بھی اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے، جو ۱۰۸۲ھ کا مکتوبہ ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ سکندر لودھی نے ویدوں اور حکیموں کو جمع کر کے یہ حکم دیا تھا کہ ویدک اور اسلامی طب دونوں کو جمع کر کے ان کے مضامین کا انتخاب کر کے ایک مجموعہ تیار کرو۔ چنانچہ جب یہ کتاب تیار ہوئی تو اس نے اس کا نام "طب سکندری" رکھا[1]۔ ویدک کی ایک کتاب امرگرھا نامی کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ بھی کرایا تھا[2]۔

اس کے بعد کی طبی تصانیف اور کارناموں سے متعلق ہماری تحقیقات ابھی آگے نہیں بڑھ سکیں۔ اور مغلیہ خاندان کی ابتدا تک فی الحال ہماری نظر سے کوئی اور مواد نہیں گزرا۔

مغلیہ عہد میں اکبری دور طب کے لیے

سلطنت مغلیہ کے بانی کی ساری عمر لڑائیوں میں صرف ہوئی۔ اس لیے اسے کوئی خصوصیت کے ساتھ رفاہِ عام کے کام کاج کرنے کا موقع نہ ملا۔ اس کے بعد ہمایون بادشاہ

---

[1] آثار خیر ص ۸۹

کی بھی زندگی اسی طرح پریشانیوں میں گزری۔ مگر اس کے باوجود اس کے عہد کی ایک طبی تالیف کا پتہ چلتا ہے جس کا نام "ریاض الادویہ" تھا۔ یہ مولانا یوسفی نامی بزرگ کی مرتبہ تھی، جس کو انہوں نے ۹۴۶ھ ہجری میں لکھا تھا۔ یہ کتاب مفرد اور مرکب ادویہ کے بیان پر حاوی تھی۔ اس کا ایک نسخہ مرحوم خدا بخش خاں کی لائبریری میں موجود تھا۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ سلاطین اسلام کے درباروں میں لوازم سلطنت اور صحت و سلامتی کی خاطر ضرور طبیب مقرر ہوا کرتے تھے۔ شیر شاہ سوری نے ہمایوں کے بعد جب دلی پر قبضہ جمایا تو بہت سے رفاہی کام انجام دیے، کیا عجب ہے کہ سب سے زیادہ نمایاں کام اس نے ہسپتالوں، طبیبوں اور فن طب سے متعلق کیا ہو۔ اگر تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو ان سب ادوار کے متعلق کچھ نہ کچھ مواد ضرور ہاتھ آئیگا۔ شیر شاہ کے خاندان کے ختم ہونے کے بعد پھر ہمایون نے ہندوستان کی حکومت حاصل کرلی اور اس کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین محمد اکبر حکمران ہوا۔ جس کے عہد میں سلطنت مغلیہ نے بہت بڑا عروج حاصل کیا۔ اور شہنشاہ عالمگیر کے عہد تک اس شان و شوکت کی سلطنت تھی جس کی نظیر اس کی ہم عصر سلطنتوں میں ملنی ناممکن تھی۔

جب ہندوستان کی شہنشاہیت کے تاج نے اکبر کے فرق شاہی پر زینت پائی، تو مغلیہ حکومت کو چار چاند لگ گئے۔ اس نے رفاہِ عام کے جو کام انجام دیے اس سے ساری تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ اس کا دربار علماء فضلاء کا مرکز تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی اطباء اس کے ارد گرد موجود تھے۔ جن میں حکیم مصری، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم علی گیلانی، حکیم ہمام

حکیم شیخ حسن پانی پتی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم فتح اللہ گیلانی قابلِ ذکر ہیں۔

حکیم مصری کے متعلق لکھا ہے کہ یہ فرزانۂ روزگار حکیم علوم عقلی میں درجۂ کمال رکھتا تھا۔ بادشاہ نے دکن سے بلا کر پایۂ تخت کے حکما میں شامل کیا تھا۔ ابوالفضل اس کی نسبت لکھتا ہے کہ اگر طب کی ساری کتابیں مفقود ہو جائیں تو یہ حکیم اپنی قوتِ حافظہ کے زور پر ان کو پھر لکھ سکتا ہے[1]۔ اس نے بمقام برہان پور ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

حکیم ابو الفتح گیلانی کے متعلق لکھا ہے کہ دربار اکبری میں بہت بڑا منصب رکھتا تھا۔ اور (۸۰۰) روپیہ ماہوار مقرر تھی۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو خود اکبر بنفسِ نفیس اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا۔ فیضی نے اس کا مرثیہ بھی لکھا ہے اور عرفی شیرازی نے بھی کئی قصیدے لکھے تھے۔ اس نے شرح قانونچہ، قیاسیہ اور چار باغ تصنیف کی اور اپنے تجربات کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا۔ جس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتاب خانہ میں بھی موجود ہے۔

حکیم علی گیلانی۔ یہ وہ باکمال طبیب تھا۔ جسکی حذاقت اور کارناموں سے آج بھی ایک دنیا متحیر ہے۔ کہتے ہیں کہ جب شروع شروع دربار میں آیا، تو اکبر نے اس کے امتحان کے لیے حکم دیا کہ یہ جس وقت میرے پاس آئے اس کے سامنے مریض، تندرست، گائے اور گدھے کا قارورہ بیک وقت پیش کرو۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔ حکیم علی نے اپنی دانائی اور حذاقت سے ہر قارورہ کی نہایت صحیح صحیح صراحت کر دی۔ جس کی وجہ سے بادشاہ کی نظروں میں اس کی وقعت پیدا ہو گئی۔ یہ طبیب ہونے کے علاوہ

---

[1] آثار خیر ص ۹۴

بہت بڑا ریاضی داں بھی تھا۔

حکیم علی گیلانی کا عجیب و غریب حوض

کہتے ہیں کہ اس نے ۱۰۰۲ھ میں لاہور میں ایک حوض بنایا تھا۔ جس کا عرض و طول ۲۰ × ۲۰ گز تھا اور جو پانی سے لبریز تھا۔ اور اس حوض میں ایک کشادہ حجرہ تعمیر کیا تھا۔ جس کو چاروں طرف سے پانی گھیرے ہوئے تھا، اور کمرہ کی چھت بالکل پانی کے اندر ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کمرہ میں داخل ہونے کے لیے پانی میں غوطہ لگا کر اس کے دروازو تک پہنچنا پڑتا تھا۔ اور صرف ایک بلند منار اس کے مقام کو پانی سے سر باہر نکالے ہوئے ظاہر کرتا تھا، کہ کمرہ یہاں ہے۔ یہ ایک اعجوبۂ روزگار کمال تھا کہ اس حجرہ کے دروازے بالکل پانی کے اندر ہی کھلے ہوئے تھے اور چاروں طرف سے اور اوپر سے ان کو پانی گھیرے ہوئے تھا اور کیا مجال تھی کہ پانی کا ایک قطرہ بھی کھلے دروازوں کے ذریعے کمرہ کے اندر داخل ہوتا۔ اس حجرہ کے دروازہ میں کھڑے ہو کر ہر شخص اپنے قریب ہی پانی کو دیکھ سکتا تھا، اور متحیر ہوتا تھا کہ حجرہ کا دروازہ کھلا ہے۔ مگر پانی اندر داخل ہونے نہیں پاتا۔ سائنس کے ماہرین اور جاننے والے اس کمال کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس نے پانی اور ہوا کی روک اور دباؤ کی قوت کو خصوصی طور پر معلوم کر کے اس قسم کے کمال کا اظہار کیا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ اس کے تیار ہونے کے بعد اکبر سے اس حجرہ کے معائنہ کی درخواست کی۔ خود شہنشاہ نے بہ نفس نفیس چل کر اس کے معائنہ پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ اس نادر روزگار کمال کو دیکھنے کے لیے مع خدم و حشم حوض پر پہنچا۔ پہلے مقربین کو جا کر اس کے معائنہ کا حکم دیا۔ جو شخص غوطہ لگاتا اسے یا تو رستہ نہیں ملتا تھا۔ یا بدقت پہنچ سکتا تھا۔ اور بعض

غوطہ کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے حبس دم کی باعث بہت جلد باہر نکل آتے تھے۔ بالآخر خود بادشاہ نے کپڑے اتارے اور غوطہ لگایا۔ اور اس کمرہ میں پہنچا۔ جو نہایت وسیع اور آراستہ تھا۔ جس میں روشنی بھی کافی مقدار میں آ رہی تھی۔ کمرہ کی وسعت اس قدر تھی کہ اس میں دس بارہ آدمی بسہولت تمام رہ سکتے تھے۔ حکیم علی نے پہلے ہی سے اس مکان کے سارے لوازم مکمل کر رکھے تھے۔ فرش نہایت صفائی کے سجا سجایا تھا۔ ایک طرف کو بستر، سامان اور دیگر اسباب رکھا ہوا نظر پڑا اور اندر کمرہ کے طاقوں میں کتابیں سلیقہ کے ساتھ جمی ہوئی تھیں اور دوسری طرف کو دسترخوان مع لوازم تیار تھا۔ اکبر اس کو دیکھکر بے حد خوش ہوا، اور حیران رہ گیا۔ ان سب چیزوں کے تفصیلی معائنہ کی وجہ سے باہر نکلنے میں کچھ دیر ہو گئی تو سارے مصاحبین اور دوسرے لوگ پریشان ہو گئے کہ آخر کیا بات ہے جو جہاں پناہ کے نکلنے میں اتنی دیر ہو گئی۔ بادشاہ جب باہر نکل آیا تو سب کو اطمینان ہوا، اور اس نے سب لوگوں کے سامنے اس کمرہ کی حقیقت کما حقہٗ بیان کیا۔ اکبر نے خوش ہو کر حکیم علی کے اعزاز و مراتب بہت بلند کر دیے۔ میر حیدر علی معمائی نے جب یہ حوض مکمل ہوا، تو اس کی تاریخ تعمیر "حوض حکیم علیؒ" سے نکالی تھی۔

جب ۱۰۰۲ھ حکیم علی جہانگیر کے عہد میں آگرہ پر متعین ہوا تو اس نے بادشاہ کے حسب الحکم ۱۰۱۶ھ میں اسی قسم کا ایک اور حوض بنایا۔ جہانگیر نے اس حوض کے معائنہ کی تفصیل اپنی تزک میں بھی لکھی ہے وہ لکھتا ہے کہ "آج میں حکیم علی کے گھر اس حوض کا تماشہ دیکھنے گیا۔ جیسا کہ اس نے اس سے قبل والد کے عہد میں لاہور میں بنایا تھا۔ یہ ایک شش پہلو اور روشن حجرہ ہے"

جس کا راستہ پانی کے اندر سے ہے۔ اس میں پانی اندر نہیں آ سکتا۔ دس بارہ آدمی بخوبی اس میں بیٹھ سکتے ہیں۔"

اس حوض کو دیکھ کر جہانگیر نے حکیم علی کو دو ہزاری منصب پر فائز کیا (جس کی ماہوار بارہ ہزار روپیہ تھی) کہتے ہیں کہ آگرہ میں یہ مقام جمنا کے کنارے اب تک موجود ہے، اور حکیم کے باغ کے نام سے مشہور ہے یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ جہانگیر جب قلعہ سے کشتی پر سوار ہو کر اس حوض کو دیکھنے کے لیے نکلا۔ تو اس نے دریا میں اس قدر کیوڑہ بہا دیا تھا کہ کچھ دیر کے لیے سارا دریا کیوڑہ سے معطر ہو گیا تھا۔[1]

ایک دفعہ اکبر اسہال کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا تو اس حکیم نے علاج کیا، کوئی فائدہ نہ ہوا، اس لیے بادشاہ اس سے ناراض رہتا تھا۔ ایک دفعہ جب اس کے روبرو حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ کیا ہی افسوس ہے، تو میرے علاج میں بے پروائی کرتا ہے اور مجھے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ تو حکیم نے عرض کی کہ جہاں پناہ آج میں نے اپنی ساری طبابت ختم کر دی۔ اور انتہائی غور و خوض سے بھی علاج کیا لیکن میری بدقسمتی کہ فائدہ نہیں ہو رہا ہے، دیکھئے ایسی ایسی نایاب و بہترین دوائیں دی ہیں پھر بھی مزاج مبارک کو آرام نہیں ملتا۔ یہ کہنے کے بعد اس نے اپنی جیب سے ایک "پڑیا" نکالی اور پانی کے دو کوزے منگوائے، اور اس دوا کو ان کوزوں کے پانی میں ڈال دیا، جس سے فوراً پانی جم گیا، اور سارے لوگ یہ ماجرا دیکھ کر حیران ہو گئے۔[2]

---

[1] آثار خیر ص ۹۷ [2] مآثر الامراء بضمن تذکرہ حکیم علی گیلانی ۱۲

لکھا ہے کہ یہ حکیم کچھ بدقسمت تھا، اس لیے زیادہ آرام سے نہ گزر سکی علی عادل شاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھی بھیجا گیا تھا[1]۔ اس نے اپنی ذاتی آمدنی سے ہر سال چھ ہزار رُپے غربا کو طبی امداد بہم پہنچانے کے لیے وقف کر دیے تھے[2]۔ اس نے اپنی یادگار میں چند کتابیں بھی چھوڑی ہیں۔ قانون کی شرح بھی چار جلدوں میں لکھی اور ایک کتاب "مجربات علی گیلانی" کے نام سے مرتب کی تھی۔

حکیم ہمام۔ بادشاہ کا بڑا زبردست جلیس و انیس تھا، اور شہنشاہ اکبر کو اس سے بے انتہا محبت تھی اور بے حد عزت و وقعت کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب اس کو عبداللہ خاں والیٔ توران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تو اپنے فرمان میں اس کی نسبت یہ الفاظ لکھے کہ

"افادت و حکمت پناہ، زبدۂ مقربانِ ہواخواہ عمدہ محرمانِ کارآگاہ، یعنی حکیم ہمام کو ہم آپ کی خدمت میں اپنا سفیر بنا کر بھیجتے ہیں۔ یہ ہمارا مخلص راست گفتار و نیک کردار شخص ہے۔ اور جب سے کہ اس نے ملازمت شاہنشاہی کا شرف حاصل کیا ہے اُسے ہم نے ہمیشہ اپنے تقرب کی عزت بخشی ہے اور کسی حالت میں بھی ہمیں اس کی جدائی پسند نہیں رہی۔ اسی لیے ہم نے اس کو یہ مرتبہ دے رکھا ہے کہ وہ بغیر کسی توسط کے، راست ہم سے عرض معروض کیا کرتا ہے۔ آپ بھی اپنی مجلس گرامی میں اس کے ساتھ یہی سلوک روا رکھیں۔ یہ جو کچھ عرض کریگا، اس کو سمجھئے کہ آپ اور ہم بلا واسطہ آپس میں بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں[3]۔"

---

[1] رشید الدین خانی صفحہ ۲۰۹ [2] مآثر الامرا تذکرہ حکیم علی۔
[3] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۵۶۳ - یہ فرمان دفتر ابوالفضل حصہ اول میں بھی موجود ہے ۱۲

"جب حکیم ہمام ایران میں تھا، تو بادشاہ کو اس کی جدائی بڑی شاق گزرتی تھی، اور کہتا تھا کہ جب سے ہمام چلا گیا ہے ہمیں کھانا پینا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے بھائی ابوالفتح گیلانی سے کہتا کہ تمہارا حقیقی بھائی ہونے کے باوجود تم کو اسقدر رنج نہ ہوگا، جتنا کہ مجھے ہے[1]۔"

حکیم شیخ حسن پانی پتی اس کو دربار شاہی سے مقرب خاں کا بھی خطاب عطا ہوا تھا اور عام طور پر لوگ اسے "حسو" کہا کرتے تھے۔ یہ اکبری عہد کا ایسا باکمال جراح تھا کہ اس وقت اسکی کوئی ہمسری نہ کرسکتا تھا۔ شاہی جراح ہونیکے ساتھ ساتھ طبیب بھی تھا۔ صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ خصوصیت سے ہاتھیوں کے علاج میں بڑی شہرت حاصل کی تھی، اور یہ علاج اسی کی نادر وعجیب و غریب ایجاد سے تھا۔ ۱۰۴۰ھ میں اتفاق سے ایک ہرن کے سنگھوں کو بادشاہ سنگوٹیاں چڑھا رہا تھا کہ وہ بدک کر بادشاہ کے ہاتھوں میں سے بھاگ نکلا۔ اور اس بری طریقہ سے بھاگا کہ بادشاہ کے خصیہ کو صدمہ پہنچا، اور ورم کر گیا۔ جس کی وجہ سے چلنا پھرنا اور اٹھنا بیٹھنا دشوار ہو گیا حکیم مصری اور حکیم علی نے علاج میں بہت سر مارا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ جب شیخ حسن اور اس کے باپ نے بادشاہ کا علاج کیا، اور ایسی مرہم پٹی کی کہ بہت جلد آرام ہو گیا۔ جس کی وجہ سے بادشاہ بے حد خوش ہوا[2]۔

شیخ حسن مقرب خاں نے "عین الشفاء" کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی۔ لکھا ہے کہ یہ کتاب "طب سکندری" وغیرہ کے نسخوں اور بیانوں کا تجربہ کرنے کے بعد میں نے مرتب کی ہے۔ جو پوری میری آزمودہ ہے۔

---

[1] مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۵۶

[2] مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۳۷۹۔

اس کتاب میں بھی ہندی و یونانی طب کا اچھا امتزاج کیا ہے۔ کل کتاب (۷۰) فصلوں پر مشتمل ہے۔ اور احمد شاہ بادشاہ کے ۱۷ سنہ جلوس میں اس کی نقل یا کتابت عمل میں آئی ہے۔ اور ساری کتاب (۲۳۵) صفحوں پر حاوی ہے۔

حکیم عین الملک شیرازی۔ اس کا نام نورالدین محمد عبداللہ تھا۔ یہ باکمال طبیب دربار اکبری میں بڑی عزت رکھتا تھا۔ فیضی کا شاگرد اور اس کا بھانجا تھا۔ طبیب ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھا۔ اور دوائی تخلص کیا کرتا تھا۔ اپنے خلق و مروت کے باعث بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ پہلے لاہور پر متعین کیا گیا، بعد میں ابوالمظفر علی عادل شاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ موضع ہانڈیہ میں انتقال کیا۔

اس نے بہت سی کتابیں تالیف کی تھیں۔ الفاظ الادویہ[2]، جامع الاطباء، سبب ستہ رشیدیہ، اور فوائد الانسان ہماری نظر سے گزر چکی ہیں۔ فوائد الانسان پوری منظوم کتاب ہے، اور اس کتاب کا نام اکبر کا ہی رکھا ہوا ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب تین سال کے عرصہ میں منظوم کی، اور اس کے بعد بادشاہ سے اس کے نام کے لیے درخواست کی تو بادشاہ کی زبان سے بے اختیار یہ موزوں مصرع نکلا ع

"شدہ اتمش فوائد الانسان"

اس کتاب میں مفرد ادویہ کے افعال و خواص لکھے ہیں، اور آخر پر مرکب نسخے بھی درج کیے ہیں۔

---

[1] تاریخ رشیدالدین خانی ص ۲۰۹ [2] اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے اور ایک نسخہ انجمن ترقی اردو کے کتب خانہ میں بھی تھا۔ "الفاظ الادویہ" کتاب کا تاریخی نام ہے۔ یہ کتاب ادویہ کے ہندی، ترکی، سریانی، رومی، فارسی، عربی وغیرہ زبانوں کے ناموں کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ ۱۰۳۰ھ

طب کے سوائے اس نے ایک اور کتاب بھی فیضی کے وہ نشآت جمع کرکے مرتب کی ہے، جو ابوالفضل سے مرتب کرنے میں رہ گئے تھے۔ اور آخر کتاب پر خود اپنے خطوط بھی جمع کر دیے ہیں۔ یہ ایک تاریخی اور نہایت عمدہ چیز ہے۔ اس مجموعہ سے بھی اکبر کے دور پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے۔ (اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی موجود ہے)۔

حکیم فتح اللہ گیلانی۔ یہ طبیب کابل میں متعین کیا گیا تھا طب میں بڑی مہارت حاصل کی تھی، اور اکثر و بیشتر اپنی زندگی ایک طب کے طالبعلم کی حیثیت سے گزاری۔ علم ہیئت میں بھی مہارت پیدا کی تھی۔ "قانون" کا فارسی میں ۱۰۰۲ھ میں ترجمہ کیا تھا۔ جو غالباً چھپ چکا ہے۔

اکبر کے عہد میں مشہور مورخ علامہ شمس الدین محمد شہ زوری کی کتاب "تاریخ حکماء" کا ترجمہ خود بادشاہ کے حسب الحکم ۱۰۱۱ھ میں مقصود علی تامی نے کیا۔ جو حکماء کے حالات میں ایک اچھی اور عمدہ کتاب سمجھی جاتی ہے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں متذکرہ یا لاطبیبوں کے سوا حسب ذیل مشاہیر اطباء کے نام درج کیے ہیں:۔

ملا میر طبیب ہروی، حکیم زنبل بیگ شیرازی، حکیم حسن گیلانی حکیم حسن، حکیم ارسطو، حکیم مسیح الملک شیرازی، حکیم جلال الدین مظفر عربستانی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم سیف الملک، حکیم الملک گیلانی، شیخ بینا، حکیم شفائی، حکیم نعمت اللہ، حکیم داوی، حکیم طلب علی، حکیم عبدالرحیم، حکیم روح اللہ، حکیم فخرالدین، حکیم محمد اسحٰق مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیتوجی۔

اکبر نے جہاں بہترین اور چوٹی کے اطباء جمع کر رکھے تھے وہاں رفاہ عام کیلیے

اس نے حکیم ابو الفتح گیلانی کی تجویز کے مطابق ساری سلطنت میں مختلف مقامات پر شفا خانے قایم کر دیے[1]۔ جن کی تفصیل فی الحال معلوم نہ ہو سکی البتہ دار الخلافت اکبر آباد میں متعدد شفا خانے موجود تھے[2]۔ منشی سیل چند نے بھی اپنی تاریخ آگرہ میں بلا تعین مقامات شفا خانوں کے قیام کے متعلق لکھا ہے کہ بہت سے بیمار خانے بنائے گئے تھے، اور اس فن کو ترقی دینے کی بڑی کوشش کی گئی تھی۔

جہانگیری طب اکبر کے بعد جب مملکت ہند کا تاج جہانگیر کے زیب سر ہوا تو اس نے جلوس (۱۶۰۵ء) کے ساتھ ہی یہ حکم صادر فرمایا کہ :-

"در شہرہائے کلاں دار الشفاہا ساختہ اطبا، بجہت معالجۂ بیماراں تعین نمایند، و آنچہ صرف و خرچ می شدہ باشد از سرکار خالصہ شریفہ می دادہ باشند"۔

اس عہد کے نامور اطباء میں حکیم روح اللہ کابلی، حکیم علی گیلانی (جس کا ذکر اکبر کے عہد میں آ چکا ہے) حکیم رکنا کاشی، حکیم صدرا، حکیم عبد الشکور، علی اکبر، امان اللہ المخاطب خان زمان بن مہابت خان وغیرہ تھے۔

سنہ ۱۳ جلوس میں جب جہانگیر سخت بیمار رہا، اور تمام ہندی و مسلمان اطباء علاج سے عاجز آ گئے، تو اس موقع پر حکیم روح اللہ نے شہنشاہ کا بڑا معرکۃ الآراء علاج کیا۔ جس سے بادشاہ کو صحت نصیب ہو گئی۔ بعدِ صحت جہانگیر نے اس حکیم کے مراتب میں اضافہ فرمایا۔

---

[1] اکبر نامہ جلد سوم ص ۳۱۱ نولکشور ۱۲ [2] آثار خیر ص ۹۱ ۱۲

انعام و جاگیر کے سوا، اس کو اس کے ہم وزن سونا مرحمت کیا[1]۔

حکیم عبدالشکور کے متعلق لکھا ہے کہ ۹ سنہ جلوس میں جہانگیر کے سر میں سخت درد اٹھا، کسی علاج معالجہ سے کم نہ ہوا، تمام اطبا رتھک گئے، مگر مرض دفع نہ ہو سکا۔ آخر بادشاہ کو اس کے علاج سے صحت نصیب ہوئی۔

حکیم رُکنا کاشی، حکیم نظام الدین احمد کاشی کا بیٹا تھا۔ ابتدا میں شاہ عباس فرمانروائے ایران کی سرکار میں ملازم تھا۔ وہاں سے ہندوستان آکر شاہی ملازمت میں داخل ہوا۔ ۲۴ ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ پاتا تھا۔

علی اکبر۔ جہانگیر کے عہد کا بڑا باکمال جراح تھا۔ ۱۳ سنہ جلوس میں بادشاہ نے ایک ہزار روپیہ انعام سے سرفراز کیا تھا۔

حکیم صدرا۔ مسیح الزماں نام تھا، اور مسیح اللہی تخلص کیا کرتا تھا، اس کو دربار میں سہ ہزاری، پانسو سوار کا منصب تھا، اور "عرض مکرر" کی خدمت پر فائز تھا۔ یہ خدمت ایسی تھی جس کو سوائے بادشاہ کے معتمد علیہ اور مزاج داں آدمی کے، کوئی دوسرا انجام نہیں دے سکتا تھا[2]۔ ۱۶ سنہ جلوس میں بادشاہ نے سفر حج کے لیے بیس ہزار رُپئے مرحمت کیے۔ شاہ جہاں کے عہد میں لاہور میں متعین رہا۔ پھر یہاں سے سورت پر مامور کیا گیا۔ سالانہ پچاس ہزار روپیہ تنخواہ مقرر تھی۔ ایک دفعہ دس ہزار رُپیے بھی انعام میں مرحمت ہوئے۔

حکیم امان اللہ خاں۔ اس کا خطاب خان زماں تھا۔ یہ جہانگیری عہد کے مشہور سپہ سالار مہابت خاں فیروز جنگ کا لڑکا تھا، اور امانی تخلص کیا کرتا تھا۔ صاحبِ دیوان گزرا ہے۔ لوگ حیرت کرتے تھے کہ

---

[1] آثار خیر ص ۱۰۱ [2] مآثر الامراء جلد اول ص ۵۷۷

ایک ایسے باپ کا اس قدر لایق بیٹا کیونکر ہوا، علم وفضل میں بڑی دست گاہ رکھتا تھا۔ اس نے ۱۰۴۷ھ میں وفات پائی اور کسی نے سال وفات "رستم زمانہ مرد" لکھا۔ باپ کے برخلاف نہایت خوبیوں اور عمدہ صفات کا مالک تھا۔ علم وفضل کے ساتھ ساتھ اس کو طب سے بھی بڑی دلچسپی تھی چنانچہ اس نے اپنی یادگار میں "گنج باد آورد" کے نام سے ایک اچھی کتاب چھوڑی ہے[1]۔ ہم نے اس کی یہ تالیف دیکھی ہے جو بادی النظر میں ناقص معلوم ہوتی ہے، کیونکہ شروع صفحہ ہی سے اس کا آغاز "فتح دہم" کی تحت ہوتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت ہی ضخیم ہوگی اور ناقص الاول والآخر ہے۔ پھر بھی اس حالت میں اس کے (۶۰۴) صفحے ہیں۔ شروع میں اوزان طبی کی تفصیل ہے۔ اس کے بعد مفرد ادویہ کا لغت ہے۔ آخر پر بلحاظ امراض مفرد ادویہ کے نام لکھے ہیں اور مرکبات کے بھی نسخے ایک علیحدہ باب میں درج کیے ہیں اور اس میں بھی بڑی خوبی یہ ہے کہ مولف نے ہندی ادویہ بھی اس میں شریک کرلی ہیں اور ان کے بھی افعال و خواص درج کیے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مؤلف نے قطب شاہی عہد کی مشہور طبی تصنیف "میزان الطبائع قطب شاہی" سے فائدہ اٹھایا ہے۔

جہانگیری عہد میں ان اطباء کے بھی نام پڑھنے میں آتے ہیں جو اس دور میں مشہور تھے۔ حکیم ابوالقاسم گیلانی، حکیم مومنائی شیرازی حکیم حمید گجراتی، حکیم یادعلی، مقیم بید گجراتی، حکیم تقی گجراتی۔

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ۴۰ ۱۲

طب شاہجہانی الطاف میں ہندوستان کی حکومت نے کچھ آرام و اطمینان حاصل کرنے کے لیے شہزادۂ خورم کو اپنی بادشاہت کیلیے منتخب کیا جو شہاب الدین شاہجہاں کے لقب سے دلی کا نامور اور صاحب عظمت و جلال، شہنشاہ گزرا ہے۔ اس کی علمی قدر دانیوں اور رفاہِ عامہ سے دلچسپیوں کے باعث سارے مملکت ہند میں عجیب رونق اور چہل پہل تھی۔ اس نے اپنے باپ جہانگیر کی "سنت" یعنی شفا خانوں کے رواج کو ترقی دینے کے لیے کوششیں کیں۔ اس کے عہد کے امن و امان میں فن طبابت کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اطبار کی وہ وہ قدر دانیاں کی ہیں کہ آج تک کسی نے اتنی فیاضی نہ دکھلائی ہوگی۔ چنانچہ ملا عبد الحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ میں حکیم میر محمد ہاشم کے حالات کی ضمن میں لکھا ہے کہ جب بادشاہ کو حکیم موصوف کے کمالات وعلم و فضل کا علم ہوا تو اس نے ان کی بڑی عزت کی، اور خصوصاً ان کی طبی دستگاہ سے وہ بہت متاثر ہوا۔ قدر دانی کے طور پر صدارت کی خدمت کے ساتھ ساتھ احمد آباد کی طبابت پر بھی مامور فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "احمد آباد" میں بھی ایک بڑا اشفاخانہ موجود تھا۔

شاہجہاں نے جامع مسجد کے عقب میں، شمال کی طرف ایک دار الشفاء بنوایا تھا، جس میں فاضل اطبار مقرر تھے اور بیماروں کو دوا ملتی تھی۔ غالباً یہ ۱۰۶۰ھ میں تیار ہوا تھا[1]۔

اس بادشاہ کے دربار میں حکیم محمد داؤد و تقرب خاں، حکیم ابوالقاسم گیلانی، حکیم مومنائی (جو جہانگیر کے عہد میں بھی تھے) حکیم فتح اللہ، حکیم حاذق

---

[1] آثار صنادید ص ۹۶ باب تیسرا۔ ۱۲

حکیم خوش حال، حکیم جالائے کاشی، جاگ جیون جراح عارف جراح، ماموں جراح
سید عبداللہ خاں فیروز جنگ وغیرہ موجود تھے۔ ان میں سے چند کے مختصر حالات
ہم پیش کرتے ہیں۔

تقرب خاں کے متعلق لکھا ہے کہ جب یہ حکیم پہلی دفعہ دربار شاہجہانی میں
حاضر ہوا، تو بادشاہ نے بیس ہزار روپیے مرحمت کیے اور منصب ہزاری سے
سرفراز کیا۔ اتفاق سے ملکۃ الزمانی کے کپڑوں میں آگ لگ گئی جس سے
شہزادی کا جسم جل گیا۔ بادشاہ اس رنج و الم کے واقعہ سے بے حد متاثر
رہا۔ اور خود ہی تیمار داری کیا کرتا تھا۔ پہلے تین دن تک تو تصدقاً پانچ ہزار
اشرفیاں اور پانچ ہزار روپیے محتاجوں کو مرحمت کیے اور جب تک صحت نصیب
نہ ہوئی ہر روز ایک ہزار روپیے بخشش کیے جاتے تھے۔ تقریباً سال بھر میں
تین لاکھ ساٹھ ہزار روپے صرف محتاجوں پر بطور تصدق تقسیم کیے اور اس کے
علاوہ (۷) لاکھ روپے کہیں سے وصول طلب تھے۔ وہ معاف فرما دیے۔
اس بات پر غور فرمائیے کہ بادشاہ کو اس کی صحت کس قدر عزیز نہ ہوگی۔ چنانچہ
بڑے بڑے حکماء نے علاج کیا۔ کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ شہزادی کی آنکھیں
جل جانے کی وجہ سے ورم کر گئی تھیں، بخار رہا کرتا تھا، اور بے حد جسمانی تکلیف
میں مبتلا تھی۔ ایسے موقع پر حکیم تقرب خاں نے علاج کیا۔ اور خدا کے فضل
سے شہزادی کو آرام نصیب ہو گیا۔ شاہ جہاں انتہا سے زیادہ خوش ہوا۔
اور تقرب خاں کو جشن صحت میں اس کے ہزاری منصب میں دو سو سواروں
کا اضافہ فرمایا۔ اور بڑے بڑے شاہانہ عطیے سرفراز فرمائے اور حکم دیا کہ
ایک سال تک جمعہ کے دن جو پیش کش بھی وصول ہو وہ حکیم تقرب خاں
کو دے دیا جایا کرے۔

حکیم موصوف نے ایک اور نازک ترین موقع پر اکبر آبادی محل کا علاج کیا، اور اپنے فن کے بہت بڑے کمال کا اظہار کیا۔ جس سے بادشاہ نے خوش ہو کر چار ہزاری منصب سے مفتخر کیا۔

خود شاہجہاں بادشاہ کو ایک دفعہ "حبس بول" کی شکایت ہو گئی تھی۔ علاج کے بعد اس کی بجائے "سلس البول" اور قبض پیدا ہو گیا۔ بہتوں نے علاج کیا، لیکن افاقہ نہ ہو سکا۔ جب تقرب خان نے معالجہ شروع کیا، اور نسخہ میں "شیر خشت" شریک کیا، تو بادشاہ کو بے حد آرام ہو گیا۔ اس کے صلہ میں شاہ جہاں نے حکیم کے مراتب میں اور اضافہ کر کے پنجہزاری منصب پر فائز فرما دیا۔[1]

جگ جیون جراح عہد شاہجہانی کا ایک بے نظیر جراح سمجھا جاتا تھا اس کے علاوہ اور دو جراح بھی مشہور تھے۔ جن کا نام عارف و ہامون تھا۔ اول الذکر کو بادشاہ نے سات ہزار روپے مرحمت کیے تھے، اور دوسرے کو اس کے ہم وزن روپیہ سے سرفراز کیا تھا۔

سید عبداللہ خاں فیروز جنگ۔ یہ شاہ جہاں کے عہد کے مشہور امراء میں سے تھا اور اکثر مہموں میں بھیجا جاتا تھا۔ اور وہاں سے فتح و فیروزی کے ساتھ مراجعت کرتا، بادشاہ کے دربار میں اس کا بہت اعزاز تھا۔ اس نے "فرس نامہ" کے نام سے ایک خاص کتاب لکھی ہے۔ سبب تالیف میں لکھتا ہے کہ

میں نے بادشاہ شاہجہاں کے حکم سے رانائے چتور امر سنگھ پر فوج کشی کی اور سلطان کے اقبال سے ایسے مغرور راجہ پر فتح پائی اس فتح میں جو مال

---

[1] مآثر الامراء جلد اول ص ۵۹۰۔ ۱۲

غنیمت ہاتھ لگا اس میں کتابوں کے چند صندوق میرے ہاتھ لگے، جن میں ہندی کتب کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ ان کتابوں میں ایک کتاب "ساونتر" بھی موجود تھی۔ تو میں نے اس کو اس قدر اہم پایا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ کردیا۔ اور یہ کتاب مرتب کی۔ اس میں لکھا ہے کہ شاہ جہاں کے طویلہ میں اس کے صرف خاص کے گھوڑے صرف بارہ ہزار تھے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ایک اور اہم کتاب کا پتہ چلتا ہے وہ لکھتا ہے کہ

سلطان مظفر شاہ گجراتی

نے "سہس کرت" نامی ایک کتاب کا ترجمہ خود کیا تھا، یا کسی سے کرایا تھا۔ ہم نے اس کتاب ساونتر کے متعدد نسخے دیکھے ہیں۔

شاہ جہاں کے عہد میں فنِ طب کو بہت بڑا عروج حاصل تھا۔ ادھر اہلِ فن، الگ اپنے اپنے کمالات کے اظہار میں مصروف تھے تو خود دربار کے امراء نے بھی اس سے گہری دلچسپی لی، اور خود تالیف و تصنیف کی کی صورت میں اپنی یادگاریں چھوڑیں، لیکن ان سب باتوں سے زیادہ قابلِ قدر یہ چیز ہے کہ بادشاہ کا سب سے بڑا لڑکا اور ولی عہد سلطنت دارا شکوہ جہاں بہت سے علوم و فنون کا دلدادہ تھا، اس فنِ طب سے خاص شغف رکھتا اس نے بھی اپنے اِرد گِرد، اچھے اطباء جمع کر رکھے تھے اور خود اس فن میں مہارتِ تامہ حاصل کی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ اس شہزادہ کے لیے فن طب کی کتابوں کا بہت بڑا اور بہترین ذخیرہ مہیا کیا گیا تھا۔ اس کے دربار کے ایک طبیب نے شہزادہ کی یادگار میں "طب دارا شکوہی" کے نام سے ایک عظیم الشان اور بے مثل مجموعہ مرتب کیا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری نظر سے فی الحال اس کا مکمل نسخہ نہیں گزرا۔

جو نسخہ پیشِ نظر ہے، وہ گفتار ہشتم سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پیشتر سات مقالے اس کے اور ہونگے۔ اس میں بھی یونانی اور ہندی طب کو ممتزج کردیا ہے۔ خود مؤلف کے تجربات ہیں، اور نسخوں کی اہمیت و معالجات کی تفصیلی تاریخ اور ان کے تجربہ کے حالات بھی درج کیے ہیں۔ جس سے اس کتاب کی اہمیت دوسری کتابوں کی بہ نسبت ایک خاص ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ ۱۰۴۲ھ میں جب قلعۂ دولت آباد و ملک دکن کو حضرت صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ نے فتح کیا، اور یہاں قیام فرما رہے، تو بادشاہ کو خاص طور پر ایک شخص نے یہ روغن کا نسخہ بتایا تھا۔ جس کا حضرت بادشاہ سلامت نے تجربہ بھی فرمایا تھا۔ اس وقت سے اب جبکہ میں ۱۰۵۶ھ میں مجموعہ مرتب کر رہا ہوں، وہ نسخہ مجھے بھی فرطِ عنایاتِ بادشاہی سے سرفراز ہوا ہے، اور میرے کامل تجربہ میں آچکا ہے۔ میں نے جس کسی کا اس نسخہ سے علاج کیا خدا کے فضل سے ہر جگہ کامیابی نصیب ہوئی۔

گفتار ہشتم جہاں سے کہ پیش نظر نسخہ شروع ہوتا ہے۔ یہ استحمام، فصد، حجامت، داغ، اور جونک لگانے کے بیان پر مشتمل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ مصور تیار کیا گیا تھا۔ اس آٹھویں باب میں مقامات حجامت کو دکھلانے کے لیے نہایت عمدہ تین انسانی تصویریں دی ہیں، اور ان میں مقامات کی نہایت عمدگی سے تشریح کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ فلاں فلاں مقام پر حجامت سے فلاں فلاں مرض کو فائدہ ہوگا۔

یہ مجموعہ جو ناقص الاول والآخر ہے۔ بہت بڑی تقطیع کے (۴۵۳) صفحوں پر حاوی ہے۔ کاش اس کا مکمل نسخہ دستیاب ہو جائے۔ تو اس

کتاب پر تفصیل کے ساتھ روشنی پڑ سکیگی۔ صفحہ ۳۶۴ کی ایک عبارت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے، اس مجموعہ کے مرتب کا نام نورالدین محمدؐ ہو۔ شاید اسی کا خطاب حکیم صدر المسیح الزماں ہے، جو حکیم فخرالدین محمد شیرازی کا بیٹا تھا۔ ہم کسی اور موقع پر اس کی کامل تحقیقات کرینگے۔

طب کی عالمگیری سیادت اورنگ زیب جیسے خدا ترس اور ہمدرد انسان بادشاہ کو اس ضروری امر کی طرف توجہ نہ ہوتی تو بڑا تعجب تھا۔ اس نے اپنے "آباء ِ ادینؒ" کے نقشِ قدم پر طب اور اطباء دونوں کی سرپرستی میں وہی شاہانہ روایات برقرار ہی نہیں رکھیں۔ بلکہ ان میں معتدبہ اضافہ کیا۔

عالمگیر کے عہد میں خاص شہر دہلی کے سوا ممالک محروسہ مغلیہ کے سارے بڑے بڑے شہروں میں اعلیٰ درجہ کے شفاخانے موجود تھے۔ شہر سورت میں بھی ایک شفاخانہ تھا۔ جب اس شفاخانہ کے افسر الاطباء کی جایداد خالی ہوئی، تو سید سعداللہ نامی ایک بزرگ نے، جو سورت ہی کے رہنے والے تھے اور جنھیں بادشاہ کے مزاج میں رسوخ حاصل تھا، اس عہدہ کے لیے حکیم اشرف کے لڑکے کی سفارش کی۔ تو بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری، مگر سید موصوف کی خاطر ان کی اس سفارش کو قبول کر لیا۔ اور آئندہ کے لیے اس قسم کی سفارش کی ممانعت کر دی۔ رقعات عالمگیری اور منتخب اللباب نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

اورنگ زیب کے عہد تک شفاخانوں کا اس قدر رواج ہو چلا تھا کہ شاہی ہاسپتالوں کے سوا بہت سے امراء نے خود اپنے ذاتی صرفہ سے کئی شفاخانے جاری کر رکھے تھے۔ چنانچہ اس عہد میں اٹاوہ کے فوجدار نواب خیر اندیش خان کنبوہ نے اپنے علاقہ میں ایک شفاخانہ قایم کیا تھا اس میں

ہندو مسلمان یونانی و وید دونوں شامل تھے۔ اس دواخانے کے اطبا میں مرزا محمد علی بخاری، حکیم محمد عادل، حکیم محمد اعظم، حکیم عبدالرزاق نیشاپوری، حکیم عبدالمجید صفاہانی، کنول نین، سکھانند، اور نین سکھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اور غریبوں کے لیے مفت علاج معالجہ کا انتظام تھا۔ لکھا ہے کہ خود نواب خیر اندیش خاں طب میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے اور "خیر التجارب" کے نام سے ایک کتاب یادگار چھوڑی[1]۔ اپنی اس کتاب کے دیباچہ میں وہ یہ لکھتے ہیں :—

"اما بعد این قلیل البضاعت کثیر العصیان مسمی بہ محمد خاں مخاطب بہ خیراندیش خاں کہ برائے اکتساب ثواب اُخروی در بلدہ اٹاوہ دارالشفاء بنا ساختہ اکثر اطبا یونانی (ان حکماء کے نام ہم نے اوپر ہی لکھ دیے ہیں) و مشیرانِ ہندی کہ رفیق قدیم این احقر اند۔ ماسور ساختہ تا دواہائے قیمتی و سہل البیع از ہر اقسام معہ غذاہائے ایحتاج برائے مساکین و غربا مہیا دارند، و لوازمات معالجات و بیمار داری با عنوان شایستہ تبقدیم رسانند، چنانچہ بہ فضل الٰہی حسب دلخواہ کارخانہ جاری است۔"

اورنگ زیبی عہد میں مشاہیر حکما میں حکیم صادق خاں، حکیم الملک محمد مہدی حکیم محمد امین عالمگیری، حکیم محمد اکبر ارزانی وغیرہ موجود تھے۔

ان میں حکیم الملک محمد مہدی کو دربار شاہی میں بڑا رتبہ حاصل تھا۔ انہوں نے شہزادہ محمد اعظم کے مرضِ استسقاء کا بڑا معرکۃ الآراء علاج کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ شہزادہ کا جسم اس مرض کی وجہ سے اس قدر متورم تھا کہ چودہ گرہ کی بھی آستین اس کے ہاتھ پر تنگ ہوتی تھی۔ اور پائجامہ کے پائنچے کا دور ایک گز چھ گرہ بھی کافی نہ ہوتا تھا اس سے اُس شاہزادہ کے مرض کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ

[1] آثار خیر صہ ۹۳ ۱۲

کس قدر نازک اور ابتر حالت ہو چکی ہو گی۔ بادشاہ کو شہزادہ سے بے انتہا محبت تھی، روزانہ اس کے دیکھنے کے لیے آیا کرتا تھا۔ زیب النسا بیگم جو اس کی حقیقی بہن تھی، اس کے لیے پرہیزی غذاؤں کا انتظام کیا کرتی تھی، اور خود بھی اس کی خاطر پرہیزی غذائیں کھاتی تھیں۔ سارے اطبار شہزادہ کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ جب حکیم الملک نے معالجہ شروع کیا، تو پروردگارِ عالم نے اپنے فضل سے اس کے علاج کی وجہ سے شفا بخشی، اور شہزادہ صحت یاب ہو گیا۔ بادشاہ کو بے اندازہ مسرت ہوئی، اور حکیم موصوف کو چار ہزاری منصب سے مفتخر فرمایا۔[1]

صاحبِ مآثرِ عالمگیری نے اس علالت سے متعلق ایک قصہ یہ بھی لکھا ہے جس کو خود اس نے، شہزادہ کی زبان سے سُنا، جب کہ وہ اپنے پدر بزرگوار یعنی عالمگیر بادشاہ سے عرض کر رہا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ شہزادہ نے کہا کہ ایک دن مرض کی شدت انتہا کو پہنچ چکی تھی اور تمام لوگ مایوس ہو کر رونے لگے تھے، اور سب لوگوں کو یہ گمان ہو چکا تھا کہ میرا جسم عنقریب تڑک جائیگا اسی دن کچھ نیند اور بیداری کے عالم میں میرے پاس ایک پیر نورانی تشریف لائے، اور مجھے ہدایت فرمائی کہ تو توبۂ نصوح کر انشاء اللہ تعالیٰ شفا ہو جائیگی۔ چنانچہ میں نے توبہ کی، اور غفلت کے بعد جب بیدار ہوا تو پیشاب کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس قدر آیا کہ دو بڑے بڑے طشت بھر گئے۔

ایکدفعہ جب خود شہنشاہ عالمگیر ۱۱۱۶ھ میں بیمار ہوا تو حکیم الملک نے بادشاہ کا علاج کیا۔ جب صحت نصیب ہوئی تو حکیم موصوف کو اس کے

[1] مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۵۶۹

۱۲

ہم وزن اشرفیاں مرحمت فرمائیں، اور اسی موقع پر حکیم الملک کا خطاب[1] دیا۔

حکیم محمد اکبر عرف محمد ارزانی۔ حاجی محمد مقیم کے صاحبزادے تھے، یہ وہی مشہور و معروف طبیب ہیں جن کی تصانیف سے میزان الطب، طب اکبر، قرابادین قادری، حدود الامراض، مجربات اکبری وغیرہ جیسی مقبول عام متعدد کتابیں ہیں جو آج تک سارے ہندوستان کے طبی مدارس میں شریک درس ہوتی چلی آئی ہیں۔ اور نہایت معتبر درجہ رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کی مقبولیت سے مصنف کے علم و فضل کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کس قدر عمدہ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں جو بہت سی بڑی بڑی کتابوں سے ایک ابتدائی اور متوسط آدمی کو بھی بے نیاز کر دیتی ہیں۔ طب اکبر کے دیباچہ میں انھوں نے (جو ۱۱۱۲ھ کی تالیف ہے) لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب عالمگیر بادشاہ غازی کے دکن فتح کرکے واپس دارالسلطنت آنے کے بعد ختم کی ہے۔

ان کی ایک اور خاص کتاب سے بہت کم لوگ واقف ہونگے۔ انھوں نے بھی "طب ہندی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جو ہندی ادویہ سے متعلق قابل قدر کتاب ہے۔ ان کے بھائی محمد اصغر بھی طبیب تھے، لیکن بڑے بھائی کے مقابلہ میں ان کو شہرت نصیب نہ ہوسکی۔ "مجربات اصغری" کے نام سے ایک تالیف بھی یادگار چھوڑی۔

عالمگیری دور کی اور دو کتابیں ہماری نظر سے گزریں ایک کا نام تحفۃ الاطباء ہے، جس کا مؤلف حکیم شیخ احمد قنوجی ہے۔

مؤلف نے لکھا ہے کہ اس نے یہ کتاب کسی کتاب سے منظوم ترجمہ کی ہے، لیکن اس قدر اضافے کیے ہیں کہ اصل کتاب میں اور اس میں

---

[1] آثار خیر صفحہ ۱۰۵ ۱۲

مطابقت ہونی مشکل ہے۔

دیباچہ کے شروع میں اورنگ زیب کی گولکنڈہ پر چڑھائی اور سلطان ابوالحسن تانا شاہ کی قید کا سرسری طور پر ذکر بھی کیا ہے، حسب معمول طبی نعت منظوم ہے، اور بعد میں مرکبات درج ہیں۔ پھر امراض اور ان کے معالجات وغیرہ غرض طب کی ہر شاخ پر مصنف نے معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور ساری کتاب منظوم ہے۔ بڑی تقطیع کے قریباً تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور کئی بڑے بڑے ابواب پر حاوی ہے۔

اس نے دیوانہ کتے کے زہر کے علاج میں فصد کھلوانے کی رائے دیتے ہوئے ایک قصہ لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ شاہی خواجہ سرا (بختاور) نے مجھ سے بیان کیا کہ دربار شاہی میں داخل ہونے سے پہلے ہم تین شخص ایک جگہ رہا کرتے تھے اتفاق سے ہم تینوں کو ایک دیوانہ کتے نے کاٹ کھایا، ہم میں سے ایک تو مر گیا، اور دوسرا سخت مریض رہا، اور میں نے فوراً ایک فصد لگانے والے کے پاس جا کر فصد کھلوائی، اور اس کے بعد ضماد اور دوسری دوائیاں لگاتا رہا، جب تک زخم ہرا رہا، اس سے رطوبت برابر جاری رہتی تھی، اور اس اثناء میں میری دماغی حالت درست نہ تھی، اور ہر وقت کتے کی سی آوازیں لگانے کو جی چاہتا تھا، جب زخم بھر گئے تو میں بہت جلد اچھا ہو گیا، اور جان سے بچ گیا۔ اور یہ زندگی مجھے فصد کھلوانے کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ ورنہ میں بھی اپنے ساتھی کی طرح مر جاتا۔

دوسری کتاب "ریاض عالمگیری" کے نام سے دیکھی گئی، جس کا مؤلف محمد رضا شیرازی ہے۔ اس نے بڑی محنت اور تفصیل سے یہ کتاب لکھ کر شہنشاہ اورنگ زیب کے نذر کی۔ جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم کا نام

"ریاضِ مناظر" لکھا ہے۔ غالباً یہ کتاب سنہ ۱۶۶۲ء میں لکھی گئی ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں ہی وہ مشہور و معروف ڈاکٹر بھی تھا، جس کا نام "برنیر" ہے اس نے اپنا ایک سفرنامہ بھی لکھا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ شایع ہو چکا ہے۔ اُسے دربارِ شاہی سے ماہانہ تین سو روپے ماہوار مقرر تھے یہ شاہ جہاں کے اواخر عہد میں ہندوستان آیا تھا۔ کچھ دن اس کی ملازمت میں بھی گزارے۔ بعد میں نواب دانشمند خاں کے ملازمت میں چلا گیا۔ اور آٹھ برس تک سلطنت مغلیہ کا تنخواہ دار رہا۔

محمد شاہی دارالصحت | فردوس آرام گاہ محمد شاہ کے عہد تک دلّی میں ایک بڑا شفا خانہ قایم تھا اور اس کے سوا چھوٹے چھوٹے دیگر شفا خانے بھی موجود تھے اس جنرل ہاسپتال کے مہتمم حکیم قوام الدین خاں تھے۔ اس دارالشفاء کا خرچ سالانہ تین لاکھ روپیہ مقرر[1] تھا۔ اس بادشاہ کے دَور میں بھی کئی نامی گرامی طبیب تھے، جن میں حکیم غلام علی خاں اور معتمد الملوک حکیم علوی خاں چوٹی کے اطباء شمار کیے جاتے تھے۔ علوی خاں کا نام تو آج تک بھی زندہ چلا آتا ہے۔ اور کون ہے جو اُن کی حذاقت کے کارناموں سے واقف نہیں۔ ان کا ایک قصہ بڑا شہرۂ آفاق ہے۔

علوی خاں کا اعجاز | کہتے ہیں کہ جب نادر شاہ نے دلّی کی لوٹ و غارتگری کے بعد دیارِ ایران کا قصد کیا، تو یہاں کے اہلِ کمال کو بھی چن چن کر ہمراہ لے لیا۔ ان میں حکیم علوی خاں بھی "دست بدستے دگرے" چلے جا رہے تھے کسی ایک منزل پر پہنچ کر حکیم علوی خاں کو نادر نے بلایا۔ اور کہا کہ "میں مریض ہوں علاج کرو، مگر شرط یہ ہے کہ میں کوئی دوا نہ پیونگا، نہ کوئی بیرونی طور پر

---

[1] المشاہیر ص ۲۲۹، ۱۲

ضماد وغیرہ لگاؤنگا، حتیٰ کہ نبض اور قارورہ تک نہ دکھاؤنگا۔ ان سب باتوں کے باوجود ہمیں صحت ہو جانی چاہیئے ورنہ تمہارے ساتھ تدارک مناسب کیا جائیگا۔ حکیم صاحب اس حکم نادری کو سُنکر کچھ مضطرب سے ہو گئے۔ مگر خدا داد عقل و ذہن پایا تھا کسی مناسب تدبیر کی دُھن میں لگ گئے۔ اور عرض کی کہ انشا اللہ ایسا ہی ہوگا۔ دربار سے برخاست ہونے کے قبل بادشاہ کے چہرہ پر ایک غائر نظر ڈالی تو دیکھا کہ آنکھیں سُرخ ہیں، چہرہ پر یبوست و بدمزاجی کی کیفیت پیدا ہے۔ اس روز گرمی کی بھی شدت تھی۔ حکیم صاحب نے صرف ان معمولی علامتوں ہی سے تاڑ لیا کہ اس وقت بادشاہ کو دردِ سر لاحق ہے، عرض کی کہ اجازت ہو تو گھر جاکر علاج کے لیے غور و فکر کرتا ہوں۔ اور نماز ظہر کے بعد بارگاہِ عالی میں حاضر ہونگا۔ حکیم صاحب نے دربار سے آکر نماز ادا کی اور خدمت گار کو حکم دیا کہ "سدا گلاب" کا ایک پنکھا تیار کرو۔ اور اسے عطر خس میں معطر کردو۔ جب یہ تیار ہو گیا، تو خود علوی خاں اس کو دربار میں لے کر نادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ علاج کی فکر کر رہا ہوں، پنکھا مجھے نہایت اچھا جھلنا آتا ہے۔ اگر حکم ہو تو خدمت سلطانی بجالاؤں۔ اجازت ملنے پر حکیم صاحب پنکھا جھلنے لگے۔ پھولوں کی خوشبو بادشاہ کے دماغ میں پہنچی اور عطر کے قطرہ غیر محسوس طریقہ پر چہرہ اور پیشانی پر ٹپک پڑے، جس کی وجہ سے روح اور قلب کو فرحت پہنچی۔ اور نادر شاہ پر اس پنکھے کی خوشبودار ہوا کی وجہ سے غنودگی کے آثار طاری ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ نہایت غفلت کے ساتھ سو گیا۔ ادھر علوی خاں نے جب بادشاہ کو سوتا پایا تو اپنے خیمہ میں واپس چلے آئے۔ جب نادر شاہ سو کر اُٹھا تو درد کا مطلق اثر نہ تھا۔ علوی خاں کو بلا کر اُن کی دانائی کی تعریف کی اور کہا کہ جو چاہے مانگ لے

حکیم صاحب نے پہلے تو ایفائے عہد کا پیمان لیا، اور بعد کو عرض کی کہ "غلام کی صرف اس قدر آرزو ہے کہ اس کو دلی کو واپس جانے کی اجازت مل جائے۔" نادرشاہ یہ سُنکر بے حد متاسف ہوا، اور کہا افسوس ہے کہ تجھ سا طبیب اس حیلہ سے مجھ سے جُدا ہوتا ہے۔ الغرض نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ واپسی کا حکم دیا۔ اور حکیم صاحب ایک ظالم کے پنجہ سے چھوٹ کر خوشی خوشی دلی چلے آئے۔ (ہائے رے حب الوطن)

حکیم صاحب نے کتاب النبات عربی میں، جامع الجوامع، خلاصۃ التجارب، مطب علوی خاں وغیرہ فارسی میں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ انہوں نے جب "تحفۂ محمد شاہی" لکھ کر محمد شاہ کے نذر کی، تو بادشاہ نے ایک مروارید کا مالا سرپیچ مع شمشیر و لائنی، خلعت اکیس پارچہ اور ساٹھ ہزار روپے نقد مرحمت کیے۔ ۱۱۶۱ھ میں انتقال کیا "طبابت از جہاں رفت" تاریخ وفات کا مادہ ہے۔

احمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں حکیم امام الدین خان مشاہیر اطبا سے تھے، ان کو دربار شاہی میں پانصدی ذات کا منصب تھا۔ اور عالمگیر ثانی کے عہد میں حکیم الملک کے خطاب سے بھی سرفراز ہوئے تھے۔

احمد شاہ کے عہد میں ایک سریانی کتاب کا ترجمہ

اس بادشاہ کے عہد میں حکیم سکندر نامی ایک شخص نے ایک خاص کتاب لکھی اور اس کا نام "قرابادین حکیم سکندر" رکھا۔ اس نے ۱۱۶۰ھ میں ہی اس کو لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن احمد شاہ بادشاہ کے اوائل عہد میں (۱۱۶۲ھ میں) مکمل ہوئی۔ مؤلف لکھتا ہے کہ میں نے اپنی شبانہ روز کی محنتوں اور (۲۵۰) کتابوں کے مطالعہ کے بعد یہ کتاب [illegible] محنت و جانفشانی سے لکھی ہے

اُسے میرا ہی دل جانتا ہے ۔ اس نے یہ کتاب کلیتہً سریانی زبان کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد مرتب کی ہے اور ان کا ترجمہ کیا ہے ۔ امراض اور ادویہ کے سریانی نام ہی برقرار رکھے ہیں ۔ عربی میں جو سریانی کتابیں مثلاً قانون اسکندریہ، جامع قوانین معالجات وغیرہ ترجمہ ہوئی تھیں ان سے بھی پورا پورا استفادہ کیا ہے ۔ پہلا باب قرابادین سریانی سے نقل کیا ہے ۔ جو مرکب عرقوں اور ان کی ترکیبوں اور نسخوں پر مشتمل ہے اس کے ساتھ ساتھ "سرکے" اور شربتوں کا بھی بیان لکھا ہے ۔ ساری کتاب کے سریانی ناموں کی آخر پر فرہنگ دی ہے، اور ساتھ ہی ان کے مروجہ یونانی وطبی اصطلاحی نام بھی لکھ دیے ہیں ۔ مثلاً "اکوامیل" کا مترادف یا ترجمہ "ماء العسل" لکھا ہے ۔ آخر پر "ایسینس" یعنی "روح" بنانے کی ترکیبیں بھی تفصیل سے لکھی ہیں ۔ ہم نے اس کے دو قلمی نسخے دیکھے ہیں، جو ناقص سے ہیں ۔

ابوالمظفر جلال الدین عالی گوہر شاہ عالم ثانی (۱۲۲۱ھ) کے عہد میں حکیم سلامت علی خاں النخاطب حکیم حذاقت خاں، حکیم شریف خاں، حکیم راضی خاں مشاہیر اطباء سے تھے، اور ان سب کا دربار شاہی سے تعلق تھا ۔

شاہ عالم ثانی کے عہد میں حکیم شریف خاں کی طبی مساعی

حکیم شریف خاں، بڑے نامی گرامی طبیب تھے، اور صاحب علم وفضل، انہوں نے فن طبابت میں ید طولیٰ حاصل کیا تھا، اور کثیر التصانیف مؤلف ہیں ۔ اسرار العلاج، عجالہ نافعہ، علاج الامراض، تالیف شریفی، رسالہ تحفۂ عالم شاہی، خواص الجواہر ہماری نظر سے گزری ہیں ۔ تالیف شریفی میں انہوں نے خاص طور پر ہندی ادویہ

کے متعلق فنی و طبی معلومات اکٹھے کیے ہیں۔ اور رسالہ "تحفۂ عالم شاہی" ہیں، فوائد واغذیہ ہندیہ کے خواص، ہندی کتابوں، اور خود اپنی ذاتی تحقیق و تجربہ کی بنا پر لکھے ہیں۔ جہاں کہیں جس چیز کے متعلق کچھ لکھا ہے وہاں اپنے تجربہ کی ساری باتیں بیان کی ہیں۔ ہر ایک چیز بڑی عمدگی اور تشریح کے ساتھ لکھی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ صرف غذاؤں ہی کے خاص طریقہ پر استعمال کرانے سے مرض بہت جلد دفع ہو سکتا ہے اور اسی نظریہ کی تحت یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ جو نہایت اچھا اور خاص چیز ہے۔ یہ کتاب جو ہمارے پیشِ نظر ہے، خود ان ہی کی زندگی کی لکھی ہوئی ہے۔

"مختصر رسالہ خواص الجواہر" بھی ایک عمدہ تالیف ہے، انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں ایک دن شاہ عالم کے دربار میں حاضر تھا، تو بادشاہ نے مجھے جواہر کے افعال و خواص مرتب کرنے کا حکم دیا۔ میں نے ارشاد خسروی کی حسبِ تعمیل کی، اور یہ رسالہ لکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اس سے پہلے "خواص الجواہر" کے نام سے ایک تفصیلی رسالہ لکھا ہے، یہ اس کا ایک مختصر انتخاب ہے۔ اور اس کا نام بھی شاہِ موصوف ہی کے نام پر رکھا ہے۔

ہمایون بادشاہ کا زمرد کے خواص دریافت کرنا۔

زمرد کی تعریف اور اس کے خواص بیان کرتے ہوئے ایک خاص تاریخی چیز یہ لکھی ہے کہ :-

"اگر زمرد کا کچھ حصہ سانپ کی آنکھوں میں پھیر دیا جائے تو اندھا[1] ہو جاتا ہے۔ لیکن ہمایون بادشاہ نے اپنے بعض رسالوں[2] میں لکھا ہے کہ

---

[1] لیکن میں نے بعض کتابوں میں اس کے خلاف بھی پڑھا ہے کہ اس کی آنکھیں زمرد کے پھیرنے سے بہت زیادہ روشن ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر غالب کا یہ شعر بھی پڑھئے ؎ سبزۂ خط سے ترا کاکل سرکش نہ دبا۔ یہ زمرد بھی حریف دمِ افعی نہ ہوا۔

[2] ہمایون بادشاہ کے رسالوں کے متعلق غالباً یہ معلومات پہلی ہیں کہ اس نے بھی چند رسالے لکھے ۱۲

مجھے ہندوستان میں یہ معلوم ہوا کہ زمرد سے سانپ کی آنکھیں اندھی کیجا سکتی ہیں تو میں نے اس کا تجربہ کرنے کی ایک عرصہ سے ٹھان لی تھی۔ چونکہ ہندوستان میں "افعی" جو خاص سانپ کہلاتا ہے وہ یہاں نہیں ہوتا تھا اس لیے مجھے بہت دنوں تک اس کے تجربہ کا موقع نہیں ملا۔ لیکن میں جب بلاد عراق پہنچا تو مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہاں "رَے" کے کوہستانوں میں بہت سے سانپ ہیں، تو میں نے ایک "افعی" کے لانے کا حکم دیا۔ جب یہ حاضر کیا گیا تو جواہر خانہ کے داروغہ کو حکم دیا کہ ہمارے جواہر خانہ میں فلاں زمرد جو سب سے بہتر ہے وہ لایا جائے۔ اس کے آنے کے بعد لوگوں کو حکم دیا کہ سانپ کی آنکھ کے قریب لے جائیں۔ لیکن قریب لے جانے سے جب کوئی اثر نہ ہوا تو، پھر حکم دیا کہ اس کی آنکھ میں اس کو پھیریں اس پر بھی کوئی اثر مترتب نہ ہوا، تو پھر حکم دیا کہ زمرد کو پیس کر سانپ کی آنکھ میں اس کا سرمہ لگائیں لیکن اس نوبت پر بھی کچھ اثر نہ ہوا۔"

دوسرے صاحب تصنیف حکیم راضی خاں تھے جن کے باپ کا نام قطب الدین خاں تھا انہوں نے شاہ عالم بہادر کے حکم سے "فوائد سعدہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور لکھا ہے کہ بادشاہ کو ضعف معدہ کی بڑی شکایت تھی، اور ہندوستان میں اکثر و بیشتر یہ مرض عام طور پر ہر شخص کو ہوتا ہے اس لیے اس مسئلہ پر میں نے تحقیقات کر کے یہ کتاب لکھی ہے۔

ہم نے طب کے آغاز سے سلطنت مغلیہ تک اس کے مختصر حالات و تاریخ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ نافہ

ملے ہماری نظر سے ہمایوں کے عراق کے سفر کی کوئی تاریخی شہادت نہیں گزری ۱۲

"موضوع طب" اس قدر وسیع اور بے پایاں دریا ہے کہ اس کے متعلق مکمل معلومات فراہم کرنا یا اس کا احاطہ کرنا سخت دشوار ہے۔ ہم نے اپنی معلومات کی رسائی کی حد تک ساری چیزیں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور جس قدر کتابیں بیک نظر مطالعہ کیں، اور ان کو سمجھا ہے ان کے متعلق مختصر سی یادداشتیں قلم بند کر دی ہیں۔ اگر کوئی شخص ہر دور کے متعلق کامل تحقیقات کرنا چاہے تو یقین ملنیے کہ اس پر ایک ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ مغلیہ شاہنشاہوں کے دربار میں سیکڑوں نامی گرامی طبیب تھے، اور سیکڑوں تاریخی واقعات فن طب و اطباء سے متعلق گزر چکے ہیں۔ ہم نے خود بھی اکثر حالات اور بہت سی چیزیں طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دی ہیں۔ ورنہ عام طور پر بہت سے اطباء ہر ایک سلطنت میں موجود تھے، یہ مقالہ درحقیقت "طب اسلامی" کا ایک بالکل سرسری خاکہ ہے۔ اس پر کچھ فرصت سے لکھا جائے تو ایک عظیم الشان کام ہو سکتا ہے۔ اور ہم نے فی الحال ایک بنیادی اور ابتدائی چیز اپنی بساط کی حد تک ناظرین کی نظروں تک پہنچا دی ہے۔ مغلیہ دور کے صرف اس حد تک منتخب حالات لکھے ہیں اور اس کے بعد کے واقعات کو بالکل نظر انداز کر کے ہم اب اس حصہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں جس کا تعلق دکن سے ہے۔ اور درحقیقت اسی عنوان (طب دکن میں) کی تحت موجودہ فضا نے ہمیں اس موضوع پر متوجہ کرایا تھا جس کی تمہید کی طفیل میں یہ مختصر سے حالات اکٹھے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی لیکن اس خاص موضوع و مقصد پر بھی کما حقہٗ اپنی فقدان رسائی کا اعتراف شاید آئندہ کیلئے قارئین کے ذریعہ وسعت موضوع کا باعث بن سکے۔

طب دکن میں

کچھ ازل سے ہی، قدرت نے دکن کی سرزمین کو خصوصیات بخشی ہیں،
یہاں کا امن و امان، یہاں کی دولت و ثروت کے افسانے، اب تک تاریخوں کے
تحیر کن ابواب بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ، گولکنڈہ اور حیدرآباد کو، ہیروں کی دنیا
ہی کہا جاتا ہے۔ دنیا کا وہ مشہور و معروف ہیرا جو "کوہ نور" کے نام سے
معروفِ عالم ہے، آج اسی خاک کا ایک ذرہ ہے، جو تاج برطانیہ کے لیے
عظمت و وقار کا سرمایہ فراہم کر رہا ہے۔ یہی وہ سرزمین ہے، جہاں کبھی
"ہُون" کی بارش ہوا کرتی تھی اور آج تک جس کی یہ خصوصیت ضرب المثل کے
طور پر بولی جاتی ہے۔ ان سب سے زیادہ یہ علمی، ادبی اور فنی دلچسپیوں کا عجیب
مرکز رہی ہے۔ یہاں سے بھی ایسے بڑے بڑے صاحبِ کمال اُٹھے اور
ایسی ایسی علمی و فنی سرپرستیاں اور ترقیاں عمل میں آئیں کہ دنیا ایک بڑی
حد تک آج ان سے ناواقف ہے۔ ان کے متعلق مستقل اور مسلسل کام
کی ضرورت ہے کہ اہلِ عالم کو اس پرشوکت سرزمین کے مایۂ ناز فرزندوں کے
کارناموں سے رُوشناس کرایا جا سکے۔ یہ مسلم ہے کہ مسلمانوں کے قدم
دکن میں ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں، فاتحانہ حیثیت سے

سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں آئے، اور اس کے بعد یہاں ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت "بہمنیہ" کے نام سے قایم ہوئی۔

طب پر بہمنی رحم و کرم | اس خاندان کا پہلا نیک دل سلطان حسن گنگوئے بہمنی (الملقب علاء الدین حسن ۷۴۸ھ تا ۷۵۹ھ) ہوا۔ اس اولوالعزم بادشاہ نے، جس خوبی کے ساتھ دکن پر حکومت کی، اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ خود اس نے ایک کسان کی حیثیت سے زندگی شروع کی تھی اس لیے وہ ہر طبقہ کے درد دکھ اور ان کی ضرورتوں کا کافی احساس رکھتا تھا۔ اس نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی، سب سے پہلے رفاہی کاموں کی جانب توجہ مبذول کی۔ اس نے کس قسم کی طبی سرپرستی کی اور اس کے دور کے کیا کیا کارنامے ہیں، فی الحال پردۂ اخفا میں ہیں، البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس کا آخری وقت آ پہنچا تھا، تو سلطان مرض ہیضہ میں مبتلا ہوا، اس کے اس وقت معالجوں میں دو حکیموں کے نام ملتے ہیں، ایک حکیم نصیر الدین شیرازی اور دوسرا حکیم علاء الدین تبریزی۔

اس خاندان کے اور جانشینوں نے بھی، ہمیشہ اس طرف اپنی توجہ مرکوز کر رکھی۔ سلطان علاء الدین کا سب سے چھوٹا لڑکا محمود شاہ (۷۸۰ھ تا ۷۹۹ھ) جب تخت نشین ہوا، تو اس نے بڑی سرگرمی سے طب کی طرف توجہ کی۔ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ نہایت عالی قدر اور قابل گزرا ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ قرآن حکیم اس قدر خوب پڑھتا تھا کہ سننے والوں کو ایمان کی حلاوت محسوس ہونے لگتی تھی۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا خوش نویس و موزوں طبع تھا، علوم متداولہ میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ عربی و فارسی بڑی فصیح کہتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کا دربار علماء، فضلاء اور حکماء کا مرکز بنا ہوا تھا، اور ان لوگوں کی

بڑی قدر و عزت کرتا تھا۔ اور اپنے دربار میں بڑے بڑے مراتب دے رکھے تھے۔ اس کی قدر دانیوں کی شہرت اس زمانہ میں چار دانگ عالم میں پھیل چکی تھی۔ اور خطۂ زمین کے ہر ایک گوشہ سے صاحبانِ فضل و کمال اس کے دربار شاہی میں پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ کہتے ہیں حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ اسی سلطان کی فرمایش پر دکن کے ارادے سے روانہ ہوئے، تو بادشاہ نے ان کے اخراجات سفر کے لیے دس ہزار ہون روانہ کیے۔ لیکن حضرت حافظ علیہ الرحمہ جب لاہور پہنچ کر جہاز میں سوار ہوئے اور دکن کا ارادہ کیا تو اتفاق سے دریا میں طوفان شروع ہوا۔ یہ حالت دیکھکر کسی ایک قریبی مقام پر اُتر پڑے اور حاضر نہ ہونے کی معذرت میں ایک غزل[1] میر فضل اللہ انجو کے توسط سے سلطان کی خدمت میں بھیجی۔ یہ فضل اللہ انجو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد رشید اور دربار میں صدارت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ اس غزل کو سنکر اور حالات معلوم کرکے سلطان کو بہت افسوس ہوا اور حکم دیا کہ دوبارہ ہزار تنک طلاء اور بہت سے تحفے تحائف ان کی خدمت میں بھیجے جائیں۔ اس واقعہ سے غور کیجیے کہ اس سلطان نے علم و فن کی ترقی میں کتنی دلچسپی لی ہوگی، اور کس قدر رفاہِ عام کے کام انجام دیے ہونگے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے سارے ممالک محروسہ کے نابیناؤں کے لیے خزانہ شاہی سے معقول وظیفے مقرر کر دیے تھے اور ان کے ساتھ خصوصیت سے عمدہ برتاؤ کے لیے خاص ہدایت دے رکھی تھیں، اور خود بھی بہ نفس نفیس بڑا رحم و کرم فرماتا تھا۔

---

[1] جس کا مطلع یہ ہے

باغم بسر بردن جہاں یکسر نمی ارزد   بہ مے بفروش دلقِ ماکزیں بہتر نمی ارزد

کہتے ہیں کہ بعض لالچی اِن عنایات شاہی کو دیکھ کر عمداً اندھے بن کر اس کے دربار میں آتے تھے

محمود شاہ بہمنی کے عہد کا ایک زبردست طبّی کارنامہ

ہم اس سلطان کی طبّی دلچسپیوں سے متعلق اس کے عہد کا ایک عظیم الشان کارنامہ پیش کرتے ہیں جس پر اگر یونانی اور ہندی طب کے ملاپ سے ایک نئی طبّی عمارت قائم کرنا چاہیں تو یہ تالیف اس کے سنگِ بنیاد کا کام دے سکیگی۔ اس کا نام "طبِ شفاءِ محمود شاہی" ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ غالبًا یہ صرف اسی کے عہد کی کتاب ہے۔

ہمارے پیشِ نظر جو نسخہ ہے وہ مقالۂ دوم سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کا پہلا مقالہ بھی ضرور ہوگا۔ اگر یہ موجود ہوتا، تو مصنّف کا نام اور اس کے دیباچہ سے سبب تالیف معلوم ہوسکتا تھا، اور کتاب کی تاریخی حیثیت پر خاصی روشنی پڑ سکتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری کتاب چھ بڑے بڑے مجموعوں پر مشتمل تھی، لیکن ہماری نظر سے جسقدر گزرسکی ہے ہم اس کی تفصیل فی الحال درج کردیتے ہیں۔

مقالۂ دوم میں چھ باب ہیں اور اس کا نام "ساریر استھان" ہے۔ جو (۷۰) صفحوں پر حاوی ہے۔

(۱):- دربیان طفل کہ بچہ طریق در رحم پیدا پیدا شدہ پرورش می یابد۔ یعنی "گربھاوکرانت"

(۲):- چیزہائے کہ محل درد و زمان کنند و بیانِ علامات، و تداوئی آں یعنی "کرتہ و یاپت"

(۳):- در قسم اعضائے بدن یعنی "انگ و بھاگ"

(۴):- دربیان محل ہائے کہ .... در بدن کہ زخم

دراں مقام مہلک است یعنی "مرم دیھاکی"

(۵) :- دربیانِ علامتہائے قربِ موت، تعیّنِ مدتِ اجل، باستدلال برقاعدۂ طب، یعنی "درشت کنیانی"

(۶) :- دربیانِ استدلال خیروشر کہ بواسطۂ شخصے آئندہ کہ طلب بیدن طبیب بیاید، یعنی "دوست ازدکیانی"

اس مقامہ کے آخر پر لکھا ہے :-

"باید دانست دریں مقامہ دوم تشریح بدن است وآں را بہندوی "ساریر" خواندہ اند - ازاں جہت کہ آنچہ تعلق ببدن دارد از وقت ولادت تا وقتِ موت ہمہ بے اہمال و تقصیر گفتہ است، واللہ اعلم بالصواب"

اس کے بعد واگبھٹ ہندی کی ایک کتاب "سوترا ستھان" کا مکمل ترجمہ (۳۰) ابواب کے تحت کیا ہے - چنانچہ اس ترجمہ کے اختتام پر لکھا ہے۔ "الحمد للہ کہ یک کتاب از شش کتاب "طب شفا محمود شاہی" عرف واگبھٹ کہ "سوترستھان" نام دارد بترجمہ کامل وتصحیح شامل پیوست"

ان ابواب کی یہ تفصیل ہے -

باب اول - دربیان نمطے کہ علم وعمل آں ممدّ عمر وحیات است - اس باب میں خاص خاص ہندی اصطلاحیں اور ان کے فارسی نام دیے ہیں -

---

لہ اردو ادب کے محققین کے لیے ہم فی الحال انکی غور وفکر کیلئے چند الفاظ یہاں نقل کیے دیتے ہیں - [illegible] ... خشن، ممتد (ممتدا) [illegible]

باب دوم - در بیان طریق روشن روزی تعہدِ احوالِ بدن -
باب سوم - در بیان طریق ماندن در ہوا ہائے سال کہ دو کال ماہ را ہوا گیرند "ورت" نامند، و ایں باب را "ادھیا وتجرجا" خوانند -
(یعنی یہ باب سال بھر کی ہواؤں کی تقسیم اور ان کے اثرات وغیرہ پر مبنی ہے)
باب چہارم - در بیان اسباب کہ علت و زحمت را پیے علت و مرض گرداند و رنگ و ذہن را خوب گرداند -
باب پنجم - خواص و منافع چیزہائے سائل و بائع، مثلِ آب و شیر و شیرہ و روغن وغیرہ -
باب ششم - در بیان خواص غلہا و گوشتہا، و میوہ ہا و سبزی ہا -
باب ہفتم - در بیان تمذا، از اَطعمہ و اَشربہ و معرفہ اشیاء مذکور -
باب ہشتم - در بیان مقادیر ماکولات -
باب نہم - در شناختن میل داروہا، و نشار اختلاف خاصیت ہا،
باب یازدہم - در بیان شناختن اخلاط ثلاثہ
باب دوازدہم - در بیان محل ہائے اخلاط و تعریفِ انواع امراض -
باب سیزدہم - در بیان تداوی زحمت ہا کہ آنرا "کھو یکرمتی" گویند -
باب چہاردہم - در بیان تداوی ہر علتے -
باب پانزدہم - در بیان مجموع داروہائے مرکبات
باب شانزدہم - در بیان تداوی کہ بجر بشہا یعنی بشل و روغن سنہر و اخوات -
باب ہفدہم - باید دانست کہ تسخین دو چہار نوع است
باب ہیژدہم - در بیان ترتیب قے و اسہال کردن -

باب نوزدہم۔ دربیان حقنہ کردن
باب بستم۔ دربیان چکانیدنِ ادویہ در بینی
باب بست و یکم۔ دربیان شدن دود در بینی
باب بست و دوم۔ دربیان ترتیب مضمضہ و غرغرہ
باب بست و سیوم۔ دربیان چکانیدن آب ادویہ و مانند آں در چشم۔
باب بست و چہارم۔ دربیان زیادت کردنِ روشنائی چشم کہ بسبب ادویہ کم شدہ است
باب بست و ہفتم۔ دربیان کشادن رگہا۔
باب بست و ہشتم۔ دربیان کشیدن چیزہائے خلیدہ کہ آں را "سل"[1] نامند خواہ از آہن باشد خواہ از علاج۔
باب بست و نہم۔ دربیان ترتیب شق کردن و استنجا و احوال پختگی و غیر پختگی۔
باب سی ام۔ دربیان داغ کردن بشور و سوختن۔

یہ پورا حصّہ (۲۳۰) صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے "جلد دوم طب محمود شاہی"۔

اور اس میں حسبِ ذیل امراض کے علاج درج ہیں :—

علاج تپ، تداوی خون، تداوی سُرفہ، تداوی دِق، تداوی قے و غلبۂ تشنگی، تداوی زحمتہائے شراب، تداوی بواسیر، عسر البول، سنگ مثانہ، خروج پریہ، جذام۔

اس کے بعد جلد سوم ہے، جس میں حسب ذیل امراض اور ان کے معالجات پر مضامین ہیں۔ اور اس کا نام "اثرا ستھان" لکھا ہے۔

---

[1] کہیں سلنا اور سلسلاہٹ اسی سے تو نہیں؟ ۱۲

تداوی اطفال (اس باب میں نظر بد کے متعلق بڑی تفصیلی بحث لکھی ہے) ۔ تداوی گوش، بینی، دہن، سر، دمامیل وجراحات ۔ تداوی استخوان شکستہ، تداوی زہرمار۔

آخر پر مصنف نے دعوی کیا ہے کہ اس نے نہایت ہی جامع ونافع کتاب لکھی ہے، کہ کسی نے آج تک ایسی مرتب نہ کی ہوگی ۔ کتاب کی اصل اختتامی سطریں یہ ہیں

"تمام شد طب محمود شاہی کہ جان طبیبے است باقبال خداۓ گان گیتی مدار، نوازندہ صغار و کبار، ناصر الدنیا والدین ابوالفتح محمود شاہ السلطان خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وابد علی المتعلمین والفاضلین بذلہ واحسانہ۔"

کل کتاب بہت بڑی سائز کے (٦١٠) صفحوں پر مشتمل ہے ۔ یہ کتاب بڑی نادر و لاجواب ہے، اور شروع صفحہ پر نوٹ لکھا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے، جو خود سلطان محمود شاہ بہمنی کے کتب خانہ میں رہی ہے ۔ آپ نے ان مضامین کی فہرست سے کتاب کی عظمت و وقعت کا اندازہ لگالیا ہوگا کہ اس بادشاہ کے دور میں یہ کس قدر جلیل الشان کام تھا جو سرانجام پایا ۔ اور کیا عجب ہے کہ اور بھی اعلیٰ درجہ کے طبی کارنامے موجود ہوں، اور وہ ہماری نظروں سے کہیں مخفی پڑے ہوں ۔

طب فیروز شاہ کے عہد خیر میں

محمود شاہ بہمنی کے بعد دو اور بادشاہ مختصر سے زمانہ تک حکمراں رہے ۔ اس کے بعد فیروز شاہ بہمنی ٨١٦ھ میں تخت پر بیٹھتا ہے ۔ یہ بھی ایسا لائق اور فاضل حکمراں ہوا کہ اس کی وجہ سے سلطنت دکن کا نام بڑی دور دور تک پھیل گیا ۔ چونکہ یہ میر فضل اللہ انجو شیرازی کا شاگرد تھا، اس لیے اس نے ان کو وکیل السلطنت کے عہدہ پر فائز کیا۔

یہ بڑا متشرع اور صوم و صلوٰۃ کا پابند بادشاہ گزرا ہے ۔ اپنے اجداد سے زیادہ علم و عمل کا دلدادہ تھا ۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء اس کے دربار سے وابستگی رکھتے تھے ۔ یہ ایک بہترین خوشنویس تھا، اور خود روز آنہ کلام مجید کا پاؤ پارہ لکھا کرتا تھا ۔ شاعری سے دل چسپی تھی، عروضی و فیروزی دو تخلص تھے ۔ اکثر علوم میں، اور خاص کر تفسیر، اور اصولِ حکمت طبیعی و نظری میں بڑی زبردست مہارت حاصل کی تھی ۔ ہفتہ میں تین دن شنبہ، دوشنبہ اور چہارشنبہ کو خود طلباء کو درس دیا کرتا تھا ۔ غالباً ہندوستان میں یہ سب سے پہلا اور آخری بادشاہ گزرا ہے جو بہت بڑی سلطنت کا شہنشاہ ہونے کے باوجود اس نے درس تدریس کے بھی فرائض انجام دیے ۔ اور خلق اللہ کی اس طرح خدمت کی، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس بے نظیر سلطان کو اپنی رعایا کی صلاح و فلاح اور ان کے درد و درماں کا کس قدر خیال نہ ہوگا، کیونکہ خود جب یہ نفس نفیس رفاہی کام انجام دیتا ہو، تو اس نے اپنی سلطنت میں اس قسم کے کاموں کے لیے کتنی نہ کوشش کی ہوگی ۔ اس کے دور میں ایک طبیب "حکیم سید محمد گازرونی" بھی تھے ۔

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ طبیب حاذق بھی تھے

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز علیہ الرحمہ اسی بادشاہ کی عہد میں دہلی سے گلبرگہ تشریف لائے ۔ آپ جیسے صاحبِ حال و قال بزرگ تھے اور آپ کی شان ولایت و جلالت اقطاع ہند میں جس مرتبہ پر ہے اس سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے ۔ حضرتؒ جہاں علوم باطنی میں بہت بڑا درجہ رکھتے تھے وہاں علوم ظاہری میں بھی ان کا جواب نہ تھا ۔ علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے، بہت سے علوم و فنون میں آپ کو استادانہ مرتبہ حاصل تھا ۔ آپ نے اپنی زندگی میں سو سے زیادہ

کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ حضرت خواجہ گیسو درازؒ کو فن طب سے بڑی گہری دلچسپی تھی۔ اور آپ اس میں بھی بڑی زبردست دستگاہ رکھتے تھے ایک طرف جلیل القدر طبیب روحانی تھے تو دوسری طرف اہلِ دنیا کے نزدیک ایک بہترین طبیب حاذق۔ آپ کی کئی طبی تصانیف ہیں۔ لیکن اس قسم کی جو طبی خدمات آپ نے انجام دی ہیں اور آپ کی ذات بابرکات سے اس فن کو جو ترقی ہوئی افسوس ہے کہ آج ہمارے سامنے اس کے کارنامے نہیں ہیں ورنہ ہم دکھلاتے کہ آپ کے نفوسِ قدسیہ کے باعث اس فن کی قدر اس دور میں کس مرتبہ پر تھی۔

طب کی کارفرمائیاں احمد شاہ بہمنی کی ولایت میں

فیروز شاہ کے بعد اس کا چھوٹا بھائی احمد شاہ بہمنیہ سلطنت کا شاہنشاہ قرار پاتا ہے جو اپنے نیک اعمال کی بدولت آج تک احمد شاہ ولی بہمنی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے بھی اپنے پیشروؤں کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کی۔ اور اس کے دور کی ایک یادگار تالیف آج ہم تک پہنچی ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن صفی نے بادشاہ کے حسب الحکم ۸۱۰ھ میں "ورک راسی بن سیر کراہی" ساکن قصبۂ الملکہ سے سالوتر کی ایک سنسکرت کتاب لے کر فارسی میں ترجمہ کیا۔ دیباچہ کی اصل عبارت یہ ہے۔

"اما در وقت سلطان احمد ولی البہمنی از اقل عباد بندۂ ضعیف نحیف عبداللہ بن صفی بر فرمان شاہ جہاں پناہ از "ورک راسی بن سیر کراہی" ساکن قصبۂ "الملکہ" ایں ترجمۂ سالہ تر را فارسی کرد برائے بادشاہ وقت در شہر گلبرگہ بنا کردیم ترتیب یافت در سال سنہ عشر و ثمانیہ مایۃ من الہجرۃ النبوۃ۔"

گھوڑوں کے علاج معالجہ پر یہ ایک بہترین با تصویر مکمل کتاب ہے۔

جس کے درمیان میں کئی تصاویر ہونے کے علاوہ آخر کتاب پر تقریباً (۳۰) تصویریں نہایت ہی عمدہ اور قابلِ دید ہیں۔ یہ تصاویر پیغمبر علیہم السلام کے گھوڑوں کی ہیں، اور ان گھوڑوں کے نام بھی لکھے ہیں، جن پر پیغمبر علیہم السلام سواری فرمایا کرتے تھے۔

ہم نے اس کتاب کا ایک نسخہ ۲۰ رمضان ۸۵۰ھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے جو امیر سید علی بن امیر سید ابراہیم کے لیے میر عبداللہ ولد میر حسن نے لکھا ہے۔ اس پر امیر سید علی کی مہر (۱۰۵۵ھ) بھی ثبت ہے اور آخر پر خود امیر صاحب کے ہاتھ کی تحریر بھی موجود ہے۔ کل کتاب (۱۵۴) صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ میں بھی ہے۔

بیدر کی صحت گاہ احمد شاہ بہمنی کے بعد جب اس کا لڑکا علاؤ الدین ثانی (۸۳۸ھ - ۸۶۲ھ) تخت نشین ہوا، تو اس نے بیدر میں ایک عالیشان "شفا خانہ" کی تعمیر کا حکم دیا اور اس کے اخراجات کے لیے بہت سے گاؤں وقف کر دیے۔ اس بیمارخانہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں یونانی اور ویدک دونوں اصولوں پر علاج ہوتا تھا اور مسلمان اطباء کے ساتھ ہندو وید بھی ملازم تھے۔ اور مریضوں کو دوا کے ساتھ ہر قسم کی غذا بھی مفت دی جاتی تھی[1]۔

یہ سمجھا جاتا ہے کہ خواجہ محمود گاوان نے جہاں بہت سے رفاہی کام انجام دیے تھے۔ وہاں اس کی وزارت کے دور میں اس صیغہ کو بھی خوب ترقی ہوئی ہوگی، اور متعدد شفا خانوں کا قیام عمل میں آیا ہوگا۔ خود دار السلطنت بیدر میں مدرسہ کے ساتھ ساتھ ممکن ہے کہ طلباء وغیرہ کے لیے کوئی نہ کوئی "شفا گھر" بھی تعمیر کیا گیا ہوگا۔ فی الحال کسی تاریخی حوالہ تک ہماری رسائی نہ ہو سکی۔

جب بہمنیہ خاندان کو زوال ہوا تو دکن میں پانچ اسلامی خود مختار

[1] تاریخ رشید الدین خانی صہ ۱۷۷

ریاستیں (قطب شاہیہ[1] عادل شاہیہ[2] نظام شاہیہ[3] برید شاہیہ[4] عماد شاہیہ[5]) قائم ہوگئیں۔ جن میں قطب شاہیہ، عادل شاہیہ نظام شاہیہ قابلِ ذکر ہیں۔ اور ادھر گجرات میں پہلے ہی سے سلطان فیروز شاہ تغلق کے ایک درباری امیر مظفر شاہ نے اپنی ایک الگ آزاد اور مستقل حکومت ۷۹۹ھ میں قائم کرلی تھی۔ اس خاندان میں سلطان بہادر شاہ گجراتی جو بہت مشہور اور علم دوست حکمراں گزرا ہے وہ تاریخ میں سب سے زیادہ مشہور ہے جس نے مغلیہ شاہنشہوں سے مقابلہ معرکہ آرائی کی۔ اور ۹۳۲ھ سے ۹۴۳ھ تک سریر آرائے حکومت رہا۔ اس کے دور کی بھی ایک طبی کتاب ہماری نظر سے گزری، جو سلطان کی حکمرانی کے آخری سال ہی میں لکھی گئی۔

سلطان بہادر شاہ گجراتی کے عہد کی ایک طبی تالیف

اس کتاب کا نام "فیضیہ" ہے مؤلف زین العابدین بن غیاث الدین محمد المشہور ملا میر طبیب ہیں۔ جو دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے پاس ایک زبردست اور بہت بڑا کتب خانہ ہے اور اس میں مولانا نجیب الدین محمد سمرقندی (جو علامہ فخر الدین رازیؒ کے معاصر تھے) کی "کتاب خمسہ" محفوظ تھی۔ بادشاہ نے مؤلف کو دربار میں طلب کر کے یہ کتاب دی، اور حکم دیا کہ تم اس کتاب کو پیش نظر رکھ کر اس پر اضافو کے ساتھ ایک جامع و مانع کتاب لکھو۔ چنانچہ اس نے شاہی فرمان پر "کتاب خمسہ" کا سفر و حضر ہر حالت میں مطالعہ کرنے کے بعد یہ کتاب ۹۴۳ھ میں مرتب کی۔

مؤلف کی اصل عبارت کا حسبِ ذیل اقتباس ہے:-

"وبعدہٗ چنیں گوید، راقم ایں ارقام و ناظم ایں انتظام اضعف عباد اللہ الملک الصمد

زین العابدین بن غیاث الدین محمدؐ المشہور بملا میر طبیب ... کہ در آخر محرم الحرام سنہ ثلاث اربعین وتسعمائۃ دیدہ بخت از نومہا انعافلین بیدار گشتہ وچشم رمد دیدہ از غبار تراب عتبۂ فلک جناب بادشاہ جہاں وجہانیاں شہریار زمین و زماں .... خاقان بن الخاقان سلطان سلیمانؐ بادشاہ بہادر خاں خلد اللہ تعالیٰ ملکہٗ وسلطانہ ...... کحل ومو قر گردید واز شمائم ونسائم مجلس شریف عالی دماغ جان جہاں بدیں گونہ معطر گشت ...... والحق ہموارہ انیس خاطر عاطر آں حضرت ...... بدیں امنیت است کہ از بدائع ایں علم شریف وصنائع ایں فن لطیف چیزے معلوم ومخزون باشد و لہذا دریں زمان فرخندہ اوان التفات نمودہ کتاب "خمسہ" حکیم الکامل المکمل مولانا نجیب الدین محمد سمرقندی کہ مخزون خزانہ ومحبوس زاویۂ کتب خانۂ خاصہ عالی بود باین کمینۂ قلیل البضاعہ انعام فرمودند، ہر آئینہ رفیق سفر وجلیس حضر خود ساختہ، پیوستہ از مطالعہ صفائح صحائف آں ابواب فتوح بر روئے دل مجروح می کشودم ...... بخاطر فاتر خطور نمود کہ اگر بطریق ترجمہ از اوراق ہر درختے فروسے، واز ازہار ہر گلبنے وردے، فراہم آوردہ، دستہ بندی وعجائب بارگاہ معالی انتباہ سپاری، ممکن کہ گاہے بنظر کیمیا اثر درآید ...... وچوں باعث بہ ترتیب ایں مختصر وتسطیر ایں ما حضر، بوجہ خاطر فیض مآثر حضرت[1] ...... علی بود "بفیضیہ موسوم شد"۔

"بیان ایں رسالۂ خجستہ مال ہنرے کہ کلک اندیشہ بر لوح خیال رقم زدہ، بر مقدمہ در شرف علم طب وفائدۂ آں وپنجاہ ویک باب در امراض خاصہ وعامہ وخاتمہ در معجونات ومرکبات مجربہ"۔

---

[1] یہاں نام اڑ گیا ہے ۱۲

پیشِ نظر نسخہ ناقص الآخر ہے، اس کے اس وقت (۸۲) صفحے چھوٹی تقطیع کے ہیں، اور خاتمہ سے اوراق غائب ہیں یہ کتاب ایک مجموعہ میں شامل ہے، اور اس سارے مجموعہ کا کاتب ایک ہی شخص معلوم ہوتا ہے، کاتب نے ایک رسالہ کے اختتام پر اپنا نام "نظام الدین علی بن سلطان احمدؔ دیوان" لکھا ہے اور سنہ کتابت (۹۹۱ھ) درج ہے اس لحاظ سے یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ "فیضیہ" کا یہ نسخہ اصل تصنیف کے (۴۸) سال بعد کا ہے۔

عادل شاہیوں کی طبی سرپرستی

جنوبی ہند کے حکمرانوں میں عادل شاہیہ خاندان نے بھی نہایت شان و شوکت سے حکومت کی۔ اس خاندان کے بھی سلاطین علوم و فنون کی سرپرستیوں میں شہرت رکھتے تھے۔ اسی دربار کا تربیت و پرورش یافتہ مورخ محمد قاسم استر آبادی الملقب ہندو شاہ ہے، جو فرشتہ کے نام سے بہت بڑی شہرت کا مالک ہے اور ہندوستان کی تاریخوں میں اس کی تاریخ کو چوٹی کی کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے جو سنہ ۱۰۱۵ھ میں مرتب ہوئی ہے۔ یہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ-۱۰۳۷ھ) کی بارگاہ میں ملازم تھا، لوگ عام طور پر اسے صرف مورخ ہی کی حیثیت سے جانتے ہیں مگر وہ ایک باکمال اور طبیب حاذق تھا۔ اس فن میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ وہ بھی اس خیال کا مؤید تھا، کہ ہندی طب سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے اس نے "دستور الاطباء" کے نام سے ایک بہترین طبی تالیف یادگار چھوڑی ہے، اور اس کی تاریخ کے جیسی قابلِ قدر اور معتبر کتاب ہے۔ اس نے اس کتاب کے دیباچہ میں یہ سطریں سببِ تالیف میں لکھی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:- (ترجمہ)

"میں نے حکماء یونانی کی بہت سی کتابیں مطالعہ کی ہیں اور اکثر و بیشتر

ان پر کامل غور و خوض کرتا رہا۔ لیکن اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ حکماء ہند کی بھی کتابیں ضرور مطالعہ کرنی چاہئیں، اور میری طبیعت کی رغبت نے مجھے اس طرف بہت جلد راغب کر دیا، اور اس میں مجھے بڑی دلچسپی معلوم ہوئی۔ میں نے جب مطالعہ شروع کیا تو مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کی بھی طب علمی و عملی حیثیت سے بہت مستحکم اور عمدہ ہے تو اس کے بعد میں نے اپنے آپ پر یہ واجب گردان لیا کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے اس مکمل فن کو پیش کروں، جو آج تک اس کی خوبیوں سے بالکل ناواقف رہے ہیں اور یہاں کی ادویہ و طرز علاج کا ان کو علم نہیں۔ اس لیے میں نے بڑی محنتوں اور مشقتوں کے بعد یہ کتاب مرتب کی تاکہ ان لوگوں تک بھی یہ ہندی طب پہنچ جائے، جو ہندوستان سے دور اور اس ملک کی آب و ہوا اور خصوصیات سے محض نا آشنا ہیں۔ یہ کتاب میں نے ایک مقدمہ، تین مقالے اور ایک خاتمہ پر مشتمل رکھی ہے۔ مقدمہ میں ارکان بدن و اخلاط وغیرہ کا حال لکھا ہے۔ مقالہ اول میں خواص ادویہ مفردہ و اغذیہ کا بیان ہے مقالہ دوم مرکبات پر حاوی ہے اور مقالہ سوم میں معالجات بطریق اجمال بیان کیے ہیں۔ اور خاتمہ کو شرح انواع مزہ و قسمت ممالک ربع مسکون پر مبنی رکھا ہے۔"

یہ کتاب طب فرشتہ کے نام سے بھی مشہور اور نہایت ہی ضخیم ہے سنہ ۱۹۰۱ء میں بمقام امرت سر چھپ بھی چکی ہے۔"

ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں فرشتہ کے سوا بھیا جی (کوزپشت) کے نام سے ایک طبیب "رئیس الاطباء" اور ایک ڈاکٹر (فرالوپ پرتگالی) بھی حاشیہ نشین بساطِ شاہی تھا۔

احمد نگر کی نظام شاہیہ حکومت کے زیر سایہ بھی اچھے اچھے اطبا جمع تھے۔ چنانچہ مرتضیٰ نظام شاہ کے دربار میں ایک بہت بڑا طبیب تھا جس کا نام حکیم محمد مصری تھا۔ شاہی دربار میں اسقدر مرتبہ حاصل کیا تھا کہ بادشاہ نے اسے اپنا وکیل السلطنت بنا لیا تھا جب مرتضیٰ کا انتقال ہوگیا تو اس نے شہنشاہ اکبر کی بارگاہ میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس کا حال ہم نے اکبر کے بھی دور میں لکھا ہے۔

اسی بادشاہ کے عہد میں زین الدین سمانی نے احمد نگر میں ایک شفاخانہ کھول رکھا تھا، جس میں ہر قسم کی مرکب دوائیں قیمت سے فروخت ہوتی تھیں۔ اس طبیب اور بادشاہ کا ایک قصہ تاریخوں میں لکھا ہے، جو صرف حاضر جوابی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے ہم اسے یہاں چھوڑ دیتے ہیں۔

طِب کا فیضان قطب شاہیہ دَور میں

گذشتہ دکنی سلطنتوں میں سب سے زیادہ شہرت قطب شاہیہ خاندان (۹۱۶ھ – ۱۰۹۸ھ) نے اپنے علمی فنی، اور رفاہی کاموں کی بدولت دور دور تک حاصل کرلی تھی۔ اس خاندان میں جب سلطان قلی قطب شاہ (۹۱۸ھ) سریرآرائے دولت ہوا تو اس نے اپنے دَور میں بڑے بڑے رفاہی کام انجام دیے، اسے تعمیر عمارات کا غایت درجہ شوق تھا۔

حیدر آباد کا شفا گھر

اس کے بہت بعد ۹۸۸ھ میں جب محمد قلی قطب شاہ تخت پر بیٹھا تو اس نے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی، جس کا نام پہلے پہل "بھاگ نگر" تھا جو بعد میں حیدر آباد کے نام سے مشہور ہوا۔ اس شہر کی بنا کے ساتھ ساتھ بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں جابجا مطب قائم کیے جائیں اور ایک بہت بڑا عالیشان صدر شفا خانہ تعمیر کیا جائے، جس میں مریضوں کو

رکھ کر علاج کیا جا سکے۔ یہ "دار الشفاء" کے نام سے مشہور رہا۔ اس میں مریضوں کے رہنے سہنے کا نہایت سلیقہ سے انتظام کیا گیا تھا۔ اس شفاخانہ کے ساتھ ایک بے نظیر حمام بھی موجود تھا۔ اور چوٹی کے اطباء مامور کیے گئے تھے جو علاج معالجہ کے علاوہ طلبہ کو درس بھی دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کیلئے خزانۂ شاہی سے بیش قرار مواجب مقرر تھے۔ بیماروں کی دوا و غذا کے لیے خزانۂ سرکاری سے معقول رقم منظور کی گئی تھی[1]۔ یہ عمارت آج تک ہمارے شہر کے اسی نام سے شہرت رکھنے والے محلہ "دار الشفاء" میں اپنی گذشتہ یاد تازہ کر رہی ہے۔ اور اب بھی دیکھنے والوں کو اپنی عظمت رفتہ کا پتہ دیتی ہے۔ اس عمارت میں ایک مربع صحن ہے، اور چاروں طرف دو منزلہ حجرے بنے ہیں، اور یہی بیماروں کے وارڈ ہیں۔

تاریخ قطب شاہی کا مؤلف لکھتا ہے:-

"در بلدۂ حیدر آباد مسجد جامع با تمام رسانیدند و در پہلوئے آں مسجد حمامے در کمال لطافت ترتیب یافت، حجامان خدمت گزار بے مزد مقرر شدند"۔

حمام کے قریب چار طاق (یعنی کمانیں) بنائے گئے تھے جن کی تیاری میں تقریباً تین لاکھ ہون صرف ہوئے۔ اور ان طاقوں میں سے آمد و رفت کا راستہ مقرر ہوا۔

"بجہتہ اطباء بسمت راستۂ شمالی با تمام رسانیدند و در جنب آں نیز حمامے احداث نمودند، اطباء مذکور بے زحمت اجر و منت بہ معالجہ مریضان حاضر باشند و مواجب ایشاں از سرکار مقرر بود۔ و ادویہ از دواخانہ"

[1] تاریخ ظفرہ صـ ۱۲

سرکار می رسانیدند[1]"

سلطان محمد قطب شاہ کے دربار میں بہت سے نامی گرامی اطبا کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے دور میں بہت سے علماء و فضلا جمع تھے اس نے بھی بڑے قابل قدر کام انجام دیے ہیں۔ تقی الدین محمد بن صدر الدین علی نامی ایک طبیب دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے "میزان الطبائع قطب شاہی" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ

"دربار شاہی کا یہ طریقہ تھا کہ سارے علوم و فنون کے فضلا جمع رہتے اور باہمی مباحث ہوا کرتے تھے۔ اس سے پہلے بھی میں نے ایک طبی کتاب لکھ کر شاہ کے نذر کی تھی، لیکن بعد میں پھر بادشاہ نے اس کتاب کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ اسے ترمیم و اضافہ کے ساتھ از سر نو مرتب کرو۔"

اس کتاب کے مؤلف نے اختیارات بدیعی سے بھی استفادہ کیا تھا صفحہ ۱۶۹ پر چند وہ خاص خاص نسخے درج کیے ہیں جن کو علامہ میر محمد باقر داماد نے ایران سے بادشاہ کے لیے تحفۃً خاص طور پر دکن بھیجے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف میر مومن استر آبادی کا شاگرد تھا۔ آخر پر لکھا ہے کہ میں اب یہاں اوزان کا بیان حضرت استادی علامی مدظلہ السامی کی کتاب سے تبرکاً نقل کرتا ہوں کہ اس سے بہتر مجموعہ اوزان کے متعلق تصور میں نہیں آسکتا۔ "میزان الطبائع" کا پیش نظر نسخہ ۱۰ ر شوال ۱۲۱۷ھ میں موضع قمر نگر عرف کرنول میں عبد الرسول صاحب نامی ایک بزرگ کے نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

"اختیارات قطب شاہی" کے نام سے ایک اور کتاب کا پتہ چلتا

---

[1] تاریخ قطب شاہی صفحہ ۱۶۱ ۔ ۱۲

ہے، اس کے شارح کا نام محمد صادق بن علی الحسین لکھا ہے، یہ کتاب سلطان محمد قلی قطب شاہ (سنہ ۹۸۸ھ / ۱۰۲۰ھ) کے حکم سے، منجموں اور اطباء کے مشورہ کے بعد ترتیب دی گئی ہے، اس کتاب کا کاتب، مجدالدین محمد الحسینی ارکاشانی ہے۔ یہ نسخہ پروفیسر شیرانی کے کتب خانہ میں ہے اور بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس کے متن اور فہرست ہر دو کے صفحۂ اول پر سلطان محمد قلی قطب شاہ کی ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارت موجود ہے اور سلطان کی مہر بھی ثبت ہے فہرست کی خاص عبارت یہ ہے۔

"فہرست اختیاراتِ قطب شاہی تمام شد، در کتاب خانۂ عامرہ بخط مسعود بتاریخ اوائل شہر ذی القعیدۃ (قعدۃ) الحرام سنہ ۱۰۲۳ھ در دار السلطنت حیدرآباد حرس اللہ عن الاضداد و کتبہ العبد الخالص لمولاہ سلطان محمد قطب شاہ زاد توفیقہ فیما یتمناہ"

متن کے صفحہ اول کی حسب ذیل عبارت ہے:-

"اختیاراتِ قطب شاہی بابت کتاب خانۂ عامرہ بخط میر مجدالدین بتاریخ سنہ ۱۰۲۱ فی الہجریہ در دار السلطنت حیدرآباد۔ کتبہ سلطان محمد قطب شاہ زاد توفیقہ فیما یتمناہ"

سلطان محمد قطب شاہ کی مہر کا نقش یہ لکھا ہے:-

نقش نگین دل است حیدر صفدر مرا
العبد محمد قطب شاہ سلطان
مہر سلیمان، ز حق گشتہ، میسر مرا
۱۰۳۰ھ

ـــہ اورینٹل کالج میگزین لاہور مئی سنہ ۱۹۳۳ء صفحہ ۱۰۰

میر مومن۔ استرآبادی جو علم و فضل میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ اور سلطنت میں ان کا مرتبہ سب سے بڑا تھا۔ مجمع الکمالات بزرگ گزرے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کچھ تہذیب ہی میں داخل ہوگئی تھی کہ گزشتہ زمانہ کے اکثر اہل علم و فضل اور شرفاء طب کا پڑھنا اور سیکھنا علوم متداولہ کے لازمات سے سمجھتے تھے یا تو یہ علم ضروریات زندگی کی تحت سیکھا جاتا تھا۔ یا اُس زمانہ کی طرز معاشرت کے لحاظ سے اور علوم کی تعلیم کے ساتھ اس فن شریف کو بھی حاصل کرنا ضروری سمجھا گیا تھا۔ اسی لئے ہمیں اکثر فضلاء و اکابر طب کے بڑے ماہر اور نامی گرامی اطباء بھی نظر آتے ہیں۔ ان میں میر مومن استرآبادی کی بھی یہی کیفیت تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خود انہوں نے کوئی باضابطہ طور پر علاج معالجہ نہیں کیا، مگر طب جاننے کی وجہ سے اطبار کی سرپرستی فرماتے اور اس کی ترویج میں برابر کوشاں رہتے تھے۔ ہمیں اس وقت تک ان کی صرف ایک طبی کتاب کا پتہ چلا ہے جو "رسالہ مقداریہ" کے نام سے موسوم ہے۔ انہوں نے کتاب کے آغاز پر لکھا ہے:۔

> بادشاہ محمد قطب شاہ نے حکم دیا کہ اوزان اور مقادیر کی ضرورت اکثر و بیشتر امور دینی و دنیوی میں پیش آتی ہے اس لئے آپ اس موضوع پر ایک کتاب لکھئے۔ چنانچہ عربی فارسی فقہ اور طب کی کتابوں کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کے بعد یہ کتاب ترتیب دی۔"

ہم نے اس کتاب کا جو نسخہ دیکھا ہے وہ ۳۰ رمضان ۱۰۲۰ھ کا مکتوبہ ہے

قطب شاہیہ دور کا ایک زبردست حکیم

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں حکماء کا بہت بڑا احترام کیا جاتا تھا، وہ ان کی بڑی زبردست قدر و منزلت کیا کرتا تھا۔ ان لوگوں کو اس قدر تقرب حاصل تھا کہ کسی اور کو نصیب

نہ ہوا ہوگا۔ اس کے دربار میں "حکیم الملک نظام الدین احمد گیلانی" ایک بے بدل اور بہت زبردست فاضل حکیم تھا۔ جس کی حذاقت و دانائی کی بادشاہ نے بھی بے حد قدر کی تھی۔ اس باکمال طبیب نے اس دور میں بہت ہی اہم اور قابل قدر طبی خدمات انجام دی ہیں۔

یہ فاضل روزگار، ایران کا رہنے والا اور علامہ میر محمد باقر داماد کا شاگرد رشید تھا۔ ولایت سے ہندوستان آیا اور چند دن یہاں ٹھہرا رہا کئی رسالہ اس قیام کے دوران میں تالیف کئے۔ ہم نے اس کے رسالوں کا ایک مجموعہ دیکھا ہے، جو نہایت ہی اہم ہے۔ ایک رسالہ "عسل مصفیٰ" کے بیان میں ہے جس کے سبب تالیف میں لکھا ہے کہ

> "وہ دربار شاہی میں حاضر تھا، بحث و مباحثے ہو رہے تھے اثناء گفتگو میں شہد کی مکھی کا ذکر آیا اور اس پر گفتگو ہوتی رہی اس کے بعد سلطان نے میری طرف خطاب کرکے حکم دیا کہ تم اس کے متعلق ایک کتاب مرتب کرکے میرے سامنے پیش کرو چنانچہ مولف اجازت حاصل کرکے" اآلہی محل" میں آیا، جو شاہی محلات سے تھا۔ اور یہاں بیٹھ کر اس نے اس رسالہ کے ساتھ ساتھ اور مخصوص جانوروں کے بھی حالات ایک جگہ قلم بند کرکے بادشاہ کی خدمت میں گزرانے"

اپنے اس مجموعہ میں اس نے ذکریا رازی کے ایک عربی رسالہ کو (جو جسم کے مختلف حصوں کے علاج کے بارہ میں ہے) نقل کیا ہے، اور کاتبوں کی وجہ سے جو اغلاط اور اسقام اس میں پائے جاتے تھے۔ ان کی تصحیح بھی کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ میں نے اس کی چار گھنٹوں میں نقل کی ہے۔

یہ مجموعہ وہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کے دوران میں جو کچھ استادوں سے

پڑھا، اور سیکھا اور جن جن علوم کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے ان سب کو قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

اِس کا ایک اور اس سے زیادہ قابل قدر، نادر و لاجواب مجموعہ ہم نے دیکھا ہے۔ یہ بھی تقریباً سو سے زیادہ کتابوں کا مجموعہ ہوگا۔ جو خود اس نے لکھی ہیں یا وہ ایک کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ

"میں شاہ جہاں کے عہد میں دولت آباد میں ٹھہرا ہوا تھا اور شہنشاہ کے حسب الحکم "خان خاناں مہابت خاں" نے اس قلعہ پر چڑھائی کی، اور بعد فتح یہاں کے مال و دولت پر قبضہ جمایا اور لوگوں کو تکلیف دینی شروع کی۔ چنانچہ اس داروگیر میں اس نے میری ایک کتاب جلادی جس کی وجہ سے مجھے سخت افسوس ہوا، اور میں انتہائی غصہ کے عالم میں عراق واپس چلے جانے کے ارادے سے مچھلی پٹن پہنچا۔ یہاں ابھی ابھی آیا تھا کہ قطب شاہیہ خاندان کے تاجدار سلطان عبداللہ قطب شاہ کا فرمان میرے پاس آیا جس میں بادشاہ نے میرے دربار آنے کی بڑی خواہش ظاہر کی تھی، اور بڑی داد و دہش و انعام و اکرام کے وعدے کئے تھے۔ چنانچہ جب میں دربار میں حاضر ہوا، تو بادشاہ نہایت اعزاز کے ساتھ پیش آیا۔ اور اپنے مقربین خاص میں مجھے جگہ دی۔ اور میرے لئے طب کی نادر کتابوں کا ایک بہت بڑا کتب خانہ جمع کیا۔ جس کے مطالعہ میں میں رات دن مصروف رہتا تھا[1]"

اِس طبیب نے نہایت آن بان کے ساتھ بادشاہ کی خدمت گزاری کی،

---

[1] ان کے کئی رسالے مرحوم خدا بخش خاں کے بھی کتب خانہ میں موجود تھے۔ اور ایک مجموعہ کا تذکرہ جس میں حنین کے رسالے ہیں ہم نے اس کے متعلق خلفاء عباسیہ کے دور میں لکھ دیا ہے ۱۲

اور ۱۰۵۹ھ میں انتقال کیا۔ قلعہ گولکنڈہ کی شمال جانب ایک موضع آج تک "حکیم پیٹھ" کے نام سے آباد ہے یہ اسی کا بسایا ہوا ہے۔ اور اس موضع میں ایک نہایت ہی دلفریب اور پُر فضا پہاڑ واقع ہے اور اس پہاڑ پر ایک گنبد ہے جس میں اس کی قبر موجود ہے۔ یہ مقام اپنی دلکشی کے لحاظ سے دید کے قابل ہے اور اب ہمارے محکمہ آثار قدیمہ کی توجہ سے ایک حد تک محفوظ ہو چلا ہے۔

گنبد کے داخلی دروازہ پر "فوت الحکیم" لکھا ہوا ہے جس کے نیچے ۱۰۵۹ھ درج ہے۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں محمد شاہ نامی ایک اور بزرگ دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے جن کا تخلص جامی تھا۔ انہوں نے "لذات النسا" کے نام سے ایک منظوم کتاب لکھی۔ بعض ناواقف' اس قسم کی کتابوں کو معیوب سمجھا کرتے ہیں، حالانکہ' اس قسم کے معاملات کو زندگی' اور اس کی مسرتوں سے بڑا تعلق ہوا کرتا ہے' اگر اس قسم کی ضروریات پر خاص طور پر فنی حیثیت سے نظر ڈالی جائے اور مدتوں کے تجربوں اور مشاہدوں کے بعد اس کو مدون کیا جائے تو کوئی قباحت نہیں' اس لئے کہ زندگی کا یہ شعبہ موت و حیات کا درجہ رکھتا ہے اور درحقیقت اس قسم کی کتابوں کا مقصد انسان کو اس کی اپنی زندگی کے اس پہلو سے آگاہ کر دینا ہوتا ہے اسی لئے متقدمین ہی سے اس پر کام ہوتا چلا آیا ہے۔ مؤلف نے اپنی کتاب کی ابتدا حمد و نعت کے بعد ان اشعار سے کی ہے' جن کا انتخاب ہم آپ کی نظروں کے سامنے پیش کر رہے ہیں' اس سے کتاب کے متعلق آپ کو سارے معلومات حاصل ہو جائیں گے۔

"بلند مرتبہ شاہِ عالم پناہ — جہاں دار سلطان عبداللہ (عبداللہ)
زدہ صف بہ پیشش نگاراں ہزار — ستادہ بہ پیش گلعذاراں ہزار

باطرافِ مشرق دریں ژرف دہر — یکے ہست خوش صید رایلہ (؟) شہر

بدانی محمد شاہ (شہ) نامِ من — تخلص بہ جاہی در انظامِ من

یکے از غلامانِ درگاہِ او — غلامیست جاہی بکو خواہِ او

ہوس شد مرا ہم بعلمِ زباں — کہ سازم یکے نسخہ شرح و بیاں

بالطافِ آں شاہِ گردوں جناب — بشیریں سخن، نظم کردم کتاب

بغربت فتادیم یک چند روز — مبرا ز دنیا، بعشق و بسوز

نہ دل با کسے در جہاں بستہ ام — نہ با کس بہ دنیا (ئے) پیوستہ ام

اگرچہ ز اہلِ عجم نیستم — بطرزِ سخن، طفل ہم، نیستم

بگفتست "کوکا" سی چار باب — کہ بود است دانش درو کامیاب

من ایں کاخ پایہ بانداختم — سی و پنج و شش باب درساختم

بدیں کاخ نو بستہ اندوہ گنج — بسے بودہ محنت، بسے دیدہ رنج

فزودم درو حکمتے از دگر — ہمہ آزمودہ، و دیدہ ہنر

ز جوگی و سیاح دیدم بسے — بسے کردہ ام خدمتِ ہر کسے

ہمہ آزمودہ نبود این ہنر — دریں باب کردم بسے خاک زر

کہن شاستر "کوک" بودہ قدیم — اگرچہ ہمہ آزمودہ حکیم

باقبالِ شاہِ زمان و زمن — سخن مردہ را زندہ کردم سخن

جہاں بانست سلطان عبداللہ (علیہ) — خدایش بکونین، بادشاہ

کہ ہرچہ آزمودم نوشتم کتاب — بیابند تا فیض، ہم شیخ و شاب

ز ہجرت ہزار و سی و بیست و شش — رقم کردہ بودم، در آں وقت خوش"

سلہ "اردوئے قدیم" کے مشہور مؤلف و محقق مولوی حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے اپنی تالیف میں اس کتاب کو سلطان محمد قلی قطب شاہ کے عہدِ حکومت سے منسوب کیا ہے، اور لکھا ہے کہ سنسکرت سے مولف نے اخذ کرکے یہ کتاب

بقیہ بر صفحہ آئندہ

خاتمۂ کتاب پر کہتا ہے :-

عزیزاں کتابے کہ گفتم بنظم ۔۔۔ دُر رہائے حکمت بسفتم بنظم

ہنرہائے نادر بگفتم بسے ۔۔۔ بکار آیدت آز باید بسے

خدا بے شریک ست و بے خواب و خفت ۔۔۔ دگر ہر چہ کردہ است باطاق جفت

ز پیغمبراں تا صفِ اولیاء ۔۔۔ ہمہ ذوق کردند بہر دوئے ہا

کسے نیست خالی ازیں کاروبار ۔۔۔ بجز خالق خلق ولیل و نہار

اس فارسی منظوم کتاب کا ترجمہ "تحفۃ العاشقین" کے نام سے گولکنڈہ کے ایک صاحب قال پیرزادے سید میراں حسینی المقلب (لاڑے حسینی) نے سید حسین کی فرمائش پر دکھنی زبان میں کیا تھا۔ مولوی حکیم سید شمس اللہ قادری صاحب کے بیان کے مطابق انکی قبر گولکنڈہ کے دامن میں لنگر حوض کے قریب ہے۔ یہ دکنی ترجمہ اردو کی ابتدائی تاریخ تالیفات میں ایک اہم درجہ رکھتا ہے۔ مشہور "کوکا" کی یہ کتاب مختلف زبانوں میں لکھی اور ترجمہ کی گئی ہے ہم نے اردو اور فارسی نثر و نظم میں اس کے متعدد نسخے دیکھے ہیں

ایک ڈاکٹر کا سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فصد کھولنا

موسی ٹیوریز نامی ایک فرانسیسی سیاح سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) منظوم کی۔ آپکے سامنے سنہ تالیف اور بادشاہ کے نام کے اشعار موجود ہیں اس سے غور فرمائیے کہ محقق موصوف نے کس حد تک صحت رائے سے کام لیا ہے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۵۵ھ میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں لکھی گئی تعجب یہ ہے کہ حکیم صاحب نے اپنی کتاب میں تاریخ دکن صفحہ ۲۹۶ کے علاوہ بریگز کی دوسری جلد صفحہ ۲۰ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کو غلطی ہوگئی ہے یہ عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تصنیف نہیں اور اس کی رائے کو غلط ٹھہرا کر تردید کی ہے۔ حالانکہ خود موصوف کی تردید ہی غلط نظر آرہی ہے ع ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔ البتہ اُن کے خیال کے مطابق مصنف کا نام محمد قلی نہیں معلوم ہوتا۔ (تفصیل اگر دیکھنی مقصود ہو تو اردوئے قدیم مطبوعہ نولکشور پریس صفحہ ۷۶ ملاحظہ فرمائیے) سنہ میں بھی اس ترجمے کے ۱۰۳۵ھ سے بھی اختلاف ہے کیونکہ اصل کتاب ہی جب ۱۰۵۵ھ میں لکھی جائے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کا ترجمہ پہلے ہی ہو گیا

حیدرآباد آیا تھا، اس نے اپنے سفرنامہ میں یہاں کے اطباء اور علاج معالجہ کے متعلق کچھ تفصیل سے واقعات لکھے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

ہم گولکنڈہ پہنچ کر ایک ڈچ مسمی پیٹر ڈی لان کے پاس ٹھہرے جسے مسٹر چیٹر سفیر ہٹاویہ نے گولکنڈہ میں چھوڑا تھا۔ یہ بادشاہ کا سرجن تھا۔ بادشاہ نے بڑے اشتیاق سے اُسے ایلچی سے مانگ لیا تھا کیونکہ بادشاہ کے سر میں ہمیشہ درد رہتا تھا، اور اطباء شاہی نے جو تجویز کی تھی کہ زبان کے نیچے چار جگہ فصد کھلوانی پڑے گی لیکن کوئی باکمال جراح موجود نہ تھا، جو اس کام کو بجالاتا کیونکہ اس ملک کے لوگ جراحی مطلق نہیں جانتے۔"

اس سرجن کی شاہی ملازمت اور اس کے فصد کھولنے کا قصہ گو ڈاکٹری سے تعلق رکھتا ہے، مگر ہمیں اس وقت کی جراحی کی پستی دکھانی مقصود ہے کہ اچھے اچھے اطباء نے اس فن کو ترک کر دیا تھا۔ اور محتاج بنے بیٹھے تھے، اس لئے یہاں سلسلۂ بیان میں درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

" نوکر رکھنے سے قبل ڈی لان سے دریافت کیا گیا کہ کیا اُسے فصد کھولنی آتی ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہ تو جراحی کا معمولی کام ہے۔ ہٹاویہ کا ایلچی اس سرجن کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اس نے صرف بادشاہ کی ناراضی کے خیال سے اس کو یہاں چھوڑ دیا۔ ڈی لان کی تنخواہ یہاں (۸۰۰) پیگوڈا[1] مقرر ہے۔ جب ایلچی مذکور چلا گیا تو بادشاہ نے چند دن بعد اس سرجن کو بلایا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کر لیا گیا ہو۔ اگر یہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہوتا تو ہم اس جزو پر بھی تفصیلی روشنی ڈالتے ہاں یہ ممکن ہے کہ اس منظوم فارسی ترجمہ سے ترجمہ کرنے کی بجائے "اصل کوک شاستر" سے دکنی میں ترجمہ کر لیا گیا ہو ۱۲

[1] پیگوڈا سلطنت قطب شاہی کا ایک سکہ جو قریباً آٹھ روپیہ حالی کے مساوی ہوتا تھا۔

کہا کہ اطبار کی رائے ہے کہ زبان کے نیچے چار جگہ فصد کھلوانی ہوگی،
اور (۲۰) تولہ(۸ اونس) سے زیادہ خون نہ نکلنے پائے، سرجن نے رضامندی
ظاہر کی، اور دوسرے روز اس کو حاضر ہونے کا حکم ہوا۔"

"ڈاکٹر لالن حسب الحکم دوسرے روز دربار میں حاضر ہوا دو تین خواجہ سرا آئے
اور ایک کمرہ میں اُسے لے گئے پھر یہاں سے چار بوڑھی عورتیں اُسے
حمام میں لے گئیں اس کے کپڑے اُتارے، اور اُسے نہلایا۔ اور خاصکر
ہاتھوں کو خوب دھویا گیا، پھر اس کا جسم دواؤں وعطریات سے معطر
کیا گیا۔ اور اس کے بعد اس کو یوروپین لباس کی بجائے درباری لباس
پہنایا گیا، یہاں سے وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ظروف طلائی
لائے گئے۔ اطبار سارے بادشاہ کے اطراف موجود تھے، ان برتنوں
کو پہلے ہی تول لیا گیا تھا، تاکہ بعد میں خون جسکی مقدار پہلے ہی سے
معین کردی گئی تھی۔ فصد کھولنے کے بعد وزن کرلیا جاسکے۔ ڈاکٹر نے
بادشاہ کی زبان کی چار جگہ فصد کھولی، اور اس کمال سے نشتر لگایا کہ جب
خون کے برتنوں کو تولا گیا تو ۸ اونس سے زیادہ ایک رتی بھر بھی خون
نہ نکلا۔ بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ اُسے تین سو پگوڈا انعام میں
سرفراز کئے۔ اس کے بعد بادشاہ کی والدہ اور اس کی ملکہ وغیرہ نے
بھی حرم سرا میں بلواکر ڈاکٹر سے فصد کھلوائی۔ اور بہت کچھ انعام
اکرام دیا۔"[1]

ٹیوریز آگے چل کر بادشاہ کے طبیب خاص کا بھی بہت ہی مختصر ذکر کرتا ہے

[1] حرم سرائے شاہی کی عورتوں کی فصد کھلوانے کی تفصیل جو بہت دلچسپ ہے سیاحت نامہ ٹیوریز صفحہ ۹۱ پر ملاحظہ فرمائیے۔

جس کا لقب افسر الاطبا، لکھا ہے۔

موسیو تھیونو نامی ایک اور فرانسیسی سیاح بھی اس عہد میں یہاں آیا تھا، اس نے یہاں قولنج کے درد کے علاج کی تعریف کی ہے، اور اس کے اقسام بیان کئے ہیں، اور اس مرض کے "علاج بالکی" کی بہت سی قسمیں، اور نزاکتیں بیان کی ہیں، اور نسخہ بھی معلوم کر کے لکھا ہے[1]

قطب شاہیہ حکومت کے بعد، دکن پر کچھ عرصہ تک مغلوں کا تسلط برقرار رہا، اور مختلف صوبہ دار مقرر ہوتے رہے۔ جنوبی ہند کی اور ریاستوں میں سلطنت میسور، اور نوابانِ ارکاٹ کے بھی درباروں میں نامور اطبا جمع تھے۔ اور ٹیپو سلطان نے تو طب کی طرف خاص توجہ کی تھی۔ اور اس کے حکم سے مفرداتِ طب بحر المنافع، تحفۂ محمدیہ وغیرہ کے نام سے بہت سی طبی کتابیں تالیف ہوئیں۔

طب سلاطین آصفیہ کی شاہانہ سرپرستیوں میں

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی علیہ الرحمہ کے سلسلۂ نسب میں بخارا کی سرزمین پر بعض ان کے نام لیوا، زہد و تورّع کی مسند جلالت پر رشادتِ خلق کے ساتھ ساتھ علمی فیضان کے پھیلانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ قدرت کو منظور ہوتا ہے کہ ان کا ابر کرم ہندوستان پر بھی برسے اس لئے خواجہ عابد کے نام سے ایک صاحب فضل و کمال بزرگ اس خاندان میں جنم لیتا ہے، اور وہ سن رشد کو پہنچ کر ہند کی سرزمین کا رخ کرتا ہے، شہنشاہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کے صدر الصدور کی حیثیت سے ایک طرف خدائی احکام کی توسیع و اشاعت کرتا ہوا نظر آتا ہے تو

---

[1] یہ سفرنامہ بھی "سیاحت نامۂ موسیو تھیونو" کے نام سے چھپ چکا ہے، اور یہ نسخہ صفحہ ۱۲۲ پر درج ہے۔

دوسری طرف سلطنت کی خدمت کرتا ہوا اپنی جانِ عزیز تک کو نذر کر دیتا ہے
اِن ہی خواجہ عابد کے صاحبزادے شہاب الدین خاں (فیروز جنگ اول) کے
گھر میر قمرالدین خاں کے نام سے ایک لڑکا اس عالم اجسام میں سانس لینے کے لئے
وجود میں آتا ہے، جسے قدرت دکن کی سرزمین کی بادشاہت کے لئے منتخب
کرتی ہے۔ حالات و واقعات اِس قسم کے رُونما ہوتے ہیں کہ قمرالدین خاں بہادر
(نظام الملک آصف جاہ اول) دکن آتے ہیں اور اپنی اولاد کے لئے ایک
عظیم الشان سلطنت چھوڑ جاتے ہیں، جو "دولت آصفیہ" سے موسوم ہوتی ہے۔

مغفرت مآب حضرت آصف جاہ اول جن خوبیوں کے انسان تھے اُن کے
حالات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ ایک بادشاہ ہونے کے علاوہ بڑے زبردست
صاحب علم و فضل بزرگ گزرے ہیں، جن کی صفات اور خوبیوں سے دکن کی ساری
تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ وہ ایک غیر معمولی انسان اور نوعِ انسانی کے بڑے زبردست
نبض شناس تھے۔ انہیں اپنی عزیز رعایا کا بے حد پاس تھا، اور ساری زندگی
ان کی صلاح و فلاح، اور رفاہی کاموں کے انجام دینے، اور خلق اللہ کو آرام پہنچانے
کے خیال میں صرف فرمادی۔

حضرت آصف جاہ اول کی طبی سرپرستی

حضور آصف جاہ اول ۱۱۶۱ھ ۱۱۰۲ھ سلطنت دہلی کے
وزیر اعظم اور ایک مُدبّر انسان تھے۔ اور انہوں نے
ایک مکمل نظام سلطنت کو دہلی جیسی عظیم الشان سلطنت میں چلاکر بہت بڑا تجربہ
حاصل کیا تھا۔ جب دکن میں مستقل طور پر خودمختارانہ حکومت قائم فرمائی تو صیغہ طبابت
کو سب سے پہلے ترقی دینے کی فکر کی۔ ان کا دربار علماء، فضلاء کے ساتھ ساتھ بہترین
اطباء سے بھی معمور تھا۔ جب دلی سے حضرت مغفرت مآب دکن کے ارادے سے
نکل پڑے، تو اس وقت یہاں کے بہت سے باکمالوں کے ایک جم غفیر کو چن چن کے

اپنے ہمراہ لیا' ان میں اطبار کا بھی ایک بڑا گروہ تھا' اس وقت حکیم عبدالحسین خاں حکیم محمد امین الدین اصفہانی، حکیم محمد جعفر شیرازی حکیم محمد اصفہانی، حکیم جعفر ثانی اور حکیم محمد تقی خاں وغیرہ ہمراہی کا شرف رکھتے تھے ان حکمار کے سوا حسب ذیل اور اطبار بھی ملازم تھے۔

(۱) حکیم محمد حسین (ان کے متعلق لکھا ہے کہ سرکار آصفیہ سے ہزار روپیہ ماہوار ملا کرتی تھی) (۲) حکیم محمد محسن صفاہانی (۳) حکیم جعفر (ان کو حضور نے "ارسطوخاں" کا خطاب بھی مرحمت فرمایا تھا) (۴) حکیم معصوم خاں (۵) حکیم محمد تقی اصفہانی (یہ حضر کے دربار میں عضد الدولہ عوض خاں بہادر صوبہ دار برار کے ساتھ پانچ سو سوار کی جمعیت کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔) (۶) حکیم عزت طلب خاں۔ یہ بھی دربار شاہی سے تعلق رکھتے تھے' اور مبارز خاں کی لڑائی میں گرفتار ہوکر حضرت آصف جاہ کے ہاتھ آئے' اور حضرت نے رہا فرما کر ان کے ساتھ شاہانہ مراحم مرعی رکھے۔

(۷) کھمل نامی ایک جراح بھی تھا' جو سارے جراحوں کا سرکردہ مقرر کیا گیا تھا اور اپنے فن کا بے نظیر آدمی تھا۔ تاریخوں کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مغفرت مآب علیہ الرحمہ کے دربار سے متعلق ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ چنانچہ اس ڈاکٹر نے انوار اللہ خاں دیوان سرکار کا علاج کیا' جو "مرضِ آکلہ" میں سخت علیل تھا (جس میں آدمی کی زبان گل کر جھڑ جاتی ہے)۔ اس موقع پر یہ ڈاکٹر' حکیم محسن خاں۔ و حکیم معصوم خاں کے ساتھ شریک علاج تھا۔ لیکن مرض کی شدت کی وجہ سے آدھی زبان گل کر، گر گئی تھی[1]۔

لکھا ہے کہ ایک دفعہ آصف جاہ بہادر کے سینہ پر پھوڑا نکل آیا جس سے

---

[1] تاریخ ریاست حیدرآباد صفحہ ۱۵۸

مزاج سخت ناساز ہوگیا تھا۔ ورم کی وجہ سے سخت تکلیف کے سوا ر پیپ بھی پڑ گئی تھی یونانی اور ہندی دونوں قسم کے علاج ہوئے، مگر کوئی فائدہ نہ ہو سکا اتفاق سے اس زمانہ میں گجرات سے ایک بوہرا آیا، اس نے ایسا حکمی معالجہ کیا کہ بیس روز میں مرض بالکل جاتا رہا۔ اور پھوڑہ کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ اعلیحضرت نے اس بلائے ناگہانی سے نجات پاکر اس بوہرے کو چاندی میں تُلوایا، اور پانچ ہزار پانچ سو روپیہ، جو اس کے ہم وزن ہوئے تھے، سرفراز فرماتے ہوئے، خلعت بھی مرحمت کیا۔[1]

حضرت آصف جاہ اول کے بڑے صاحبزادے، امیر الامرا غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ، جو شہنشاہ دہلی کی خدمت میں، اپنے والد بزرگوار کی نیابت فرمایا کرتے تھے، جب نواب ناصر جنگ بہادر شہید ہوگئے، تو شہنشاہ دہلی سے دکن کی حکمرانی کا فرمان لے کر اورنگ آباد آئے، تو ان کے ہمراہ ایک فرانسیسی ڈاکٹر "ڈی ڈولیش" تھا جس کو انہوں نے فرانسیسوں کے پاس اپنا سفیر بھی بنا کر بھیجا تھا۔

فیروز جنگ بہادر جب دکن کے ارادے سے برہان پور پہنچے تو یہاں ان کی خدمت میں حکیم عبدالسلام عرف حکیم چھمو موجود تھے۔ شہزادے صاحب ان کی کمال عزت فرمایا کرتے اور بڑے معتقد ہوگئے تھے۔ یہ حکیم صاحب برہان پور کے نامی اطبا میں تھے، انہوں نے ایک کتاب "قرابادین سلامی" بھی تصنیف کی تھی۔[2]

طب پر نواب نظام علیخاں بہادر کی شاہانہ توجہات

جب نواب ناصر جنگ

[1] تاریخ دکن مؤلفہ اختر صاحب و جلیل صاحب صفحہ ۲۸۳ ۔ ۱۲ [2] تاریخ برہان پور صفحہ ۱۵۹

اور صلابت جنگ کے بعد نواب میر نظام علی خاں بہادر اسد جنگ آصف جاہ ثانی تخت نشین ہوئے تو دکن کی سلطنت میں تازگی پیدا ہوگئی اور ملک میں سرعت سے ترقی کی ایک لہر دوڑ گئی ان کی شاہانہ قدردانیوں کے باعث بہت سے علماء، فضلاء اور اطباء اقطاع ہند سے کھنچ کھنچ کر دربار حیدرآباد چلے آئے۔

تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت آصف جاہ ثانی نے اطباء کی نہایت شاہانہ فیاضیوں اور عطیوں سے قدردانی فرمائی ہے۔ اور ہمیشہ فن طب سے آپ کو گہری دلچسپی رہی۔ جب آپ ایک دفعہ بیمار ہوگئے تھے تو اطباء نے ایسا بے نظیر علاج کیا کہ بہت جلد آرام ہوگیا۔ اسی خوشی میں ۱۳ ربیع الاول ۱۱۹۴ھ کو "جشن صحت" منایا۔ اور اس محفل میں اطباء کو جواہر و خلعت سے سرفراز فرما کر ان کی قدر افزائی کی۔

جب ایک دفعہ مبارز الملک ظفرالدولہ دھونسہ مرض سرطان سے سخت علیل ہوگئے تھے، تو ان کے علاج کے لئے اعلیحضرت نے حکیم باقر خاں مسیح الدولہ اور "پلینا" جراح کو روانہ فرمایا تھا[1]۔

۸ جمادی الاولی ۱۲۰۳ھ کو غفران مآب نواب نظام علی خاں بہادر قلعہ گولکنڈہ کی سیر کے لئے تشریف لے گئے اور یہاں اس شاہانہ تشریف آوری کی تقریب میں "زنانہ مینا بازار" لگایا گیا تھا۔ (یعنی عورتوں کا میلہ بھرا تھا) اور بڑے ہی اہتمام و انتظام سے یہ سارے انتظامات عمل میں لائے گئے تھے۔ اس بازار کے انعقاد کے قریبی دنوں میں حضور ایک دن مسند پر تشریف فرما تھے، اور کسی بیگم کی ایک بندریا بھی جو پلی ہوی تھی، مسند کے نزدیک آکر بیٹھ گئی تو اعلیحضرت اس پر شفقت سے ہاتھ پھرانے لگے، لیکن اس وحشی جانور نے فوراً دست مبارک کو

---

[1] تاریخ ریاست حیدرآباد صفحہ ۲۰۹ مؤلفہ نجم الغنی صاحب رام پوری۔

بری طرح زخمی کر دیا۔ اور اس قدر گہرا زخم بیٹھا تھا کہ تقریباً دو ماہ بعد صحت پائی، اس وقت جن جراحوں نے بڑی دانائی سے علاج کیا تھا حضور نے انہیں انعام واکرام سے مالامال کر دیا۔ اور صحت کے بعد ایک جشن صحت بھی ترتیب دیا گیا[1]۔ اس واقعہ کی تاریخ اسد علی خاں تمنا نے

"ہے دستِ ترا مددِ یدِ اللہ"

۱۲۰۳ھ

سے نکالی۔

نواب نظام علی خاں بہادر جب ٹیپو سلطان کی لڑائی کے بعد مقام پانگل سے حیدرآباد واپس آرہے تھے، تو گرمی کی شدت اور آب و ہوا کی خرابی کے باعث "تہیج اطراف" کا عارضہ ہوگیا تھا۔ مرض اس قدر شدت پکڑ چکا تھا کہ لوگ حضور کی نسبت غلط افواہیں مشہور کرنے لگے تھے، مگر شہر آنے کے بعد دربار شاہی کے حکماء نے ایسا معقول علاج کیا کہ بہت جلد صحت نصیب ہوگئی۔ اور یہ مرض بالکل جاتا رہا۔

شعبان ۱۲۱۲ھ میں اعلیٰ حضرت پر جب فالج کا حملہ ہوگیا تھا تو اس موقع پر بھی اطباء کی مساعی قابل قدر تھیں۔

حضرت سکندر جاہ بہادر کی طبی قدردانیاں

سکندر جاہ بہادر ۱۲۱۸ھ–۱۲۴۴ھ آصف جاہ ثالث کا دور طبی سرپرستیوں اور اس کے کارناموں کے لحاظ سے ایک درخشاں دور تھا۔ حضور کے عہد میں بڑے بڑے اطباء دربار میں جمع تھے گو ان میں سے اکثر نظام علی خاں بہادر کے دور میں حیدرآباد آئے، مگر اکثر و بیشتر نے ان کے عہد میں شہرت حاصل کی اور اس کثرت سے اطباء تھے کہ شاید ہی کسی اور

[1] داستان نظام علی خاں قلمی ۱۲

دور میں موجود ہوں گے اکثر شاہی مشغلہ بھی طبی دلچسپی رہا کرتا تھا۔ حضور اس فن کے گرویدہ اور بڑے دل دادہ تھے خود بھی نہایت اچھی دستگاہ رکھتے اور اکثر موقعوں پر اُمرا وغیرہ کو اپنے شاہی توشہ خانہ سے دوائیں سرفراز فرمایا کرتے تھے اس عہد میں بڑی چوٹی کی طبی کتابیں بھی تالیف ہوئیں۔ اور حضرت نے خود اپنے مجربات وآزمودہ چیزوں کو ایک جگہ جمع کرکے حکم دیا کہ ان کو ایک تالیف کی شکل میں مرتب کیا جائے۔ حضور کو زیادہ تر ہندی ادویہ سے دل چسپی تھی۔ اور یہ مجموعہ حکیم شیخ حیدر مصری کے اہتمام سے تیار ہوا اس کا نام "قرابا دین ہندی" ہے۔ اور اس میں وہی خاص نسخے درج ہیں جن کو خود اعلیٰ حضرت نے بہ نفسِ نفیس آزمایا تھا۔ یہ مجموعہ ذی حجہ سنہ ۱۲۵۶ھ میں مرتب ہوا، اور اس کی اکثر دوائیں تیار کراکے توشہ خانۂ مبارک میں بھی رکھی گئیں کہا جاتا ہے کہ یہ دوائیں حضور کے بعد بھی ایک عرصہ تک توشہ خانہ میں موجود تھیں۔

آپ کے عہد کی ایک دوسری شہرہ آفاق تالیف "یادگارِ رضائی" ہے جس کے نام سے ہر ایک طبیب کم وبیش واقف ہے۔

اس کا اصل نام "تذکرۃ الہند" ہے جس کے مؤلف حکیم رضا علی خاں تھے ابتدا میں مولف کتاب کے والد حکیم محمود علی بن حکیم حضرت اللہ نے اسکو عربی میں لکھا تھا۔ بعد کو ان کے صاحبزادے نے اس کی تکمیل کی چنانچہ ابن محمود دکنی (یعنی خود حکیم رضا علی خاں) نے سبب تالیف میں یہ لکھا ہے کہ۔

"مجھے بھی وراثتہً علم طب سے فطری دلچسپی تھی اور میں نے مولوی سید محمد حسینی عرف سیدن صاحب قبلہ کی خدمت میں اس فن کی تکمیل کی۔ اور اس کے بعد جب میری نظر حضرت والد ماجد قبلہ کی اس کتاب پر پڑی تو دیکھا کہ یہ بالکل غیر مرتب ومسودہ کی حالت میں ہے اور حضرت کی عمر شریف بھی اس وقت نوّے برس کی تھی

قویٰ میں فتور و ضعف پیدا ہو چکا تھا، بالآخر اسی مرض سے انتقال بھی فرمایا
اس کے بعد میں نے حضرت کی اس محنت عظیم کو مکمل کر کے اُن کی اس
یادگار کو دنیا میں باقی رکھنے کا ارادہ کیا اور کمر ہمت باندھی اور خود اس
کتاب کی تحقیق و اضافہ کے لئے تکا محنت شاقہ برداشت کرنے کے بعد
میں نے اس کو مکمل کیا اور حضرت والد علیہ الرحمہ نے جو عربی زبان میں اس کو
مرتب فرمایا تھا اس کی بجائے اس کا فارسی میں ترجمہ کر دیا، تاکہ ہر شخص فائدہ
اٹھا سکے، البتہ خطبۂ کتاب کی اصل عبارت حضرت مرحوم ہی کی برقرار رکھی
اور اس کی تاریخ "تا جہاں باد یادگار رضا" سے استخراج کی۔

اس کتاب کو چھپوانے کا بیڑہ سب سے پہلے مولوی عبدالعلیم نصراللہ خاں نے
اٹھایا، جو حیدر آباد میں عدالت فوجداری کے افسر تھے۔ اور جنہوں نے "تاریخ دکن"
کے نام سے یہاں کی ایک تاریخ بھی لکھی مولوی صاحب خود ایک ادیب و عالم ہونے
کے علاوہ طبیب بھی تھے اور ڈاکٹری طب میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، اور کئی طبی
تصانیف بھی لکھیں انہوں نے اس کتاب کو جب چھپوانے کا قصد کیا، تو سب سے
پہلے بڑی محنت و مشقت اٹھا کر اس کی تصحیح کی، اور اس کے بعد ۱۲۹۰ھ ف ۱۲۸۳ کو
دارالطبع سرکار عالی میں چھپوانا شروع کیا جو ۱۲۹۱ھ میں مکمل طبع ہو کر نکلی۔ یہ ایڈیشن
نہایت چوڑی اور بڑی تقطیع پر طبع ہوا، جس کی کتابت بھی نہایت دیدہ زیب
اور (۸۰۰) صفحوں پر مشتمل تھی بعد کو ڈاکٹر اعتماد الحق نے بھی اسے چھپوانا شروع کیا
تھا، جو تقریباً پانچ سو صفحہ تک چھپی چونکہ یہ مکمل نہ ہو سکی تھی اسی لئے عام طور پر منظر عام
میں نہ آسکی۔

۱۳۵۳ھ میں سرکار عالی کی امداد کی بنا پر من جانب انجمن اطبائے یونانی مولوی حکیم
ابوالفدا محمود احمد صاحب معتمد انجمن کی سعی سے مفید حواشی کیساتھ اس کتاب کا ایک

حصہ رائل سائز پر چھپا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی ہماری نظر سے گزرا مزید تحقیق و تفتیش کے ساتھ یہ ترجمہ بھی شائع ہو جائے تو بہتر ہے۔

سکندر جاہ بہادر کی ایک گیارہ مہینے کی صاحبزادی، فیروز بیگم تھیں، جن کو اُم الصبیاں کا عارضہ ہو گیا تھا،

حضور کو اس بچی کے معصومانہ انداز بے حد پیارے معلوم ہوتے۔ اور وہ ایسے کھیلتے ہوئے دیکھ کر بے اندازہ محظوظ ہوا کرتے تھے، جب یہ لڑکی بیمار ہوئی تو شروع میں حکیم احمد یار خاں کا علاج رہا، اس کے بعد محمد اکبر حسین خاں (ولد حکیم صادق حسین خاں المعروف بہ حکیم منا صاحب) کا بھی علاج ہونے لگا۔ حکیم خواجہ غلام حسین خاں، جو ایک دیرینہ اور تجربہ کار حکیم تھے، اور اعلیحضرت کے مزاج میں ان کو دخل تھا، روشن بنگلے کے پاس ہی رہا کرتے تھے، انہوں نے اس معالجہ کے وقت احمد یار خاں سے کہا کہ آپ اپنے ساتھ چار پانچ اور تجربہ کار حکیموں کو علاج میں شریک کر لیجئے اور ان سب کے مشورہ سے کام کیجئے۔ مطمئن رہیئے کہ اگر فیروز بیگم کو آرام ہو گیا تو کوئی شخص آپ کے انعام میں شریک نہ ہو سکے گا۔ ورنہ خدانخواستہ دوسری صورت میں بدنامی، اور سب سے زیادہ عتاب شاہی کا ڈر لگا ہوا ہے۔ میں اعلیحضرت کے مزاج سے بخوبی واقف ہوں، اور آپ سے عمر میں بھی بڑا ہوں، اور اپنی آنکھوں، دربار شاہی کے سارے واقعات دیکھے ہیں اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آپ میری اس نصیحت پر عمل کریں اعتصام الملک کے سامنے بھی ان دونوں حکیموں کو بے حد تاکید کی، مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو علاج میں کامیابی نصیب نہ ہو سکی، اور وہ لڑکی نویں محرم ۱۲۲۲ھ کو انتقال کر گئی۔ حضرت سکندر جاہ بہادر کو اس کا اس قدر رنج و غم ہوا کہ بے اختیار چیخیں مار مار کر رو دیتے، اور بے قراری کے عالم میں چلتے چلتے

کہ نوازش محل سے باہر نکل جائیں۔ اس موقع پر حکیم غلام حسین خاں، اور خان محمد مردسے نے جرأت کی اور آگے بڑھ کر عرض کی کہ حضور کی سلامتی چاہیئے، قدیم سے والیان ریاست کا ایسا دستور نہیں، " الصبر مفتاح الفرج" تو مشہور ہی ہے؟ یہ سنتے ہی حضرت رُک گئے، اور فرمایا :-

"انا للہ وانا الیہ راجعون ہم خود جانتے ہیں کہ یہ ایک تقدیری امر ہے، سوائے صبر و شکر کے کوئی چارہ نہیں، لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ میں محبت میں بے حال ہوا جاتا ہوں"۔

اعلحضرت ایک عرصہ تک اس رنج و غم مبتلا رہے، بالآخر خود ہی اس صدمہ سے بیمار ہو گئے۔

سکندر جاہ بہادر جب عارضۂ استسقاء سے علیل ہو گئے تھے تو ضعف جگر سے پاؤں پر ورم آگیا تھا۔ اس وقت وید اور یونانی اطبار علاج کرتے تھے، اور رات دن خلوت مبارک میں حاضر رہا کرتے۔ ان معالجین میں حکیم شفائی خاں، حکیم مسیح الزماں، حکیم رضا علی خاں، حکیم تاج الدین خاں چینا پٹنی اور ویدوں میں رام بھٹ، و ونکٹ رام (ساکنان عیدگاہ کہنہ) شامل تھے۔ اور اعتصام الدولہ عرض بیگی کی نگرانی میں دوائیں وغیرہ تیار ہوتی تھیں، اور حکیم خواجہ غلام حسین خاں شب و روز ڈیوڑھی مبارک پر حاضر رہا کرتے تھے، اور اعلیٰحضرت کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ ان کے مشورہ کے بغیر کوئی دوا استعمال نہیں فرماتے تھے۔ خواجہ غلام حسین خاں اور خان محمد مردسے وغیرہ خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ اسی علالت کے زمانے میں ایک دن حضور نے حکیم صاحب کو حکم دیا کہ "قرابادین قادری" سے مرہم داخلیون کا نسخہ نکال کر تیار کیا جائے، اس نسخہ کے متعلق اس سے پہلے خان محمد کو ارشاد فرما چکے تھے لیکن اس وقت تک یہ نسخہ نہ نکلا تھا۔ غصہ میں آکر مردۂ مذکور

کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ :-

"یہ شخص چار پشت سے ہماری سرکار کا پروردہ یافتہ اور نوکر چلا آتا ہے اور ہم اس پر ماں باپ سے زیادہ شفقت کرتے ہیں، لیکن دیدہ دانستہ عدول حکمی کرتا ہے آخر اس کو کیا سزا دی جائے کہ یہ درست ہو سکے۔"

اس عرصہ میں اس نے نسخہ نکال کر خدمت اشرف میں گزرانا، تو فوراً غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور (ہنستے ہوئے) فرمایا کہ اچھا جلدی تیار کرو۔"

اس وقت خان محمد مردھے نے اطلاع ملنے پر حضور سے عرض کی کہ جہاں پناہ! نیر الملک بہادر مدار المہام اور راجہ چندو لعل بہادر پیش کار دو یونانی اطباء، اور دو ویدوں کو لئے ہوئے خلوتِ مبارک پر موجود ہیں، اور یہ عرض کر رہے ہیں کہ ہم حکیموں کو لے کر حاضر ہیں، تاکہ ان لوگوں کو حضور کے پیروں کا ورم دکھلا کر معقول علاج کرایا جا سکے۔ تو اعلیٰحضرت نے یہ سن کر فرمایا کہ :-

"اگر یہ لوگ طبیبوں کو لائے ہیں تو ان سے کہو کہ مریضوں کو بھی پیدا کر لیں، ہم ایک بیمار ہیں، اور ہمارا ایک حکیم غلام حسین خاں ہمارے لیے کافی ہے۔ جو ہمارے مزاج سے خوب واقف ہے، مرہم داخلیوں کا نسخہ تیار کر رہے ہیں، جاؤ کہدو کہ چند روز میں ورم کم ہو جائے گا، عجلت کی کوئی ضرورت نہیں۔"

خان محمد نے پھر واپس آکر یہ عرض کی کہ وہ لوگ کہتے ہیں ہم جان نثاروں کو سرکار کے پیروں کا ورم دیکھے بغیر خاطر جمعی نصیب نہ ہوگی، باریابی کے امیدوار ہیں تو حضور نے فرمایا "جا کر کہو کہ وہ لوگ علم طب سے ناواقف ہیں، ہم حکیم غلام حسین کو بھیجتے ہیں، ان سے سب حال دریافت کر لو۔" اور اس کے بعد حکیم

خطاب کر کے فرمایا کہ "جاؤ ذرا باہر جا کر ان لوگوں کو تسلی دے آؤ۔"

حکیم صاحب جب باہر آئے تو دیکھا کہ منیر الملک بہادر اور راجہ چندو لعل بہادر خلوت مبارک میں "آسا پالا" کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے ہمراہ تمام اُمراء اور اطباء وغیرہ موجود ہیں حکیم صاحب نے ان سب کو حکم شاہی سنا کر تسلی اور دلاسا دے کر واپس کر دیا۔

اس کے بعد حکیم صاحب موصوف نے اعلیٰ حضرت کا بہت ہی خوبی سے علاج کیا، اور مناسب تدبیریں اختیار کیں، یہاں تک کہ سارا مرض جاتا رہا۔ عید اضحیٰ کے روز جب حضور نوازش محل میں تشریف لائے تو فرمایا کہ جب سے ہم نے مرض استسقاء سے نجات پائی ہے، اور ورم کم ہو گیا ہے جسم بالکل ہلکا معلوم ہونے لگا ہے۔ سب امراء نے اس موقع پر صحت کی اور عید کی نذریں گزرانیں۔

اس واقعہ سے حضرت سکندر جاہ بہادر کی طبی دلچسپی اور ان کے گہرے ایقان کا پتہ چلتا ہے۔

سکندر جاہ بہادر مغفرت منزل کی بارگاہ میں حسب ذیل اطباء بساطِ شاہی سے وابستگی کا شرف رکھتے تھے اور بعض سرکاری ملازمت میں داخل تھے۔

حکیم معالج خاں[1]، حکیم الحکماء محی الدولہ[2]، احمد یار خاں[3]، حکیم شفائی خاں[4]، حکیم باقر علی خاں[5]، حکیم محسن خاں[6]، حکیم صادق حسین خاں[7]، حکیم رضا علی خاں[8] بن حکیم محمود خاں (مولف یادگار رضائی)، حکیم غلام حسین[9] شاہ جہاں آبادی، حکیم عافیت طلب خاں[10]، حکیم مسیح الزماں[11]، حکیم سید صاحب[12]، حکیم میر معصوم علی[13]، حکیم میر جواد علی خاں[14]، حکیم مولوی سید ابراہیم[15]، حکیم میر کاظم علی خاں[16]، حکیم احمد اللہ خاں[17]، حکیم شاہ علی[18]، حکیم بندہ علی خاں[19]، حکیم میر صفدر علی[20]، حکیم بندہ حسن[21]، حکیم سید اعظم الحسینی[22]، حکیم

خواجہ غلام حسین خاں (مولف گلزار آصفیہ)[23]، جگناتھ مصری[24]، وینکٹ رام راجندرہ[25] پسر گوروناتھ[26]، ڈاکٹر کنٹری[27]، ڈاکٹر نور[28]، غلام محی الدین جراح[29]

حکیم معالج خاں۔ سکندر جاہ بہادر کے دربار میں ان کو بڑی عزت حاصل تھی مسیح الدولہ ساکن اورنگ آباد کے لڑکے تھے۔

حکیم الحکما، محی الدولہ ان کا نام عزت یار خاں تھا، اور یہ حکیم جعفر خاں کے بیٹے تھے۔ سکندر جاہ بہادر کی والدہ تہنیت النسا بیگم ان کی بڑی عزت فرماتی تھیں جب حج سے واپس ہوئے تو خود حضور اور ان کی والدہ نے بے حد نوازشیں فرمائیں۔ یہ سلطنت کی خدمت صدر الصدوری اور محتسبی پر بھی فائز تھے۔

احمد یار خاں محی الدولہ۔ یہ عزت یار خاں کے لڑکے تھے، ہمیشہ مصاحبت شاہی کا شرف حاصل کیا۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد شہزادوں اور شہزادیوں کے معالج رہے۔ لکھا ہے کہ ان کے والد اپنے تقدس و بزرگی کی وجہ سے نظام علی خاں بہادر کی سالگرہ ڈالا کرتے تھے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے کو بھی حضرت سکندر جاہ بہادر نے یہ اعزاز مرحمت فرمایا تھا۔ یہ طبیب ہونے کے علاوہ علم ریاضی میں بھی کمال رکھتے تھے، اور ایک اچھے خوشنویس بھی تھے۔ آبائی خدمت صدر الصدوری پر مامور رہے۔

حکیم شفائی خاں معتمد الملوک یہ چوٹی کے اطباء میں شمار کئے جاتے تھے اور بہت مشہور طبیب تھے۔ حکیم احمد اللہ خاں ہندی کی شاگردی کا شرف حاصل کیا تھا۔ شاہ جہاں پور سے حیدر آباد آئے اور ولیم پالمر صاحب کی وساطت سے مہاراجہ چندو لعل کی ملازمت اختیار کی۔ اور اُن کے مزاج میں بڑا رسوخ حاصل کیا۔ اپنے زمانہ میں بڑے معرکے کے علاج کئے جس سے ان کی بڑی شہرت ہوئی مہاراجہ کی وجہ سے دربار شاہی میں بھی مرتبہ حاصل کر لیا تھا اور خطاب

معتمد الملوک سے مفتخر کئے گئے۔ سات ہزار روپیہ کی جاگیر[1] اور ایک ہزار روپیہ تنخواہ مقرر تھی۔ متعدد مرتبہ نقد انعامات و خلعت فاخرہ سے سربلند ہوئے مہاراجہ چندو لعل کو ان کی وفات کا بڑا غم ہوا، اور کئی دن تک ان کی محفل میں ان ہی کا تذکرہ رہا کرتا تھا۔

حکیم صاحب موصوف علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے خداداد ذہن و عقل پائی تھی۔ طب میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے کثیر التصانیف مؤلف گزرے ہیں، ان کی حسب ذیل کتابیں ہم نے دیکھی ہیں۔

رسالہ شفائی خاں (عربی میں)[1]، جامع[2] اصول طبیہ، رسالہ استعمال[3] چوب چینی رسالہ[4] طب، رسالہ شفائیہ[5]، علاج الاطفال[6]، قوت لاثیوت[7]، مجربات و بیان حمیات شفائی[8] خاں، میزان[9] المزاج، اور ایک کتاب کا نام "معالجات[10] چندو لعل" بھی سنا ہے۔

حکیم محسن خاں دہلوی۔ شاہی اطباء سے تھے، وزیر دکن اعظم الامراء ارسطو جاہ بھی ان کو اپنے پاس سے ماہانہ چارسو روپیہ دیا کرتے تھے۔

حکیم صادق حسین خاں۔ عرف منتا صاحب۔ نظام علی خاں بہادر کے عہد میں حیدرآباد آئے تھے حضور میں باریاب ہوئے، تو اعلحضرت نے عنایات شاہانہ سے دو سو روپیہ تنخواہ مقرر فرمادی تھی۔ اور زنانہ ڈیوڑھی پر متعین فرمایا تھا[2]

---

[1] مسلمان سلاطین نے اکثر اطباء کے نام معاشیں جاری کردی تھیں۔ اور جاگیریں بھی مرحمت کی تھیں تاکہ وہ ان کی آمدنی سے مرضا کا علاج کرسکیں قریباً ساری اسلامی سلطنتوں کا یہ قاعدہ ہی ہوگیا تھا ۱۲ [1] مولوی حکیم سید عبداللہ صاحب رہبہ اس کتاب کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں ۱۲

[2] صاحب گلزار آصفیہ نے ۱۲۴۹ھ پر لکھا ہے کہ یہ اور ان کے بیٹے محرم میں اسقدر خوبصورت و نازک کام کرکے تعزیہ بنا کر استادہ کرتے تھے کہ جس کا جواب سارے ہندوستان میں نہ تھا اور یہ اس خصوصیت کے باعث بے حد مشہور تھے۔

حکیم رضا علی خاں حکیم محمود خاں کے صاحبزادے تھے ارسطو جاہ بہادر اور شمس الامراء بہادر کے پاس ان کی بڑی عزت تھی۔ بعد میں اطباء سرکاری میں شامل ہوئے انہیں بھی دو سو روپیہ ماہوار سے سرفراز کیا گیا۔ سکندر جاہ بہادر کے ساتھ شوراپور کے بھی سفر میں رہے۔ یادگار رضائی ان ہی کی کتاب ہے، جس کا ذکر ہم آگے کر چکے ہیں۔

حکیم غلام حسین خاں۔ شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے، ایک عرصہ تک راجہ گوبند بخش کے ساتھ رہے راجۂ موصوف ان کو کئی سال تک اپنی جیب خاص سے پانچ سو روپیہ ماہانہ دیا کرتے تھے۔ صاحب علم و فضل تھے فن طب میں کامل دستگاہ حاصل کی تھی۔ اور رات دن حضور کی بیٹھی میں رہا کرتے تھے۔

حکیم عافیت طلب خاں۔ شہزادۂ عالی جاہ (وفات ۱۲۱۱ھ) خلف اکبر آصف جاہ ثانی کی سرکار کے طبیب تھے۔ مہاراجہ چندو لعل کی بارگاہ سے بھی وابستگی رکھتے تھے پانچ سو روپیہ ماہوار مقرر تھی۔ اس کے سوا چار ہزار روپیہ کی جاگیر بھی مرحمت ہوی شاعر بھی تھے۔

حکیم مسیح الزماں۔ موجودہ تحقیقات کی رو سے اردو زبان کی سب سے پہلی صاحب دیوان اور دکن کی شاعرہ، ماہ لقا بائی چندا کے مصاحب تھے۔ اور خطاب مسیح الدولہ سے سرفراز ہوے۔

حکیم سید صاحب۔ قطب الدین دہلوی کے لڑکے۔ اور مرشد زادہ صمصام الملک (فرزند سکندر جاہ بہادر آصفجاہ ثالث) کی مصاحبت میں رہے۔ حضور میں بھی باریاب تھے۔ چار سو روپیہ ماہوار تھی

حکیم میر کاظم علی خاں۔ سکندر جاہ بہادر ہی کے عہد میں حیدر آباد آئے پہلے گوالیار کے راجہ کے پاس تین ہزار روپیہ تنخواہ پر ملازم تھے وہاں سے ناراض ہوکر

جب حیدر آباد آئے تو مہاراجہ چندو لعل نے اسی تنخواہ (تین ہزار) پر اپنے یہاں ملازم رکھ لیا۔ حالانکہ دوسرے اطباء کے مقابلہ میں انھیں کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی۔ لیکن۔ چند دن بعد پھر اپنے وطن مالوفہ کو چلے گئے۔

حکیم خواجہ غلام حسین خاں (مؤلف گلزار آصفیہ)۔ ان کے والد کا نام خواجہ محمد باقر خاں تھا اور حکیم الملک مسیح الدولہ کے خطابات سے سرفراز تھے۔ دادا کا نام حکیم خواجہ محمد صابر خاں تھا۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حضرت آصف جاہ اول کے عہد میں تھے اور حکیم خواجہ محمد باقر خاں، نواب نظام علی خاں بہادر کے دور میں محلات شاہی اور مرشد زادوں کے معالج ہونے کے علاوہ، خود اعلیٰ حضرت کا بھی علاج کیا کرتے تھے۔ ان کو پیش گاہ سلطانی سے آٹھ ہزار کی جاگیر بھی سرفراز ہوئی جس میں قلعہ گولکنڈہ کے قریب کا موضع "دیاں" بھی شامل تھا۔ ان السطان شاہی کے سوار پانسو روپیہ اخراجات نوبت کے عنوان سے، اور تین سو روپیہ ماہوار نقد ملا کرتے تھے۔ انہوں نے ۹ رمضان ۱۲۳۰ھ کو انتقال کیا۔ ان کے چار لڑکے تھے، جن میں سب سے چھوٹے، صاحب گلزار آصفیہ تھے "غلام حسین" ۱۱۹۹ھ ان کا تاریخی نام ہے، اور زیادہ تر خان زماں خاں کے نام سے مشہور تھے نواب سکندر جاہ بہادر نے ان کو اپنے دربار میں طلب فرماکر باریاب فرمایا تھا۔ شبانہ روز ظل شاہی میں رہا کرتے تھے۔ سکندر جاہ بہادر کے انتقال تک دواخانہ خاص کی تعلقداری سے سرفراز رہے۔ تویدمحل، فرحت محل، اور مرشد زادوں کے خصوصیت سے معالج رہے۔ اور خود حضور کا بھی علاج کیا کرتے تھے۔

مصری اطباء میں جگنا تھ بہت ہوشیار تھا۔ اور ہمیشہ شیر خوار شہزادوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ اور یہ عید گاہ کہنہ کے پاس رہتا تھا۔

جراحوں میں غلام محی الدین، رام چندر، اور وبخت رام قابل الذکر ہیں۔

رام چندر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ گورونا جراح کا لڑکا تھا۔ یہ وہی گورونا ہے جس کے نام سے آج تک ایک گلی حیدرآباد میں متصل قدم رسول (محلہ پنجہ شاہ) مشہور ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے بہرام جنگ کے پیر کے زخم کا بڑا معرکتہ الآرا علاج کیا، جو مادۂ خبیثہ کے سبب پیدا ہوگیا تھا۔ اس نے میر عالم بہادر کے پاس کے دو ڈاکٹروں کے سامنے (جن کا نام ڈاکٹر کنٹری و ڈاکٹر نور تھا اور جنہیں میر عالم کی سرکار سے ماہانہ دو ہزار روپیہ مقرر تھے) اس پھوڑے کی ایسی قطع برید کی کہ یہ دونوں ڈاکٹر اس کی مہارت و سبک دستی کو دیکھ کر حیران رہ گئے، اور انہوں نے اس سے کہا کہ ہماری ولایت میں بھی تجھ سا باکمال موجود نہیں۔ اس باکمال جراح کو شاہی خزانہ سے ماہانہ پانچ سو روپیہ تنخواہ مقرر تھی۔

صاحب گلزار آصفیہ نے لکھا ہے کہ سکندر جاہ بہادر کی سرکار میں فوجی جراحوں کے سوا دو سو جراح الگ نوکر تھے ان کے عہد میں شفاخانوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ مگر کہیں تفصیل نہیں ملتی۔

اس دور میں مہاراجہ چندو لعل ۱۱۷۵ھ ۱۲۶۱ھ کی فیاضی و قدر دانی نے دکن کو دور دور تک مشہور کر دیا تھا۔ ان کا دربار اہل کمال کا مرجع بنا ہوا تھا۔ اقطاع ہند سے باکمال کھنچ کھنچ کر دکن چلے آرہے تھے۔ اور فضلاء و علماء کے ساتھ اطباء کی بھی ایک کثیر جماعت ان کے دربار میں موجود تھی۔ جس سے مہاراجہ کی فن طب سے دلچسپی و شغف کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کی قدر دانیوں نے اس دور میں بہت سے اچھے اچھے صاحب کمال اکھٹے کر رکھے تھے۔ ان طبیبوں کے سوا جن کا ذکر ہم سکندر جاہ بہادر کے ضمن میں کر آئے ہیں، ان کے دربار میں بھی حسب ذیل اطباء موجود تھے، جو صرف ان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

حکیم میر سلامت علی[1]، حکیم مرتضیٰ خاں[2]، حکیم عباس علی خاں[3]، حکیم یادگار علی خاں[4]

حکیم لطف حسین خاں، حکیم محمد نقی ہے[1]

فن طب پر نواب ناصر الدولہ بہادر کی نوازشیں

۱۲۴۴ھ میں جب ناصر الدولہ بہادر (آصف جاہ چہارم) نے دکن کی زمام سلطنت ہاتھ میں لی، تو آپ کے عہد میں متعدد یونانی اطبار موجود تھے۔ آپ نے اپنے پدر عالی قدر (سکندر جاہ آصف جاہ سوم) کے نقش قدم پر اس فن شریف کی وہی شاہانہ سرپرستی فرمائی جو اس سلطنت کا طرۂ امتیاز تھی۔ البتہ اس دور میں یونانی طب کا ایک حریف دکن میں بھی وارد ہوا، اور یہاں اس کو قدم جمانے کا ایک قدرتی موقع ہاتھ آیا یعنی وہ حریف طب جدید (ڈاکٹری) تھی۔

لکھا ہے کہ ۱۲۵۰ھ میں نواب ناصر الدولہ بہادر کا مزاج ناساز ہوگیا تھا اور "حرقت بول" کی شکایت تھی یونانی اطبار کا ایک عرصے سے علاج جاری تھا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز ولیم فریزر صاحب رزیڈنٹ دربار میں حاضر ہوئے اور حضرت کی مزاج پرسی کی۔ تو حضور نے فرمایا کہ:-

"ہم نے تمہارے ڈاکٹری علاج کی شہرت سنی ہے۔ کیا تمھارے پاس بھی اس مرض کا علاج ہو سکتا ہے"

تو صاحب عالی شان نے کہا کہ اگر حکم ہو تو ڈاکٹر حاضر کیا جائے، حضرت نے فرمایا کہ:-

"میں تمھاری طب کا علاج اس شرط پر کروں گا کہ کوئی دوا ایسے استعمال کیلئے نہ دی جائے۔ جیسا کہ حکیم علوی خاں نے نادر شاہ کے درد سر کا علاج کیا تھا"

بعد میں رزیڈنٹ نے ڈاکٹر مکلین رزیڈنسی سرجن کو پیش کیا، تو ڈاکٹر

---

[1] از عشرت کدہ آفاق مؤلفہ مہاراجہ چندو لعل بہادر۔

موصوف نے صرف غذا کے پرہیز، اور اس کی رُوک تھام سے تین مہینہ میں مرض کا ازالہ کردیا، جس سے حضرت بے حد خوش ہوئے۔ اور ممالک محروسہ میں ڈاکٹری مدرسہ اور دواخانہ کھولنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔[1]

---

[1] ہم اپنے اسلامی طب کے تذکرہ کے ساتھ طب ڈاکٹری کے دکن میں رواج کی مختصر سی تفصیل بیان کردیتے ہیں کہ ہمارے اطبا اس کی ابتدائی حالت اور موجودہ ترقی سے واقفیت حاصل کرسکیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ سکندر جاہ بہادر کے عہد ہی سے معمولی طور پر ڈاکٹری کا رواج شروع ہوچلا تھا۔ یعنی اس اجمال کی تفصیل یوں لکھی ہے کہ اس دور میں عبدالقادر نامی ایک شخص ترپ بازار میں رہا کرتا تھا اور ڈیٹن صاحب کے چپراسیوں میں ملازم تھا۔ اس نے سب سے پہلے کونین وغیرہ انگریزی دوائیں خرید کر اور ان سے واقف ہوکر لوگوں کا علاج شروع کیا اور کہتے ہیں کہ بہت مشہور ہوکر مالدار ہوگیا تھا۔

ڈاکٹری علاج سے جب ناصر الدولہ بہادر کو فائدہ ہوا، اور غسل صحت فرمایا۔ تو رزیڈنٹ بہادر مبارکباد کے لئے حاضر دربار ہوئے۔ تو حضور نے انہیں خلعت عنایت فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ اگر ہمارے ملک میں بھی یہ علم یہاں کے لوگوں کو سکھایا جائے تو ہماری عــزیز رعایا کو بہت نفع پہنچے گا اس کے بعد معلوم یہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹری کی مخالفت میں سراج الملک نے بہت کچھ کہا۔ لیکن رزیڈنٹ نے ان کے خلاف گفتگو کی۔ اور بالآخر یہ قرار پایا کہ یہاں اس کی تعلیم شروع کرادی جائے انتظامات کے بعد مدرسہ کھولنے کی اجازت کے لئے رزیڈنٹ نے حضور میں درخواست پیش کی۔ اعلیٰحضرت نے میر امام علی خاں بہادر کو (جو مقرب بارگاہ تھے) حکم دیا کہ سررشتۂ منصب سے ایسے بیس منصبداروں کا انتخاب کرو، جن کی عمر سولہ یا اٹھارہ سال کی ہو، وہ ہوشیار اور لکھے پڑھے بھی ہوں تاکہ ہم انہیں ڈاکٹری سکھلائیں اور ادھر ڈاکٹر مکلین صاحب نے توپ کے سانچہ کے قریب "او گل بے صاحب" کا مکان تیس روپیہ کرایہ سے لیا۔ دو چپراسی اور ایک منشی امیر علیؒ اور مسٹر متری مترجم کو مامور کیا۔ اور طلبہ کے حاضر کئے جانے کے لئے عرضی گزرانی۔ یہ سنہ ۱۲۶۱ھ کا واقعہ ہے۔ اس عرضی کے بعد

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

نواب ناصرالدولہ بہادر کے دور میں طب یونانی اور مغربی دونوں نے ساتھ ساتھ ترقیاں کیں، اور سلطنت کی جانب سے ان دونوں کی سرپرستی کی جاتی رہی۔

(بقیہ گزشتہ) ایک سال گذر گیا۔ مگر کوئی منصبدار شریک مدرسہ نہ ہوا تو اشتہار جاری ہوا کہ یہاں بلدۂ حیدرآباد میں ایک مدرسہ ڈاکٹری قائم کیا گیا ہے، جو اس فن کو سیکھنا چاہیں وہ حاضر ہوں۔ اس قدر لڑکے جمع نہ ہو سکے کہ درس شروع کر دیا جاتا۔ فقط تین چار آدمی آئے۔ اس وقت نواب ناصرالدولہ بہادر کا کوئی دیوان یا پیشکار نہ تھا، تمام کارروائیاں راست حضور میں ہوتی تھیں۔ جب یہ کارروائی پکر حضور میں پہنچی تو اعلحضرت نے میر امام علی خاں سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے تم نے اب تک کسی کا انتخاب کر کے ہمارے سامنے پیش نہیں کیا؟ اس وقت غلام محی الدین جو نواب شمس الامراء بہادر کے وکیل تھے، حاضر دربار تھے، انہوں نے حضور سے عرض کی کہ اگر خادم کو حکم ہو تو ابھی حاضر کرتا ہے۔ اعلحضرت نے پوچھا کس طرح، تو کہا کہ نواب شمس الامراء بہادر کے مدرسہ میں منصبداروں کے چار سو بچے پڑھتے ہیں بہت سے ان میں فارغ التحصیل ہونے والے ہیں اگر حکم ہو تو ابھی انتظام ہو جا سکتا ہے۔ اجازت ملنے پر غلام محی الدین نے ۲۲ر رمضان ۱۲۶۲ھ کو آٹھ بجے شب میں شمس الامراء بہادر کی خدمت میں پہنچ کر سارا ماجرا بیان کیا، تو نواب صاحب نے اسی رات مدرسہ کے استادوں کو بلا کر چند قابل لڑکوں کے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اسی وقت تیس لڑکے حاضر ہوئے۔ صبح ہی ان کو نواب صاحب ممدوح نے اپنے پاس بلایا اور امتحان لینے کے بعد نو لڑکے منتخب فرمائے۔ اور کہا کہ اگر تم لوگ یہ فن سیکھ لوگے تو ہاتھیوں پر چڑھو گے اور خوب دولت کماؤ گے۔ اور ان بچوں کو انعام وغیرہ مرحمت فرما کر ایک چپراسی کے ساتھ ڈاکٹری مدرسہ کو روانہ کیا۔ ۲۷ر رمضان ۱۲۶۲ھ دوشنبہ کو یہ لوگ اسکول میں داخل ہوئے لیکن مدرسہ دیکھ کر گھبرا گئے اور "اسکلی ٹین" (انسانی ڈھانچہ) دیکھ کر کانپنے لگے۔ ان میں سے دو کو اسی وقت بخار چڑھ گیا،

(بقیہ بصفحہ آئندہ)

اس عہد کی ایک کتاب "منتخب الادویہ" کے نام سے ہماری نظر سے گزری اس کے مولف محمد قمر الدین حسین ابن محمد نعیم الدین (معروف بہ حکیم منا المخاطب حکیم صادق حسین خاں) ہیں، جنھوں نے اس کو ۱۲۵۲ھ میں ترتیب دیا۔

(سلسلہ گزشتہ) اس کے بعد یہ لوگ پھر مدرسہ نہ آئے۔ کچھ دنوں کے بعد لڑکوں کی تعداد پندرہ تک پہنچ گئی۔ ربیع الثانی ۱۲۶۳ھ میں تقریباً چھ مہینے بعد سراج الملک بہادر نے اعلیٰ حضرت کی ایماء سے مدرسہ کا معائنہ فرمایا، اور عین امتحان میں اعتراض کیا کہ جملہ ہڈیوں کے نام فارسی میں کیوں نہیں سکھائے جاتے اس وقت رزیڈنٹ نے کہا کہ فارسی میں ہر ایک ہڈی کا نام نہیں ملتا، سراج الملک نے یہ سن کر اسی وقت حکم دیا کہ "کتاب جامع الجوامع" لائی جائے۔ جب یہ کتاب آگئی تو خود سراج الملک نے کر دیکھنے لگے اور تشریح اعضاء کا بیان نکال کر دکھلایا کہ یہ دیکھو عربی میں ان کے نام درج ہیں۔ رزیڈنٹ نے کہا کہ عربی اصطلاحات کے سکھلانے میں بہت دقت ہوتی ہے۔ اس لئے ہم لوگوں نے انگریزی زبان میں جو نام مقرر کئے ہیں اسی میں تعلیم دینی مناسب سمجھتے ہیں۔ سراج الملک امتحان گاہ سے نکلے اور طلبہ کو دوسو روپے انعام میں مرحمت کئے۔ اس کے بعد مدرسہ کے حالات کی رپورٹ ہر روز حضور کے ملاحظہ میں پیش ہوتی۔ حکیم شفائی خاں بھی شوق سے مدرسہ میں آکر شریک ہوئے آٹھ سال کے بعد دس طبیب مدرسہ سے فارغ ہوکر نکلے اور انہیں ۱۲۷۱ھ میں لیاقت نامہ سرکاری دیا گیا۔ ان کی نسبت حکم ہوا کہ تیس تیس روپیہ ماہوار سے مامور کرکے اضلاع پر بھیجدو۔ ڈاکٹر مکلین جب مدرسہ پر مقرر ہوئے تھے، تو خود انہوں نے اردو سیکھ کر طلبہ کو اس کی تعلیم دینی شروع کی تھی اور تعلیم کا ذریعہ بھی اردو زبان رکھا گیا تھا۔ ۲۳، صفر ۱۲۷۳ھ میں اس مدرسہ کی جانب سے ایک رسالہ بھی "رسالہ طبابت" کے نام سے ڈاکٹر جارج اسمتھ کی ادارت میں نکلتا رہا جو غالباً حیدرآباد کے رسالوں میں سب سے پہلا رسالہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس رسالے کی اغراض اور اجراء کے متعلق شروع میں جو نوٹ لکھا تھا، ہم اس کا یہاں اقتباس درج کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں:۔ (بقیہ برصفحہ آیندہ)

مصنف نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر عطاروں اور دوسرے لوگوں کی زبان پر فارسی عربی اور یونانی زبانوں کے نام مروج نہیں ہیں، اس لئے میں ایسی دواؤں اور غذاؤں کے متعلق یہ کتاب لکھ رہا ہوں، جو ہندوستان میں اگر اردو ناموں سے مشہور ہو چکی ہیں، اور بہت سا ری یہیں کی پیداوار ہیں۔

یہ کتاب نواب محمد رفیع الدین خاں بہادر نامور جنگ عمدۃ الدولہ عمدۃ الملک بنبسۂ آصف جاہ ثانی کی عنایات کے باعث[1]، نواب ناصر الدولہ بہادر کے عہد میں لکھی گئی اور مطبع فیضیہ (مدراس) میں چھپی بھی ہے۔ چنانچہ آخر کتاب پر لکھا ہے۔

عمدۃ الملک فیض بخش جہاں   کہ بذاتش کمال گشت وسیع

نیست از قاف تا بہ قاف چنیں   صاحب صنعت و سخی و شجیع

(سلسلہ گزشتہ) نواب سالار جنگ بہادر کی شفقت سے میں اس مکتب کے اگلے شاگردوں کو اس رسالہ کی معرفت کچھ لکھ بھیجنے کی قدرت پایا ہوں جس سے غیر حاضری کے سبب جو نقصان کہ ان کا ہے، اور جسمانی ملاقات کا خلل بھی دفع ہوگا، میں اس رسالہ کو حتی المقدور تربیت نامہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں، چنانچہ اولاً جو کچھ ان کے لئے فی الواقعی مفید ہے سو اسکو منتخب کروں گا، ثانیاً اسی انتخاب میں مقدمات طرح طرح کے جو حکیموں اور طبیبوں کو ضرور ہوں لکھوں، بعض نادر اطلاع پذیر بیماریوں کا حال جو تم میں سے کوئی مجھے لکھیں گے سو وہ بھی اس رسالہ میں مذکور ہوگا۔"

یہ رسالہ نواب سالار جنگ بہادر کے سنگی چھاپہ خانہ سے طبع ہو کر شائع ہوا کرتا تھا۔ (تذکرۂ حیات صفحہ ۶۶) سنہ ۱۸۵۵ء تک میڈیکل بورڈ سکندرآباد کے ذریعہ اس کا امتحان ہوا کرتا تھا سنہ ۱۸۸۴ء کے بعد اس مدرسہ کی تعلیم کا ذریعہ انگریزی زبان قرار دیا گیا، سنہ ۱۸۹۶ء میں دواخانہ افضل گنج کی تعمیل میں آئی۔ پہلے پہل ریذیڈنسی اور افضل گنج کا دواخانہ ریذیڈنسی کے سرجن کی تحت رہا کرتا تھا، لیکن یکم اپریل سنہ ۱۹۰۰ء سے افضل گنج کا سرجن علیحدہ مقرر ہوا۔

[1] حیدرآباد کے اکثر عمائد کے یہاں بھی بہت سے نامی گرامی طبیب رہا کئے ہیں، جن میں خاندان پائیگاہ سب سے زیادہ قابل ذکر ہے ۱۲

طبع فرمود یک کتاب مفید — بہر نفع ہمہ شریف و وضیع

خورد ناگاہ در دلِ رافت — کہ نویسد سن کتاب بدیع

سالِ تاریخ آن ز روئے کمال — ہاتفِ غیب گفت "فیضِ رفیع" ۱۲۷۰ھ

اس وقت ہمارے پیشِ نظر جو مخطوط ہے، وہ ۱۹ر محرم ۱۲۹۰ھ کا مکتوبہ ہے، مولوی سید عظیم الدین صاحب کی فرمایش پر رحمان شریف نامی کاتب نے لکھا۔ اور مطبوعہ نسخہ ذیحجہ ۱۲۷۰ھ کا ہے جس کے (۱۹۶) صفحے ہیں۔

طب پر افضل الدولہ بہادر کے الطاف

رمضان ۱۲۷۳ھ میں افضل الدولہ بہادر (آصف جاہ پنجم) نے دکن کے شاہی تخت کو زینت بخشی، اور آپ کے دور ۱۲۸۴ھ میں سارے ممالک محروسہ کی تنظیم عمل میں آئی اور بہت سی اصلاحات کی گئیں۔ اور اکثر نئے محکموں کا قیام ہوا۔ اسی زمانہ میں مستقل حیثیت سے، طبابت، صفائی اور تعلیمات کے بھی محکمے معرض وجود میں آئے۔ اضلاع میں بھی دواخانے اور مدرسے کھولے گئے۔ خاص شہر میں ایک بڑا دواخانہ (افضل گنج) تعمیر ہوا جسمیں مریضوں کے رہنے اور کھانے پینے کا بہت اچھی طرح انتظام کیا گیا تھا[1]۔

---

[1] اس دواخانہ کے افتتاح سے پہلے جو اشتہار جاری ہوا تھا اُس کی یہاں حرف بہ حرف نقل کی جاتی ہے۔

اوّل دارالشفا واقع افضل گنج بروز دوشنبہ آئندہ بوقت ساعت ہشت مفتوح خواہد شد۔

دوم کدامی شخص بیمار و نادار از ہر مذہب و ہر قوم کہ باشد بوقت ہشت گھنٹہ برائے کنانیدن علاج و گرفتن دوا از یکدامی روز سوائے جمعہ کہ شفاخانہ خواہد رفت صلاح طبی و دوا خواہد یافت، اگر ضرور است کہ بیماران قبل از ہشت ساعت بیایند،

سوم از طرف سرکار حکیم محمد نذیر با اختیار کامل در دارالشفا مقرر شدہ اند مشارالیہ بذاتہ ہر یک بیمار را خواہند دید و برائے دادن دوا خواہند گفت۔

چہارم چوں در تیاریٔ اکثر ادویہ قدری تامل و قرار لازم است۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

آپ کے دور میں حسب ذیل اطباء یونانی مشاہیر سے تھے

اور ان میں سے بعض لوگوں نے یونانی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹری علاج بھی شروع کر دیا تھا حکیم محمد ابراہیم۔ فرزند مولوی قطب الدین۔ یہ شفاخانہ سرکاری میں طبیب تھے اور دوا سازی و دوا شناسی میں بے مثل تھے۔

حکیم شفائی خاں۔ ان کا نام میر لطف علی تھا اور شفائی خاں اول کی اولاد سے تھے یہ ڈاکٹری طراقیہ پر بھی علاج کیا کرتے تھے

حکیم نادر علی۔ یہ حکیم حضور میں باریاب تھا۔ اور حبیب اللہ ذکا کی مشہور تاریخ

اے حکیم جاں ستاں نادر علی　　صحت از روئے تو دائم نارضا
کردہ از افضل الدولہ چناں　　کابن ملجم با علیؑ مرتضیٰ
این برآمد مصرع تاریخ آن　　چوں طبیب ابلہ شود آید قضا
۱۲۸۵

اسی سے متعلق ہے۔

حکیم قمر الدین؛ حکیم واجد علی خاں دہلوی؛ حکیم آصف علی لکھنوی؛ حکیم وزیر مرزا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) پنجم ہم ہر بیمار را ضرور است کہ شیشہ یا پیالۂ صاف و پاک برائے گرفتن دوا ہمراہ خود بیارد

ششم اگر ناگاہ کدام کس بیمار شود کہ تاخیر در مداوائے آں باعث ضرر باشد، ہر وقت کہ در دارالشفاء خواہد در وقت دوا میسر خواہد گردید لیکن برائے بیماریہائے دیگر باید کہ بساعت مذکور الصدر بروند۔

ہفتم چوں کہ صلاح طبی و ادویہ در دارالشفاء از سرکار دادہ می شود مریض را نباید کہ ہیچک خرچ کسے را بدہد۔

ہشتم ہیچیک دوا در شفاخانہ خریدہ شدن نمی تواند۔

نہم۔ ارادۂ سرکار است کہ در مدت چند ہفتہ در شفاخانہ چند حجرہ مہیا نمایند کہ در آنجا بیماران برائے علاج سکونت نمودن توانند وقتیکہ تمامی بندوبست ضروری آن خواہد گردید ضوابط برائے بیماران کہ در آنجا سکونت خواہند نمود مشتہر کردہ خواہد شد تحریر فی التاریخ بست و دوم ماہ ربیع الاول [illegible] اس کے چند دن بعد اردو میں بھی اشتہار جاری ہوا ۱۲

حکیم محمد جعفر حسین بنارسی۔ عبدالعلیم نصراللہ خاں نے لکھا ہے کہ یہ بے نظیر حکیم تھے۔ اور میں شاہد ہوں کہ استسقاء کے علاج میں جواب نہ رکھتے تھے۔

حکیم مرزا علی شاہ، حکیم مرزا علی (طبیب محبس)

حکیم محمد مرزا۔ ادویۂ نباتی وغیرہ کی شناخت میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حکیم محمد وزیر شفاخانۂ سرکاری میں طبیب تھے۔ عبدالعلیم نصراللہ خاں نے تاریخ دکن میں لکھا ہے کہ 'میرے پاس ایک عرب آیا' اور اس کے ساتھی نے مجھ سے یہ کیفیت بیان کی کہ اس نے جمائی لی' اور اس کا منھ اسی طریقہ سے کھلا رہ گیا ہے۔ بند نہیں ہوتا۔ تو میں نے حکیم محمد وزیر صاحب کے پاس اس کو معالجہ کی خاطر بھیجا' تو انہوں نے اس خوبی سے اس کا علاج کیا کہ مرض جاتا رہا۔

طبی سرگرمی نواب میر محبوب علیخاں بہادر کے دور میں

اعلیحضرت آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علیخاں نے نہایت کم سنی ہی میں ۱۲۸۵ھ کو تخت حکومت پر جلوس فرمایا۔ آپ کے عہد میں صیغہ طبابت کو جو وسعت ہوئی' اس کی ساری تفصیل قلم بند کرنا ناممکن ہے' حضور مرحوم کی ہر دل عزیزی اور ان کی فضلاء' علماء پروری کی سارے ہندوستان میں دھوم تھی۔

۵ امرتیر سنہ ۱۳۰۰ف وہ محمود و مسعود تاریخ تھی کہ اس مبارک دور میں طب یونانی کی ترقی اور احیاء کے لئے بنیادی کام سرانجام پایا۔ یعنی اسی تاریخ سررشتہ طبابت یونانی کا وجود عمل میں آیا۔ نواب سر آسمانجاہ بہادر کی وزارت اور ان کی علمی و فنی ہمدردیوں نے طبابت یونانی کو ایک مادی حیثیت اور مستقل صورت اختیار کرنے کا موقع دیا۔ سررشتہ کے قیام کے ساتھ ساتھ تین شفاخانے اور ایک مدرسہ بھی قائم کیا گیا۔ پہلا دواخانہ

"صدر شفاخانہ" سے موسوم تھا' دوسرا اور تیسرا شفاخانہ حسینی علم و شفاخانہ بیرون بلدہ تھا۔ اور اطباء میں حکیم احمد سعید صاحب افسر الاطباء مقرر کئے گئے' حکیم مرزا اسحاق علی صاحب اور حکیم نواب مرزا صاحب طبیب مقرر ہوئے مدرسہ کی نگرانی بھی افسر الاطباء کی تحت ہی رکھی گئی۔ اس سررشتہ کا انتظام ایک خاص مجلس کے سپرد ہوا' جو "مجلس انتظامی مطب یونانی" سے موسوم تھی ۱۳۰۶ف تک یہ مجلس اپنے فرائض ادا کرتی رہی' اس کے بعد سرکار نے مجلس کو برخاست فرما کر اس کا انتظام "بورڈ آف ڈائرکٹرز" کے سپرد فرمایا۔ اور اس بورڈ نے ۹ خورداد ۱۳۰۶ف سے ۱۶ مہر ۱۳۰۶ف تک نگرانی کے فرائض انجام دئیے اس کے بعد بورڈ نے استعفاء پیش کیا جو منظور کر لیا گیا۔ اس کی وجہ سے محکمہ سرکار اور افسر الاطباء کا درمیانی واسطہ اٹھ گیا۔ اور افسر الاطباء محکمہ سرکار سے راست مراسلت کرنے لگے اور اس وقت تک شفاخانوں کی تنقیح معتمدی کے ذریعہ ہوا کرتی تھی ۱۸ خورداد ۱۳۰۵ف کو احمد سعید صاحب کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ ڈاکٹر و حکیم محب حسین صاحب فیلسوف جنگ کا تقرر افسر الاطبائی پر کیا گیا' اور ۶ بہمن ۱۳۱۷ف کو جب یہ بھی انتقال کر گئے تو ان کی جگہ حکیم الطاف حسین صاحب حاذق جنگ مقرر ہوئے۔

اعلیٰ حضرت مرحوم ہی کے عہد میں ناظر الاطباء کا عہدہ قائم کیا گیا ۱۳۱۶ف میں سررشتہ طبابت یونانی ایک افسر الاطباء' دو حکماء' چھ مددگار اور ایک مدرس مدرسہ پر مشتمل تھا۔ عملہ و ملازمین میں اہلکاروں اور دوا سازوں وغیرہ کی تعداد (۳۹) تھی۔ اس طرح سارے سررشتہ کا کل دائرہ عمل (۴۹) آدمیوں کی حد تک محدود تھا اس کے بعد سررشتہ کی تحت ایک مخزن ادویہ (گودام) قائم کیا گیا جس پر ایک داروغہ اور چار ملازمین مقرر کئے گئے اور اس وقت

طبابت یونانی کے سالانہ مصارف قریباً ؎ ۱۵ ۔۔، یا ؎ ۲۰ ۔۔ ہزار تھے ۱۳۴۳ف میں یونانی طب سے بلدہ اور اضلاع کے دواخانوں سے سات لاکھ آدمیوں نے استفادہ کیا۔

اعلیحضرت آصف جاہ سادس نے ۱۳۱۶ھ میں اپنی تینتیسویں[۲۳] سالگرہ کا جشن منایا تھا، تو اس وقت رعایا کے ہر طبقہ نے فرطِ عقیدت سے حضور کی خدمت میں سپاسنامے پیش کئے، ان میں اطباء کا بھی گروہ شامل تھا ان کا سپاسنامہ سن کر حضور سب سے زیادہ مسرور ہوئے اور نہ صرف ان کی خدمات کا اعتراف فرمایا بلکہ ان کے جواب میں ان کی طب اور ان کے حاملین فن کی شان میں ایک شاہانہ نظم پڑھی۔ جس سے اس معزز طبقہ کی عزت میں چار چاند لگ گئے۔ یہ تاریخ طبابت کے زرین شاہانہ الطاف تھے حضور حکماء کے ساتھ اور گروہ کو بھی شامل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"تم کو یہاں بلا کر تمہارے اڈریس لینے سے مجھے بڑی خوشی حاصل ہوئی ہیں تم تین گروہ (یعنی ارکان سٹی الیوسی الیشن، حکماء حیدرآباد اور ارکان صفائی بلدہ) رعایا کے اڈریس ایک وقت اور ایک جگہ لینا اس لئے مناسب سمجھا کہ تمہارے حقوق و فرائض اگرچہ بادی النظر میں مختلف ہیں، مگر متحد المقصد ہیں، تم سبھوں کا ایک ہی مقصد ہے۔ یعنی صفائی، سٹی ایسوسی ایشن اخلاق کی صفائی و شائستگی کی طرف متوجہ ہے، حکماء حیدرآباد انسان کے جسم کو امراض کی کدورت سے مصفا کرنے کے لئے مستعد رہتے ہیں اور صفائی بلدہ کے ارکان شہر کی گلی کوچوں کو صاف و پاک رکھنے اور شہر والوں کو نفیس پانی پہنچانے کی فکر کرتے ہیں، پس تم تینوں کے مقاصد کے حصول سے میری عزیز رعایا کی بہبودی اور آسائش متصور ہے، لہٰذا میں تمہاری کوششوں کی بہت قدر کرتا ہوں اور مجھے اس کے

سننے سے بہت اطمینان ہوا کہ تم اپنی کوششوں میں ایک حد تک کامیاب ہوئے اور کامل کامیاب ہونے کی دلی خواہش رکھتے ہو۔ میں نے تمہارے ہاتھوں میں اپنی رعایا، کے چند طبقوں کی حفاظت وودلیعت کی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ تم سب اس ودیعت کی ذمہ داریوں کو بخوبی جانتے ہو اور ان کو پورا کرکے میری خوشنودی حاصل کرنے میں ہرگز دریغ نہ کروگے۔ دل کا صاف کرنا یا صاف رکھنا، آئینہ سکندر سے بڑھ کر ہے، پرائی جان کا خیال اپنی جان سے بہتر ہے۔"

ہیں مرے عہدِ حکومت میں اطبا، حاذق
کس قدر شانیٔ مطلق کا ہے مجھ پر احساں

کوئی نعمت نہیں صحت سے جہاں میں بڑھ کر
عمر بھر اس کا طلب گار رہے گا انساں

نہ ہے بقراط۔ نہ سقراط، نہ ہے جالینوس
فی زمانہ ہیں یہی وقت کے اپنے لقماں

حافظ روح یہی لوگ ہیں اس عالم میں
اب زمیں پر ہے یہی فرقہ مسیحائے زماں

منقسم چار عناصر پہ ہیں چاروں اخلاط
جس میں نقصان ہو، کرتے ہیں ایک کا درماں

مختلف جمع ہوں امراض، جو ضد ایک کی ایک
ایسی مشکل کو کیا کرتے ہیں کیسا آساں

فکر بیمار میں ہو جاتے ہیں بیمار طبیب
تا بہ صحت انہیں تکلیف ہے، آرام کہاں

اے کہ احمد کہ ہے مجمع ارباب کمال
شکر الحمد کہ ایسے ہیں ہنرمند یہاں

یہی آصف کی دعا تجھ سے ہے یا بارِ خدا
رہے ہر وقت رعایا، مری شاداں فرحاں

دوسرے سال ۱۳۱۳ھ میں جب پھر جشن سالگرہ ہوا، تو اپنی قدیم عقیدتمندی کی بنا پر طبقۂ حکماء نے اڈریس[1] پیش کرنے کی عزت حاصل کی تھی تو اس وقت بھی وہی شاہانہ الطاف مبذول رہے، اور نطق شاہانہ نے حسب ذیل الفاظ سے اس مردہ فن کے جسم میں تازہ روح پھونک دی تھی۔ ارشاد ہوا کہ :-

---

[1] اطباء اور ڈاکٹروں نے مل کر ایک ہی اڈریس پیش کیا تھا ۱۲

"انسان کے واسطے دنیا میں بڑی نعمت صحت ہے، اس کے لئے مقدم افضال آلہی شامل ہوتا ہے، جس قدر مریض کو پرہیز واجب ہے، اسی قدر معالج کو توجہ اور تشخیص ضرور ہے دوا کی دیکھ بھال، اطباء اور ڈاکٹروں کا فرض منصبی ہے۔ دو چیزیں جا کر نہیں آتیں۔ ایک جان، دوسرے آبرو۔" جان ہے تو جہان ہے، آبرو ہے تو جان ہے۔" اہل دانش ان کی احتیاط عمر بھر کرتے ہیں، مجھے اس بات کی سماعت سے بھی نہایت خوشی حاصل ہوی کہ تم نے اپنے فن میں ترقی کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ قائم کیا ہے، اور اس کو میری سالگرہ کی یادگار بنایا ہے، تمھارا میڈیکل جرنل ایسا رسالہ ہے، جس کے ذریعہ سے تم اپنے تجربہ کی باتیں ایک دوسرے پر ظاہر کرنے کے علاوہ عوام الناس کے خیالات کو بھی اپنی رائے کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ اور میں بہت پسند کرتا ہوں کہ تم اس رسالہ کو اردو اور انگریزی ہر دو زبان میں شائع کرتے ہیں۔ اس سے یہ امید کی جاتی ہے کہ ایک فن طبابت کے مشرقی و مغربی دو طریقوں کا آپس میں میل جول ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے کے حسن و قبح ظاہر ہو کر اصل فن میں ترقی ہوگی، اور تمھارے فن میں ترقی ہونا در اصل عامۂ خلائق کی آسایش کی ترقی ہے۔ جو مجھے بدل منظور ہے۔"

"میں تمھاری ایسی کوششوں کی بہت قدر کرتا ہوں اور تم کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قدر تم میری عزیز رعایا کے دکھ درد کے ساتھ ہمدردی کرتے رہو گے، اور ان کے جسمانی تکالیف کے گھٹانے اور ان کی صحت کی حفاظت کرنے میں مصروف رہو گے، اسی قدر بدرجۂ کمال میری خوشنودی تم کو حاصل رہے گی۔ اور خدائے تعالیٰ سے میری التجا ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے تم کو تمھاری خیر خواہانہ کوششوں میں ہمیشہ کامیاب رکھے۔"

اس کے بعد بھی ایک قطعہ ارشاد فرمایا۔

درگاہ بے نیاز میں ہے لاکھ لاکھ شکر — صحت کی جا بجا سے چلی آتی ہے خبر

مصروف اپنے کام میں رہتے ہیں رات دن — حاذق جو ہیں طبیب تو کامل ہیں ڈاکٹر

یہ ہے اصولِ طب بھی اکثر سنا کئے — مفرد دوا ہو نسخہ میں، یا چند مختصر

اکسیر یوں ہے دفع مرض کے لئے دوا — تیغ اجل کے واسطے جیسے دعا سپر

نخوت کرے کمال پر اپنے نہ آدمی — کیسا ہی باکمال ہو، کیسا ہی باہنر

ملتی ہے علم طب، مگر ادراک ہو صحیح — لابد ہے یہ کہ، چوک بھی جاتے ہیں چارہ گر

آصف کا یہ عقیدہ ہے سن رکھیں حاضرین — شافی خدا ہے، اس کے کرم پر رہے نظر

اعلیٰ حضرت کے دور میں حسب ذیل مشاہیر اطبا تھے۔

(۱) حکیم افتخار علی خاں ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے تھے ان کے والد کا نام حکیم میر عنایت علی خاں تھا۔ اور خاندان شفائی خاں سے تعلق رکھتے تھے۔ صیغہ طبابت یونانی میں دو سو روپیہ ماہوار پر ملازم رہے۔ انہوں نے تین رسالہ یادگار چھوڑے ہیں، ایک "فیہ شفاء للناس" (مطبوعہ) دوسرا مادۃ الحیات بچوں اور حاملہ عورتوں کے علاج میں اور تیسرا گلدستۂ صحت ستہ ضروریہ میں لکھا۔

(۲) حکیم رکن الدین احمد۔ قصبۂ لوہارہ تعلقہ اوسہ ضلع عثمان آباد میں ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ فن ڈاکٹری میں بھی تجربہ حاصل کیا تھا۔ صاحب علم و فضل تھے ۱۳۰۱ھ میں سررشتہ طبابت یونانی میں ملازم ہوئے۔

(۳) حکیم سید رفیع الدین۔ اورنگ آباد کے باشندے تھے ۱۲۷۸ھ میں ابتدائً بزمانہ ڈاکٹر ونڈ وصاحب سرکاری وظیفہ سے ڈاکٹری تعلیم بھی حاصل کی تھی دو سو روپیہ تنخواہ پر خدمت اول مددگاری صدر شفاخانہ پر تقرر عمل میں آیا تھا اور شاہی ڈیوڑھی پر بھی متعین تھے۔ منصرم افسر الاطبا بھی رہے۔

(۴) حکیم عاشق حسین خاں حیدر آبادی۔ حکیم افتخار علی خاں کے چھوٹے

بھائی تھے، ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب تصنیف و تالیف گزرے ہیں۔ فروغ الاطباء (منظوم) اور تریاق السموم کے نام سے دو کتابیں لکھی تھیں۔

(۵) حکیم الطاف حسین خاں۔ حکیم میر عنایت علی خاں کے بیٹے اور حکیم افتخار حسین خاں اور حکیم خورشید علی خاں شافی نواز جنگ کے چھوٹے بھائی تھے ۱۲۶۹ھ میں تولد ہوئے۔ پہلے پہل دو سو روپیہ تنخواہ پر حکیم محب حسین صاحب کے مددگار رہے۔ بعد میں افسر الاطباء بنائے گئے۔ دربار شاہی سے افتخار الحکما حاذق جنگ خطاب پایا اس وقت آپ کے بڑے صاحبزادے' مولوی حکیم سید سرفراز حسین خاں صاحب دواخانۂ حسینی علم پر مہتمم کی حیثیت سے خدمت خلق میں مصروف ہیں۔

(۶) حکیم عبد العزیز خاں سنہ ۱۲۵۰ھ میں علاقۂ مدراس کے قصبہ ارکاٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۲۸۱ھ میں افضل الدولہ بہادر کے عہد میں حیدر آباد آئے۔ اور سنہ ۱۳۰۰ھ میں اعلیحضرت مرحوم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضور کے شاہی طبیب قرار دئے گئے۔ سنہ ۱۳۱۶ھ میں ان کو "طبیب خاص" کا بھی خطاب عنایت ہوا تھا۔ اور سنہ ۱۳۰۰ھ میں محلات سے چھ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ مقرر کردی گئی تھی۔

(۷) حکیم محمد علی حیدر آبادی۔ قصبۂ ابراہیم پٹن میں سنہ ۱۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ حضور کی ایک اصیل کا بڑا معرکتہ الآراء علاج کیا تھا۔ اس اصیل کا نام "ماما لالن" تھا۔ جو مرض غشی میں مبتلا تھی۔ لوگ اسے مردہ سمجھ کر تجہیز و تکفین کی فکر کر رہے تھے' مگر حکیم صاحب موصوف نے ایسا علاج کیا کہ خدا کے فضل سے وہ ہوش و حواس میں آگئی اور صحت یاب ہوئی۔

آپ کے ایک اور علاج کا قصہ بے حد مشہور ہے۔ لکھا ہے کہ نواب یوسف علی خاں موجودہ سالار جنگ بہادر جب شکم مادر میں تھے۔ تو جملہ دائیوں نے

معائنہ کرکے یہ کہا تھا کہ یہ حمل نہیں ہے، بلکہ ایک قسم کا گڈا ہے۔ جو آئندہ نقصان رساں ثابت ہوگا۔ جس سے ایک تشویش پیدا ہوگئی، جب آپ نے معائنہ کیا تو حمل کی تشخیص کی۔ اور علاج کرتے رہے، بعد مدت مقررہ جب وضع حمل ہوا تو لڑکا پیدا ہوا۔[1]

(۸) حکیم محمد امانت علی۔ حیدر آباد کے نامی گرامی طبیبوں سے تھے ابتداءً آپ کے جد اعلیٰ محمد علی سلطان ابراہیم قطب شاہ کے دور میں بادشاہ کے فرمان پر دہلی سے حیدر آباد آئے تھے اور محلات شاہی کے طبیب مقرر کیے گئے تھے۔ حکیم امانت علی صاحب ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ طبابت یونانی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹری بھی سیکھی، آپ کے علاج معالجہ کی سارے شہر میں بڑی شہرت تھی چنانچہ اسی بنا پر محلات شاہی کے طبیب مقرر کیے گئے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی حکیم محمود علی صاحب نے بھی اس وقت وہی شہرت و عزت حاصل کر رکھی ہے۔ فی الوقت مددگار صدر شفاخانہ ہیں

(۹) حکیم و ڈاکٹر محب حسین۔ دربار شاہی سے فیلسوف جنگ کا خطاب پایا تھا۔ احمد سعید صاحب کے بعد افسر الاطباء مقرر ہوئے۔ نہایت فاضل آدمی تھے، اور فن طب میں ید طولی رکھتے تھے۔ ان کے پاس ایک بیش بہا کتب خانہ تھا، جس کا اس وقت کہیں جواب نہ تھا یہ ان کے انتقال کے بعد کتب خانہ آصفیہ کے لیے خرید لیا گیا۔

ان کے ایک صاحبزادے مولوی علی حسین صاحب، شفاخانہ بھری باولی کے اس وقت مہتمم ہیں۔

---

[1] تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر ششم طبقہ حکماء صفحہ ۲۵

(۱۰) حکیم شمس الدین خاں بہادر۔ مؤلف تاریخ خورشید جاہی کے فرزند تھے عمدۃ الملک مرحوم کے عہد نیابت میں اسٹاف شاہی میں شریک ہوئے ۱۲۹۳ھ میں حضور کے ہمراہ دربار قیصری میں شرکت کی ڈاکٹری بھی جانتے تھے۔ ۱۳۰۲ھ میں جشن سالگرہ کے موقع پر خطاب خانی و شمس الحکماء سرفراز ہوا۔ ۱۳۲۱ھ میں انتقال کیا۔

(۱۱) شفاء الملک شفائی خاں بہادر۔ یہ شفائی خاں اول کے خاندانی سلسلہ میں نواسے ہوتے تھے۔ حضور نے انھیں ان کے نانا کے خطابات "شفا جنگ شفاء الدولہ شفاء الملک شفائی خاں بہادر" عنایت فرمائے تھے اور دواخانہ دیوڑھی مبارک کا مہتمم بنایا۔ ۱۳۰۸ھ میں "خان بہادری" اور ۱۳۱۲ھ میں خطاب "دولہی" اور ۱۳۲۳ھ میں خطاب "ملکی" سرفراز فرمایا تھا۔

(۱۲) حکیم سید عبدالوہاب صاحب انصاری۔ آپ حیدرآباد میں حکیم نابینا کے نام سے بے حد مشہور و معروف رہے ہیں۔ نباضی میں کمال حاصل کیا تھا آپ کے علاج معالجہ کی اب تک حیدرآباد میں شہرت باقی ہے۔ اعلیٰحضرت مرحوم کے دور میں بڑی شہرت حاصل کی تھی۔ اس کے بعد حیدرآباد سے چلے گئے۔

(۱۳) حکیم خورشید علی خاں۔ حاذق جنگ بہادر افسر الاطبار کے برادر حقیقی تھے، اور پیش گاہ سلطانی سے خورشید الحکمار شافی نواز جنگ کے خطابات سے سرفراز ہوئے تھے۔ شفا خانہ حسینی علم کے مہتمم رہے۔

(۱۴) حکیم رکنا صاحب۔ مصری علاج میں بے نظیر تھے، اور بڑی شہرت حاصل کی تھی۔

(۱۵) مولٰنا حکیم محمد منصور علی خاں صاحب مرادآبادی۔ آپ بڑے زبردست عالم و فاضل اور متقی آدمی تھے مدرسہ طبیہ سرکار عالی کے صدر مدرس رہے بڑے بڑے امراء عظام آپ سے ملنے کے متمنی رہتے تھے، مگر اس بلا کے مستغنی المزاج و

خدا رسیدہ بزرگ تھے کہ کسی دنیوی شان و شوکت والے آدمی کی پروا نہ کی
حیدرآباد میں درس و تدریس کے ذریعہ ہزاروں کو عالم و انسان بنا دیا کئی کتابوں
کے مصنف بھی تھے۔ جن میں سے چند کتابیں اشاعت بھی پا چکی ہیں۔ ان کے
خلف الرشید مولانا حکیم مقصود علی خاں صاحب ہیں جنھیں ورثے میں آبائی علمی دولت
کے ساتھ ساتھ فطرت نے انتظامی خداداد قابلیت کا ملکہ بھی بہم پہنچایا ہے چنانچہ
آپ کے تقرر افسرالاطباء ی کے وقت فرمان واجب الاذعان ان الفاظ میں
شرف صدور لایا تھا کہ:-

"امید ہے کہ حکیم مقصود علی خاں کی نگرانی کی وجہ سے بہت جلد اس میں اصلاحات
شروع ہو جائیں گے کہ وہ خود منتظم واقع ہوئے ہیں"

دورِ عثمانی میں طب کا احیا

اِس عالم کون و فساد میں اگر خدا کا سایہ حقیقی معنوں میں کوئی چیز ہے، اور وہ
اپنی سرزمین پر سایہ فگن ہوا کرتا ہے۔ تو بلا خوف تردید، تاریخ کی روشنی میں دنیا
کے آگے یہ حقیقت پیش کی جا سکتی ہے کہ وہ صرف دکن کی خاکِ پاک ہی ہے،
جسے قدرت نے ازل سے ہی اپنی اس شان کی جلوہ آرائی کے لئے انتخاب
کر رکھا ہے، اور آپ نے خود اس مقالہ کی اوراق پیمائی سے یہ خصوصیت دیکھ لی ہوگی
کہ ہمیشہ دکنی تخت کے لئے، اللہ سبحانہٗ نے مختلف زمانوں میں کیسی کیسی منتخب روزگار
شخصیتیں انتخاب فرمائی ہیں، جنھیں صحیح معنوں میں دنیا نے پروردگارِ عالم کا

"ظلِ ظلیل" سمجھا گیا۔ اگر آپ تاریخ کے اوراقِ پارینہ پر ایمان رکھنے کے لئے تیار نہیں تو آئیے، کچھ میں راہ پیمائی کر کے ایک عجیب حقیقت تک پہنچا دوں، جہاں اوروں کی طرح آپ بھی آمنا و صدقنا کہتے ہوں گے اور "ظل اللہ" کے صحیح تصور پر آپ کے خیال و وہم کی وسعتیں پایاب ہو جائیں گی۔

اُس کی شانِ کبریائی کے صدقے کہ اس نے "آصف جاہ اوّل" اور اُن کی اولاد کو دکن کا تاج و تخت مرحمت کر کے اس خصوصیت کے اظہار کا ذریعہ مقرر فرمایا۔ کون جانتا تھا کہ آصف جاہی نسل سے "سہروردیہ" خاندان کا ایک ایسا چشم و چراغ، حیدرآباد کے ایک ہر دل عزیز تاجدار نواب میر محبوب علیخان بہادر "غفران مکان" کی پشت سے، عالمِ وجود میں آئے گا، جو اپنے سر سلسلہ اور مسلمانوں کے پیشوائے اعظم "حضرت الشیخ شہاب الدین عمر سہروردی" (علیہ الرحمۃ) کی طرح دنیا کی تحیر ناکیوں میں اضافہ کر دے گا، اور اُس کے جدِ امجد کی طرح قدرت کی فیاضیاں "روح القدس کے فیضان" کی طرح اس کے اعمال و کردار کی صورت میں ظاہر ہوا کریں گی۔

قدرت جب خاص مقاصد کی تحت اس صاحب زادہ کا نشو و نما کرنا چاہتی ہے تو اس قسم کے انتظامات بھی عمل میں آ جاتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا شہزادہ، سنِ شعور کو پہنچتا ہے، اور ایک ایسی ہستی اس کے تعلیم کے لئے میسر آ جاتی ہے، جو درحقیقت خدا کی طرف سے ایک نور بھیجا گیا تھا۔ شاہی ایوانوں میں پرورش پانے والے ولی عہد و شاہزادے کو انسانیت و اخلاق کی ایک ایسی اعلیٰ و مکمل تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ جگمگاتے زر و جواہر سے آراستہ ہونے کی علاوہ بے مثل اخلاق و انسانیت کے غیر مرئی جواہر سے مُشکّل ہو جاتا ہے کہ، آئندہ چل کر بہترین کامیابانہ زندگی رکھنے والا انسان، بہترین بادشاہ، اور عالمِ اسلامی کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا

"ریفارمر" بھی بننے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے خدائے قادر و توانا "حضرت مولانا انوار اللہ خاں فضیلت جنگ" (علیہ الرحمہ) کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کہ آج اُن کی بے اندازہ محنتوں اور مُعلمانہ مساعی کا فیضان سارے عالم اسلامی کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور دکن کے آخری گوشہ پر ایک سلطان کا دل ایمان کی حلاوت پاتا ہے، اور نور اسلام سے آفتاب کی طرح منور نظر آتا ہے۔

یہ میرا اپنا تاج دار منشاءِ قدرت کی تحت ۱۳۲۹ھ میں دکن کے تختِ حکومت کو زینت بخشتا ہے۔ "آصفیہ خاندان" اور "سلطنتِ آصفی" کا نام سارے عالم میں روشن کر دیتا ہے۔ بادشاہت جو دنیاوی ترقیوں کی تاب ناکیوں کا آخری درجہ سمجھا جاتا ہے، ایک ایسا منصب عظمیٰ ہے، جو اپنے گراں فرائض کے لحاظ سے، اس کے حامل کو، عام انسانوں سے کہیں زیادہ ایک مُقید زندگی کا پابند بنا دیتا ہے۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو آج "آصف جاہ سابع کی گوناگوں خصوصیات، ایک زندہ معجزہ سمجھی جاتیں۔ اعلیحضرت معظم کی ان خصوصیات سے کون واقف نہیں کہ وہ بہت بڑے فاضل روزگار حکمران ہیں اور اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس دور کے پہلے تاج دار ہیں، جنھوں نے سچی اسلامی سلطنت اور خلفائے اسلام کا حقیقی نمونہ دنیا کے آگے پیش فرمایا۔ حضور کو اپنے عیش و آرام سے زیادہ اپنی رعایا و ملک کی بہبودی پیشِ نظر ہے۔ اس دنیا کے مادی دور میں اعلیٰ حضرت کی نہایت سادہ زندگی ایک عالم کو متحیر کی ہوئی ہے اور مسلمانوں میں ضرب المثل کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ غور فرمائیے کہ جس حکومت کا بادشاہ اس درجہ بیدار مغز ہوگا اس کا نظام سلطنت کس پایہ پر پہنچا ہوا نہ ہوگا۔ چنانچہ شاہی فرمان کی تحت، عہدہ داران و عمال حکومت امور عامہ کے ہزاروں اور بے شمار رفاہی کاموں کو انجام تک

پہنچانے میں مصروف ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ ہی باقی نہیں رہا جو اس مبارک دور میں اس کیلئے کچھ نہ کیا گیا ہو۔ ایکطرف ایسی مایۂ ناز عظیم الشان یونی ورسٹی "جامعۂ عثمانیہ" کے نام سے وجود میں لائی جا چکی ہے جس کی طرف سارے عالم کی نظریں لگی ہوئی ہیں اور اس سے متعلق ایک "دار الترجمۃ" بھی قائم ہے، جو خلفائے عباسیہ کے عہد کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ حضور سے نبض شناس عالم کے ضمیر انور نے یہ اچھی طرح محسوس فرمالیا ہے کہ، اسلامی اور خصوصیت سے مشرقی زندگی، صرف "مشرقی امتیازات" کے برقرار رہنے سے اس عالم میں باقی رہ سکتی ہے، ورنہ یہ حادثات زمانہ کے طوفانی تھپیڑے، اُسے آن واحد میں فنا کردینے پر کمر باندھے ہوئے ہیں، اور اس کی روک تھام سوائے تعلیم کے کسی اور صورت میں ممکن نہیں اسی لئے شاہانہ عزم وارادے، پورے پورے طور پر اس طرف متوجہ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ موجودہ مغربی تمدن و تعلیم کی بعض بہت سی خوبیاں ضرور مشرقیوں کے لئے قابل تقلید ہیں ان سے اسی حد تک استفادہ کیا جاسکتا ہے جس میں صرف مشرقی خصوصیات باقی رہ سکتی ہوں، اور جو رفاہ عامہ کی کفیل و ضامن ہونے کی صلاحیت رکھتی ہوں۔ اسی نظریہ کی تحت حضور نے تعلیم کو شدت کے ساتھ پھیلانے کی طرف جو توجہ فرمائی ہے اس کا سب سے زیادہ روشن اور نمایاں پہلو، اردو زبان کو جو ہندوستانیوں کی مادری زبان ہے، ذریعہ تعلیم قرار دینا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غیر علوم کو صرف مادری زبان ہی میں تعلیم دے کر اس سے مشرقیوں کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے، جس طرح کہ خلفائے عباسیہ نے یونانی علوم کے سیکڑوں ترجمے کرا کے اپنی ساری قوم کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ اور اسی بنیادی کاموں کی بدولت تھا کہ آج عرب قوم جدید علوم و فنون میں مغرب کی استاد مانی جاتی ہے۔

ہم سلطنت کے سارے کاموں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف شعبۂ طب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور یہاں اتنی گنجایش بھی نہیں کہ اعلیٰ حضرت کے جگمگاتے عہد کے سارے طبی کارنامے، ناظرین کی نظروں کے آگے اکٹھے کرسکیں

حضور کے بعض اجداد بھی فن طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا حال ہم عربی دور میں لکھ آئے ہیں، جو زبردست رُوحانی طبیب ہونے کے علاوہ فن طب کے بھی امام سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی علوم و فنون سے دلچسپی، اور خلق اللہ کی خدمت، خاندانِ آصف جاہی کے سارے بزرگوں کا بہترین شغل زندگی رہا ہے حضور "سُلطانُ العُلُومؒ (خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ) جہاں اور علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں، وہاں ممکن نہ تھا کہ آپ اپنے آبائی فن طب کو حاصل نہ فرماتے، جو آپ کے بزرگوں کا مایۂ ناز فن رہا ہے۔ کیوں کہ یہی ایک شعبہ ایسا ہے جس کے ذریعہ مخلوقِ خدا کی سچی خدمت ہوسکتی ہے، اور جو سب سے زیادہ ضروری ہے۔

اس زمانہ میں، جب کہ اسلامی طب زوال پذیر ہے اپنے وقار کو سارے عالم میں کھو چکی تھی، کسی کو یہ توقع ہی باقی نہ تھی کہ اِن مایوس کن حالات اور مخالف فضاء میں کبھی یہ فن زندہ بھی کیا جاسکے گا کہ جس نے آج سے کچھ عرصہ پہلے صحتِ عافیت عامہ کی ضمانت لی تھی۔ اور اپنے کمالات سے ایک دنیا کو متحیر کئے ہوئے تھا۔ حاملین فن کی بے اعتنائی، اور اُن کی مایوسیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں، تو ایسے یاس انگیز موقع پر للعجب کرع مردے از غیب بروں آید و کارے بہ کند

اِن ساری باتوں کے باوجود، قدرت کے ارادے، جو انسانی ورکِ ادراک سے بہت بالاتر ہیں، اِن ناساعد حالات میں اِس فن کے اِحیاء کے لئے، دکن کے تاجدار حضرت سُلطانُ العُلُومؒ (خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ) کا انتخاب کرتے ہیں، جنھیں مشرقی

طب سے کامل درجہ شغف ہوتا ہے۔ جب یہ فن سیادتِ سلطانی میں آجاتا ہے تو اس کے جسدِ مُردہ میں ایک روح شاہانہ توجہات کے باعث دوڑنے لگتی ہے اور ایک زمانہ کو توقع بندھ جاتی ہے کہ اب اس دُرِ یتیم کے دن پھرے ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ "طب اسلامی" پھر اپنی عظمت رفتہ کو سلطانِ دکن کی توجہات کے باعث دوبارہ حاصل کرلے گی۔ دکن کے اس عظیم الشان حکمراں نے اس فن کے احیاء کی کس قدر سعی فرمائی ہے، میں لکھتا جاتا ہوں، اور اُسے آپ پڑھتے جایئے۔

حضور کے اس زرین عہد میں، خاص دارالحکومت میں مزید (۷) شفاخانوں کا اضافہ ہوا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ف کی سولہ اور چوبیس تیر کو احمد محلہ اور چنچل گوڑہ کا، اور آخر سال کے قریب ۱۵ مہر کو ہری باولی کا شفاخانہ قائم ہوا۔ اس کے بعد یکم آذر ۱۳۲۷ف کو محلۂ مستعد پورہ میں، اور ۲۷ بہمن کو کاچی گوڑہ میں دواخانے کھولے گئے۔ پھر اس کے تین سال بعد ۸ خورداد ۱۳۳۰ف کو محلہ فتح دروازہ میں ایک اور شفاخانہ کا افتتاح عمل میں آیا۔ اس شفاخانہ کے افتتاح کے ایک عرصہ بعد یکم اردی بہشت ۱۳۳۸ف کو میسرم میں ایک اور دواخانہ وہاں کی ضروریات کی تحت قائم کیا گیا اس طرح صدر شفاخانہ حسینی علم اور بیرون بلدہ کے شفاخانوں کو ملا کر، خاص دارالسلطنت کی حد تک دس شفاخانے مختلف سمتوں میں قائم ہیں، اور اپنی کوششوں سے رعایا کی خدمت گزاری کر رہے ہیں۔ ان کے سوا، سارے ممالک محروسہ کے اضلاع میں اس وقت کل (۷۷) شفاخانے موجود ہیں ورنہ اس سے پہلے ۱۳۲۲ف تک صرف (۱۹) دواخانے تھے۔ اضلاع کے ان موجودہ شفاخانوں کی ہم ذیل میں ایک فہرست لکھے دیتے ہیں۔

درجہ اوّل:۔ آصف آباد، اورنگ آباد، بیدر شریف، بیڑ، پربھنی، رائچور،

سنگاریڈی، کریم نگر، گلبرگہ، محبوب نگر، ناندیڑ، نظام آباد، نلگنڈہ، ورنگل،

درجۂ دوم:- آرمور (نظام آباد) بسمت نگر (پربھنی)، بودھن (نظام آباد) بھونگیر جالنہ، جگتیال (کریم نگر)، عثمان آباد، عمری (ناندیڑ) کاماریڈی (نظام آباد) محبوبنگر (ورنگل)، منتھواڑہ (ورنگل) مریال گوڑہ (نلگنڈہ) ہنگولی (پربھنی)، یلاریڈی (میدک)

درجۂ سوم:- آسٹی (بیڑ) آسٹی (پربھنی) اوسہ (عثمان آباد) ایٹو ناگارم (ورنگل) بچکنڈہ (ناندیڑ) بھوکردن (اورنگ آباد) پاتھری (پربھنی) پرکال (کریم نگر) ناندیڑ) تاورگرہ (رائچور) ٹیکمال (میدک) جیور گی (گلبرگہ) چنور (آصف آباد) دھرم پوری (کریم نگر) دیورگ (رائچور) رامائم پیٹھ (میدک) سدی پیٹھ (میدک) سرسلہ (کریم نگر) سلطان آباد (کریم نگر) سندھنور (رائچور) شاہ پور (گلبرگہ شریف) شفیع پور (اورنگ آباد) شوراپور (گلبرگہ شریف) عالم پور (رائچور) عثمان نگر (ناندیڑ) کلم (عثمان آباد) کلمنوری (پربھنی) کلواکرتی (محبوب نگر) کمی را دیپٹھ (کریم نگر) کنٹر (اورنگ آباد) کورٹلہ (کریم نگر) کوڑنگل (گلبرگہ شریف) کوہیر (بیدر شریف) گنگاپور (اورنگ آباد) گنگاوتی (رائچور) گیورائی (بیڑ) مانا کنڈور (کریم نگر) مدکھیڑ (ناندیڑ) مدگل (رائچور) مکھیڑ (ناندیڑ) منجھلے گاؤں (بیڑ) مورم (عثمان آباد) مومن آباد (بیڑ) مہادیو پور (کریم نگر) میدک، نائیگاؤں (ناندیڑ)، واشی (عثمان آباد) یادگیر (گلبرگہ شریف) مانور (بیڑ)

علاقہ صرفخاص مبارک:- گوگی شریف

کلور ضلع رائچور کا ایک دواخانہ تخفیف کر دیا گیا ہے اس لئے کل (۷۷) دواخانے قائم ہیں۔

ان اضلاعی دواخانوں میں ہر درجہ اول کے شفاخانہ کے سالانہ مجموعی مصارف گودام کی ادویہ کی حد تک مالکانہ اور ادویہ مقامی کے لئے ماعسہ مقرر کئے گئے ہیں

دواخانۂ درجہ دوم کے سالانہ مصارف ادویۂ گودام (ماا) اور ادویہ مقامی کے لئے (ماا) مختص ہیں۔

شفاخانہ درجہ سوم کے موازنہ میں سالانہ مجموعی مصارف ادویۂ گودام (ماسہ) اور ادویہ مقامی کے (لـہ) روپیہ قرار دئے گئے ہیں بـ۱۳۲۱ف میں شفاخانہ جات بلدہ کی تنظیم عمل میں آئی شفاخانوں کے اضافے کے ساتھ ساتھ عملہ میں بھی اضافہ کیا گیا درجہ سوم کے شفاخانوں میں پہلے صرف ایک مہتمم ہوا کرتا تھا لیکن اس سال ان شفاخانوں کے لئے ایک ایک مددگار کا اضافہ عمل میں آیا۔ اس طرح (۱۶) مددگار اضافہ کئے گئے بـ۱۳۲۲ف میں افسران و عملہ کی مجموعی تعداد (۱۸۷) تھی اور سرکار عالی نے اپنی مد شاہی سے صرف دواخانہ جات بلدہ، مخزن الادویہ اور مدرسہ طبیہ کے مصارف پر ایک لاکھ نوے ہزار ایک سو تیس ([illegible]) روپے صرف فرمائے، اور بـ۱۳۲۳ف میں ان ہی مصارف کا اندازہ، خرچ شاہی سے ایک لاکھ نوے ہزار تین سو اکیس ([illegible]) کیا گیا ہے۔

دار الحکومت کے شفاخانے بھی تین درجوں پر تقسیم کئے گئے ہیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

درجۂ **اول** صدر شفاخانہ

درجۂ دوم۔ شفاخانہ حسینی علم، اور بیرون بلدہ

درجۂ سوم۔ احمد محلہ، فتح دروازہ، مستعد پورہ یسرم، ہری باؤلی، کاچی گوڑہ، چنچل گوڑہ۔

درجہ اول کے شفاخانہ کا سالانہ خرچ ادویہ فی الحال ([illegible]) ہے۔

درجہ دوم کے لئے ([illegible]) اور

درجہ سوم کے واسطے ([illegible]) روپے صرف ادویہ کی تیاری کے لئے مختص ہیں۔

سنہ ۱۳۲۸ ف میں، بلدہ کے دواخانوں کی طرح، اضلاع کے دواخانوں کی بھی تنظیم
عمل میں آئی، اور ان کی درجہ واری تقسیم کی گئی۔ جیسا کہ آگے لکھا جا چکا ہے سنہ ۱۳۴۴ ف
میں گورنمنٹ پر اضلاع کے شفاخانوں کے جملہ مصارف اس کی مد لوکل فنڈ سے
ایک لاکھ اکسٹھ ہزار پانسو چھیالیس ([illegible]) کی حد تک عائد ہوئے تھے
ان شفاخانوں کی نگرانی، اور ان کی تنقیح وغیرہ کے لئے ایک "ناظر الاطباء" مقرر ہے
جو دواخانوں کا معائنہ کرتا۔ اور ان پر اپنی نگرانی رکھتا ہے۔ اسی سال حکومت
کے ناظر اور اس کے دفتر پر ([illegible]) روپے خرچ ہوئے تھے۔ اندازہ کیا گیا ہے
کہ سنہ ۱۳۴۶ ف میں، حکومت کو اپنی مدِ لوکل فنڈ سے ان اضلاعی دواخانوں کیلئے
ایک لاکھ بیانوے ہزار ایک سو بہتر ([illegible]) کے مصارف برداشت
کرنے پڑیں گے۔ واضح ہو کہ یہ رقم سرکار عالی ہر سال اضلاع ممالک محروسہ کی
بجٹ سے فراہم کیا کرتی ہے۔ اس رقم میں سے اضلاع کے سرکاری شفاخانوں کے
سواء بعض غیر سرکاری یونانی دواخانوں کو سالانہ ایک ہزار پچاس ([illegible]) روپیہ
امداد دی جاتی ہے۔ اور بعض مصری اطباء کو بھی ان سے زیادہ، دس ہزار ایک سو
چالیس ([illegible]) کی حد تک امداد مقرر ہے اضلاع پر ایسے کل (۳۶) مطب ہیں
جنھیں حکومت کا تعاون حاصل ہے۔ دار الحکومت کے سرکاری شفاخانوں کے
علاوہ، بلدہ حیدرآباد میں (۱۹) خانگی دواخانے ایسے ہیں جنھیں سلطنت کی جانب
سے گرانٹ مقرر ہے۔ اور جو فاضل و مشاہیر اطباء کی نگرانی میں خدمت خلق میں
مصروف ہیں۔ انہیں مجموعی طور پر لوکل فنڈ کی مد سے تین ہزار ([illegible]) اور شاہی
مد سے بائیس ہزار بتیس ([illegible]) کی امداد دی جاتی ہے۔ بلدہ اور اضلاع کے
دواخانوں کے مجموعی مصارف ادویہ کے لئے ([illegible]) چونتیس ہزار ایک سو
ساٹھ سے زائد رقم مختص کی گئی ہے۔ اس طرح شاہی، اور لوکل فنڈ کی مد سے حکومت

صرف اپنے صیغۂ طبابت کے شعبۂ طب یونانی پر سالانہ تین لاکھ بیاسی ہزار چار سو چورانوے (عہ اس کے علاوہ ہیں) صرف فرماتی ہے۔ اسکیم جدید (جو زیر غور ہے) کی صورت میں اس میں کئی گنا اضافہ کی توقع ہے۔ سنہ ۱۳۴۴ف میں اضلاع کے دواخانوں کا مرجوعہ آٹھ لاکھ چوہتر ہزار دو سو ساٹھ تھا اور سنہ ۱۳۴۵ف میں بلدہ حیدرآباد کے شفاخانوں میں ۹ ½ لاکھ مریض رجوع و صحت یاب ہوئے

سنہ ۱۳۳۰ف میں "انجمن اطبار یونانی" کا قیام عمل میں آیا' جو حیدرآباد کے اطبار کی غیر سرکاری انجمن ہے۔ جس کے سب سے پہلے پُر جوش معتمد' مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب تھے۔ جو اب اس انجمن کی بحیثیت صدر نشین سرپرستی فرما رہے ہیں۔

حضور نے فنِ طب کو کمال پر پہنچانے کے لئے ہر ممکنہ احکام صادر فرمائے ہیں' اور حکومت فیاضی کے ساتھ اِن مدات پر روپیہ صرف فرما رہی ہے' مگر افسوس ہے کہ کچھ ایسا جمود و خمود طاری ہے کہ حاملانِ فن ابھی تک بیدار نہ ہو سکے۔ دکن کی سرزمین قدرت کی بے شمار فیاضیوں سے مالا مال ہے' اِس کی خاک سے ایسی لا تعداد و لا تحصٰی بوٹیاں اور دوائیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کہ جن کی تحقیقات کرکے بلا مبالغہ مُردوں کو جلایا جا سکتا ہے' مگر یہ کب ہو' جب کوئی ابن بیطار سا باہمت نکلے' اور دکن کا چپّہ چپّہ چھان مارے' ان پر فنی حیثیت سے تحقیقات کرکے دنیا میں انقلاب پیدا کرے۔ ایسے شیفتگانِ فن ہی کہاں رہے' جن سے یہ توقع کی جا سکے ؟ ؎

ہائے اُن سب کی دُکانیں بڑھ گئیں ۔۔۔ پاس تھی جن کے دوائے دردِ دل

ملک کے ڈاکٹروں سے یہ توقع رکھنی ہی بے سُود ہے کہ وہ کچھ اِس پر کام کر سکیں گے' اس لئے کہ وہ ولایت کی بنی بنائی اور پیٹنٹ ادویہ کے استعمال اور ان سے

متعلقہ باتوں کے سوا کچھ نہیں جانتے، کیونکہ اُن کا فن غیروں کا محتاج ہے، مگر اسلامی طب کے علم بردار (توجہ کریں تو) وہ کمال دکھا سکتے ہیں، جو رشکِ زمانہ ہو سکتا ہے۔ دولت آصفیہ نے آج سے قریباً اٹھارہ سال پہلے اس مردہ فن کے احیاء کے لئے ایک خاص گشتی جاری فرمائی تھی، جو ۲۴ مہر ۱۳۱۸ف کے جریدہ اعلامیہ میں شائع ہوئی۔ اور آج بھی اس گشتی پر اُسی طرح عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے، جس طرح کہ نافذ ہوتے وقت اس کی اہمیت تھی۔ ہم اپنی فیاض حکومت کے نوازشوں کے اظہار کے لئے، اور صاحبان فن کی تشویق کی خاطر، از سرِ نو یہاں اُس گشتی کو نقل کئے دیتے ہیں اور محکمۂ سرکار سے درخواست کرتے ہیں کہ پھر اس گشتی کی تجدید فرمائیے۔

"گشتی محکمہ معتمدی سرکار عالی علاقہ عدالت و کوتوالی و امور عامہ (صیغہ طبابت یونانی) واقع ۲۹ خورداد ۱۳۲۸ف

نشان (۲۲) مقدمہ

تحقیقاتِ ادویہ پیداوار ملک سرکار عالی

بخدمت افسر الاطباء سرکار عالی و میر مجلس صاحبان لوکل فنڈ

"ممالک محروسہ سرکار عالی میں جو ادویات نباتی یا معدنی یا جڑی بوٹیاں وغیرہ پیدا ہوتی ہیں ان کی تلاش و تحقیقات کرنے، اور اُن سے کارآمد و مفید نتائج حاصل کرنے کی نسبت اب تک کسی قسم کا باقاعدہ انتظام نہیں ہے حالانکہ اس امر کی ضرورت ہے کہ اس بارہ میں خاص انتظام و اہتمام عمل میں لایا جائے۔ پس حکم دیا جاتا ہے کہ جملہ اطباء یونانی و ایورویدک جن کا تعلق علاقہ شاہی یا لوکل فنڈ سے ہے، مفید و کارآمد ادویات کی تلاش و تحقیقات کی جانب خاص توجہ رکھیں اور ان کے تجربہ میں مقامی پیداوار سے جو چیزیں مفید و کارآمد ثابت ہوں، اُن کے متعلق جملہ واقعات سے بصراحت اطلاع دیا کریں کہ اُن کے نام مختلف مقامی السنہ کیا ہیں، کس مقام پر، کس مقدار میں وہ دستیاب

ہوتی ہیں، ان کے افعال و خواص کیا ہیں، اور ان کا تجربہ کسی طبیب نے کس طرح سے کن امراض میں کیا ہے، اور وہ کہاں تک مفید و نفع بخش ثابت ہوئی ہیں ایسی اطلاعیں معہ نمونہ ادویہ وغیرہ معتمد مجلس طبابت سرکار عالی کے نام راست اطباء کو کرنی چاہئے۔ معتمد مجلسِ طبابت اس کو مجلسِ طبابت میں پیش کریں گے۔ مجلس طبابت سے (جس میں اطباء یونانی و ڈاکٹری شامل ہیں) ایسی اطلاع کے وصول ہونے پر مناسب کارروائی عمل میں لائی جائے گی اور بصورت کسی جدید و مفید دریافت کے خاص طور سے صلہ دلانے کی کارروائی کرے گی، اور تفصیلی کیفیت بغرضِ اطلاع عام شایع ہوتی رہے گی۔

جملہ اطباء سرکاری علاقہ شاہی و لوکلفنڈ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس طرف خاص توجہ کریں۔ نیز اگر حکماء غیر سرکاری و دیگر اشخاص بھی اس بارہ میں کوئی اطلاع مجلس طبابت کو دیں، تو اس کے متعلق بھی خوشی سے حسب صراحت بالا کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔"

مثنیٰ خدمت معتمد صاحب مجلس طبابت سرکار عالی تعمیلاً و اطلاعاً مرسل ہے۔

مثلث، خدمت مہتمم صاحب دارالطبع بغرض اندراجِ جریدہ مرسل ہے فقط شرعہ دستخط

محمد اکبر نذر علی حیدری

معتمد عدالت کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی

---

[1] ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ، حکومت ہند نے بھی سنہ ۱۹۳۱ء سے اس امر کی جانب توجہ کی ہے چنانچہ اس نے سنہ ۱۹۳۳ء میں اپنے پاس کی ساری مقامی حکومتوں کو اس کی اطلاع دی، جس پر حکومتِ مدراس نے خاص توجہ کی، اور ادویہ ہندیہ کی کاشت و پیداوار کے متعلق خاص غور و خوض کیا۔ اس معاملہ میں کلکتہ و بنگال کے کیمیکل پروفیسروں کی بھی امداد حاصل کی گئی ہے۔ قرابادین برطانیہ میں جو ادویہ مرقوم ہیں، لکھا ہے کہ ان ادویہ کی تین چوتھائی پیداوار ہندوستان میں ہو سکتی ہے کیونکہ ہندوستان کی آب و ہوا منطقہ حارہ سے منطقہ باردہ تک ہر مقام پر الگ ہے۔ سنا ہے کہ امریکہ میں بھی ادویہ کی تحقیقات کیلئے ایک محکمہ وجود میں لایا گیا ہے، جو مختلف مقامات کا دورہ کرکے ایسی دواؤں کی تحقیقات کرتا ہے، روسی حکومت کے یہاں بھی

برصفحہ آیندہ

طب یونانی کو ترقی دینے کے لئے بعض ہمدردانِ فن نے طبی رسالے بھی جاری کئے۔ دور عثمانی کا سب سے پہلا طبی پرچہ "المعالج" تھا، جو آذر ۱۳۲۸ ف سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر، مولوی حکیم بشیر احمد صاحب تھے، یہ رسالہ قریباً چھ سات سال تک کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔ اور اب سب سے آخری رسالہ "حکیم دکن" کے نام سے "انجمن اطبا" کی جانب سے، مولوی حکیم انیس احمد صاحب خیرآبادی کی ادارت میں، سلور جوبلی کی مبارک یادگار میں، ماہ ذیحجہ ۱۳۵۵ھ سے شائع ہونے لگا ہے۔

اعلیحضرت نے اپنے مبارک دور میں، جہاں طب مغربی کو بھی اپنی رعایا کی جانوں کی حفاظت کی خدمات سپرد فرمائی تھیں[1] وہاں اُس وقت سے یونانی طب کے لئے بھی ایک ایسے شفاخانہ کی ضرورت محسوس فرمائی، جس میں مریضوں کو رکھ کر علاج کیا جاسکے۔ حضور کو فوراً اس ضرورت کا احساس ہوا ۱۳۳۶ ف کا وہ مبارک زمانہ ہے جس میں اس ضرورت کی تکمیل کے لئے ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ کو یہ فرمان صادر فرمایا۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس قسم کا ایک جدید شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ حکومت ہند کی جو کمیٹی ہندوستان کی نباتاتی ادویہ کی پیداوار اور کاشت پر غور کر رہی ہے، اس کا نام "امپریل کونسل آف اگریکلچر ریسرچ ہے" جس کا دفتر دہلی میں ہے۔

[1] یعنی ۱۳۴۲ھ میں "دواخانہ عثمانیہ" کی تعمیر بصرفہ (۔۔۔۔۔) عمل میں آئی، جو رود موسیٰ کے کنارے تعمیر ہوا ہے۔ اور جس میں دو سو مریضوں کے رہنے کا انتظام ہے۔ ایک عظیم الشان عمارت اور کثیر التعداد عملہ و ملازمین یہ کام کر رہا ہے اس کی بہترین تاریخ تعمیر "دَوَاخَانہ عثمانیہ" ۱۳۴۲ سے مولوی شفیع حسن صاحب عارف نے نکالی ہے، جو دواخانہ کے وسطی حصہ میں، عمارت کی پیشانی پر نصب ہے ۱۲

"چونکہ حال میں افضل گنج ہاسپٹل کے لئے ایک شاندار عمارت ہوی، لہذا
رود موسیٰ کے قرب وجوار میں کوئی مناسب مقام تجویز کرکے یونانی مطب کے لئے
بھی ایک عالی شان عمارت پانچ لاکھ کے صرفہ سے تعمیر ہونا ضروری ہے۔ جوکہ رفاہ
عام کے لئے ازحد ضروری ہے۔ کس لئے کہ یہ حکمت بھی اپنے اندر بہت سی خوبیاں
پوشیدہ کررکھی ہے، جن کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔ پس اس کام کے لئے
رکن منڈسے مدد لی جاسکتی ہے، یا اس میں مزید رقم کی ضرورت ہو تو منجانب
سرکار دی جاسکتی ہے۔ فقط بریں صیغہ متعلقہ سے جلد تجاویز منظوری کے لئے
پیش ہوکر کام کا آغاز کردینا ضروری ہے۔ اس صدر شفاخانہ یونانی میں مریضوں کا
اسی طریقہ پر علاج معالجہ ہوگا، جس طرح کہ افضل گنج کے ہاسپٹل میں ہوگا، اس
عمارت کا نام "صدر شفاخانہ نظامیہ" ہوگا۔"

یہ عمارت حسب فرمان خسروی (۱۴۲۹۰۰) مربع گز احاطہ پر تیار ہوی زمین
کا معاوضہ (۲۳۰۴۹۴) روپیہ اداکیا گیا اور یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ
(۵،۱۵،۸۷۵) روپیہ صرف ہوں گے۔ اور حکومت کے زیر غور یہ تجویز بھی
تھی کہ ادویہ کی کاشت بھی کی جائے جس کے معاملات زیر غور ہیں۔ خود حضور والا
نے فرمان مبارک کے بعد ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کو بنفس نفیس تشریف لاکر اس کا
سنگ بنیاد رکھا، اور یہ عمارت رود موسیٰ کے کنارے تیار ہونے کی عوض مکہ مسجد
اور چار مینار کے روبرو تیار کی گئی۔ اور پانچ سال کے بعد ۱۳۵۰ھ میں مکمل ہوی
اس شفاخانہ میں (۱۵۰) مریضوں کی رہائش اور علاج کے انتظامات عمل میں لائے
جائیں گے۔ اور طب یونانی کی بالکل جدید اصول پر ترویج کی کوشش کی جائے گی۔

جب آپ شہر میں چار مینار کے قریب آئیں گے، تو اس عمارت کے
نہایت مجلّی ومصفّیٰ شاندار گنبد دکھائی دیں گے عمارت کی اطراف اس کی خندق

کے لئے بیڑ کا کٹیرا نظر آئے گا، جس پر سلطنت کا شاہی مانوگرام "نظام الملک آصفجاہ" دکھائی دے گا، عمارت میں داخل ہونے کے بعد جب آپ اس کی سیر کرنے لگیں گے، تو آپ کو پہلے (آوٹ پیشنٹ) بیرونی مرضا کے علاج معالجہ کا مقام ملے گا، جہاں دوائیں تقسیم ہوتی ہوئی نظر آئیں گی، اور اطبا اپنے اپنے مرضا کی تشخیص و نسخہ نویسی میں مصروف ہوں گے۔ جب آپ اس سے گزر کر عمارت پر نظر ڈالیں گے تو دور عثمانی کی خاص طرز تعمیر اور کچھ عربی اسٹائل کی عمارت پر نظر پڑے گی، جس میں حسن کارانہ کمال کے اظہار کی کوشش اور جدت کی گئی ہے یہ عمارت دو منزلہ ملے گی، جس میں بڑے بڑے ہال ہوں گے اور اسی میں مریضوں کو رکھنے کا انتظام ہوگا۔ ان وسیع دالانوں کے سوا، خاص خاص کمرہ بھی موجود ہوں گے، جو کرایہ پر متمول مریضوں کو دئے جائیں گے۔ جب آپ مکہ مسجد کی سڑک پر کھڑے ہو کر اسے ملاحظہ فرمانے لگیں گے تو یہ عمارت آپ کی توجہ کو اپنی طرف پوری پوری مبذول کرالے گی اس کے شاندار وسیع کمانوں اور دریچوں پر آپ کی نظر پڑے گی، جو اپنا ایک خاص اسٹائل رکھتی ہیں۔ اور ان پر وہی خوش وضع بروج ہوں گے، جو دور سے انجذاب نظر کا باعث بنا کرتے ہیں عمارت کا درمیانی حصہ ایک رفیع الشان کمان پر مبنی ملے گا، جس پر سب سے بڑا اور عالیشان گنبد ہے جس کے بازوؤں پر خوب صورت چھوٹے چھوٹے دروازے اور کھڑکیاں لگی ہیں اور ان پر نہایت ہی حسین چھوٹے چھوٹے گنبد بنے ہیں۔ اور اس کمان کے عین وسط اور دوسری منزل کے ابتدائی مقام پر ایک تنہا خوبصورت چھوٹا سا دروازہ ہوگا جو اس کمان کی شان و شوکت میں۔ ایک خاص انداز کے ساتھ اضافہ کرتا ہوا نظر آئے گا۔ جس کی طرز ایک ورانڈے سے زیادہ دلکش دکھائی دے گی اور اس کے نیچے برف کی سی سپید سل نظر آئے گی، جس میں برقی روشنی

ہوا کرتی ہے اور ساری عمارت میں برقی پنکھے اور جدید سے جدید نمونوں (ڈزائن) کی روشنی کے بلب نظر آئیں گے۔ اور یہ روشنی کا انتظام انوزیبل لائٹننگ (غیر مرئی روشنی) کے طرز پہ ملے گا۔ یعنی کوئی تار وغیرہ تو دکھائی نہ دے گا صرف بلب اور پنکھے برقی قوت و روشنی کی شہادت دیں گے۔ اس عمارت کی اطراف چھوٹے چھوٹے مکانات بھی نظر پڑیں گے، جو شفاخانہ کی ضروریات کی تحت کام میں لائے جاتے ہیں۔

طب یونانی کی یہ کمال خوش بختی ہے کہ حضور والا اس کی ترقی کے لئے ہر ممکنہ کوشش فرماتے رہتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ موجب افتخار یہ امر ہے کہ اعلیحضرت نے خود اس عمارت کی تاریخ تعمیر "ھی بیت الحکمت والشفاء" ۱۳۴۵ھ ارشاد فرمائی ہے۔ جو عمارت کی پیشانی پر نصب ہے۔ یہ فخر سب سے پہلے صرف طبابت یونانی اور فن طب کو ملا ہے وہ اس پر جس قدر فخر و ناز کرے کم ہے۔

کمترین نے بھی اس عمارت کی تاریخ تکمیل "آصفیہ شفاخانہ یونانی" ۱۳۵۰ھ سے اور دوسری قرآن حکیم کی آیت پاک "وَمَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ" ۱۳۵۰ھ سے نکالی ہے۔

یادگار سلور جوبلی مبارک میں اس عمارت کے تصویری ٹکٹ ٹپہ (۴ہ) بھی اجرا کئے گئے۔ جو نہایت دیدہ زیب و خوشنما ہیں۔

۱۳۳۶ف میں فن طب کی حقیقی ترقی کے لئے ایک اور فرمان مدرسہ طبیہ کے نصاب، شفاخانہ جات و گودام کی اصلاح و تنظیم کے متعلق صادر ہوا، کہ ان کا بھی اسکیم مرتب کرکے پیش کیا جائے۔ اور یہ کارروائی بھی عمل میں لائی جا رہی ہے کہ "جامعۂ عثمانیہ" سے اس مدرسہ طبیہ کا الحاق ہو جائے۔ طب یونانی سے شغف پیدا کرانے کے لئے گورنمنٹ نے (۲۰) وظائف بھی مقرر کئے ہیں۔ تاکہ قابل

لوگ اس طرف رجوع ہوں۔ مدرسہ میں۔ عربی اور فارسی کی دو جماعتیں قائم ہیں جن کا فی الحال تین تین سالہ کورس ہے، اور ایک سال تجربۂ عملی کے لئے مقرر ہے توقع ہے کہ آیندہ پانچ سالہ تعلیم ہو جائے گی، اور نصاب میں معرکۃ الآرا تغیر عمل میں لایا جائے گا۔

بلدہ اور اضلاع کے دواخانوں کے لئے بھی موجودہ ضروریات کے لحاظ سے عمارتیں تعمیر کی جانے والی ہیں جسکی کارروائی جاری ہے۔

صدر شفاخانۂ جدید کی تنظیم اور اس کے کاروبار کو بہترین طریقہ پر اور اس فن کو ترقی دینے کے لئے حکومت خاص طور پر غور و خوض فرما رہی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں اس نے کئی ہزار کے مصارف برداشت کرکے اقصائے ہند سے چوٹی کے اور سربرآوردہ اطباء کے ایک وفد کو طلب کیا تھا کہ وہ اس صدر شفاخانۂ یونانی کی جدید تنظیم کے متعلق ایک بہترین لائحہ عمل حکومت کے آگے پیش کرے اس کمیٹی نے عمارت اور حالات کا معائنہ کرکے ایک اسکیم مرتب کی، اور اس کو سرکار میں پیش کر دیا۔

۹ رجب ۱۳۵۵ھ کو اطبائے یونانی نے شہزادۂ جواد جاہ کے حادثہ پر ملال (۲۴ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ) کے موقع پر ایک سپاسنامہ بندگان اقدس و اعلیٰ کے حضور میں گزرانا تھا، تو اس پر جہاں پناہ نے ان کے سپاسنامہ کا جواب ادا فرماتے ہوئے جو خاص الفاظ تحریر فرمائے تھے، اس سے بڑھ کر طبابت یونانی کے لئے کوئی اور چیز باعث افتخار نہیں ہو سکتی چنانچہ حضور نے شدت رنج و الم کے بعد بھی یہ تحریر فرمایا کہ:۔

"الحاصل گو اس حادثہ جانکاہ سے میں متاثر ہوں بر ایں ہمہ علم طب کی طرف سے میرے دل میں کوئی سوء ظن نہیں کہ میں نے کامل تیس سال کے تجربہ کے بعد اس پر اعتماد کیا ہے"

یہ فرمان تاریخ طبابت یونانی میں اپنی آپ نظیر ہے۔ اعلیٰحضرت نے سررشتہ طبابت کے انتظامات کی باگ ۲ رجب ۱۳۵۵ھ کو مولوی حکیم مقصود علیخاں صاحب[۵] کے ہاتھ مرحمت فرمائی کہ وہ اس سررشتہ اور فن کو ترقی پر پہنچا سکیں مذکورۂ بالا سپاسنامے کے جواب میں آخر پر اعلیٰحضرت نے کمالِ عطوفت سے مولوی حکیم مقصود علی خاں صاحب کی ستایش بھی فرمائی ہے۔ یہ سپاسنامہ فرمان مبارک کے ساتھ حیدرآباد کے مشہور اخبار صبح دکن میں ۲۳ آبان ۱۳۴۵ ف م ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ کو شایع ہوا ہے۔

مولوی صاحب کی جو شخصیت اور اُن کو جو علم و فضل حاصل ہے، وہ اہل ملک سے پوشیدہ نہیں۔ موصوف کی انتظامی قابلیت اور فن دانی کے متعلق تو متعدد شاہی فرامین گواہی دے رہے ہیں۔ چنانچہ موصوف حسب فرمان اقدس و اعلیٰ سررشتہ کی خدمت صدر مہتممی پر فائز ہیں۔ آپ مولوی حکیم منصور علی خاں صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں جن کا حال ہم "محبوبیہ دور" میں لکھ چکے ہیں۔

آج سے چند سال پیشتر طبابت یونانی کا افسر اعلیٰ "افسر الاطبا" کہلاتا تھا، لیکن بعد میں اس عہدہ کا لقب "صدر مہتمم طبابت یونانی" قرار دیا گیا، اور اب یہی عہدہ جدید اسکیم میں نظامت سے تبدیل کردیا جانے والا ہے۔

حضرت جہاں پناہ کو اس فن کے خدمت گزاروں سے بھی ہمدردی ہے۔ جناب حکیم انوار احمد صاحب نے یکم آذر ۱۳۴۶ ف کو "دواخانہ مجیدیہ" کے افتتاح کے لئے (جو شہزادۂ مکرم جاہ بہادر عرف مجیدی پاشا سے منسوب کیا گیا ہے) حضور میں معروضہ پیش کیا، تو اعلیٰحضرت نے الطاف شاہانہ سے ان کے اس معروضہ کو قبول فرماکر اس شفاخانہ کا افتتاح فرمایا۔ اور ایک تقریر بھی فرماکر اس فن کے حاملین کی

---

[۵] حکیم مقصود علیخاں صاحب کے اس عہدہ پر فائز ہونے کی تاریخ کترین نے "مقصود علیخاں افسر الاطبا" سے نکالی ہے ۱۲
۱۳۵۵ھ

عزت افزائی فرمائی۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:۔

"فن طب یونانی جو ہمارے آباء اجداد کی ایک بیش بہا میراث ہے، اس کو اس ملک کی آب وہوا، اور یہاں کے لوگوں کے مزاج سے ایسی مناسبت ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے مریضوں کو بہ نسبت دوسرے طریقۂ علاج کے زیادہ کامل شفا حاصل ہوئی ہے، چنانچہ یہ خیال میرے دیرینہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کا نتیجہ ہے اور اسی وجہ سے مجھے اس فن کے ساتھ ہمیشہ دلچسپی رہی ہے، اور اس میں جو تھوڑی بہت دست گاہ، اور اصول فن سے آگاہی میں نے حاصل کی ہے اس کا ذکر خود حکیم انوار احمد صاحب نے کیا ہے جس کے بارے میں مجھ کو کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے"

"مگر افسوس ہے کہ باوجود اس فائدے کے، جو خلق اللہ کو اس طریقۂ علاج سے پہنچ سکتا ہے، موجودہ زمانہ میں عوام الناس کی توجہ اس فن کی طرف کم ہوتی جا رہی ہے خود اطباء نئی تحقیقات اور تجسس یا تجربہ کے ذریعہ سے، تازہ معلومات فراہم کرنے میں اتنی سرگرمی نہیں دکھاتے جتنی اس فن کی ترقی بلکہ بقاء کے لئے ضروری ہے، کیونکہ علم یا فن جمود کی حالت میں قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ اس کی بقاء کے لئے یہ امر ضروری ہے کہ اس میں نئی تحقیقات اور معلومات کا اضافہ ہوتا رہے۔"

"ان ہی وجوہ کی بناء پر میں نے اپنے دار الخلافہ حیدرآباد میں، ایک نیا دواخانہ یونانی تعمیر کرایا ہے، تاکہ نہ صرف مریضوں کو اس سے شفا حاصل ہو، بلکہ خود طبیب دوا سازی کے فن میں مہارت حاصل کریں، اور فنی تحقیق و تدقیق میں مشغول ہو کر اس طریقۂ علاج کو ترقی دے سکیں۔"

اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ کی طرح ہمارے ہر دل عزیز ولی عہد ہز ہائی نس میجر جنرل والا شان حضرت اعظم جاہ بہادر پرنس آف برار و سپہ سالار عساکر آصفی کو بھی طب سے گہری دلچسپی ہے، اور آپ ہمیشہ سے اس فن کی ترقی کے متمنی رہے ہیں چنانچہ

مارچ ۱۹۳۶ء میں طبیہ کالج مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا افتتاح فرمایا تھا، اور ۲۵ ھ شعبان ۱۳۵۵ھ کو "صدر دواخانہ نظام آر یو د ید ک" کا افتتاح فرماکر اپنی ہمدردی اور دلچسپی کا ثبوت دیا۔

حیدر آباد کے اُمراء کو بھی اس فن شریف سے کافی دلچسپی اور ہمدردی ہے۔ مہاراجہ سر یمین السلطنتہ کشن پرشاد بہادر سابق صدر اعظم دولت آصفیہ کو کون نہیں جانتا، اور ان کی کوششوں سے کون ناواقف ہے۔ البتہ عام طور پر یہ نہیں معلوم ہوگا کہ مہاراجہ صاحب علم و فضل ہونے کے علاوہ، ایک اچھے خاصے طبیب بھی ہیں اور ان کے نام سے کئی نسخے مشہور ہیں۔ انہوں نے ذاتی طور پر بہت دنوں تک اپنی دیوڑھی میں اپنے نانا کے زمانہ میں مطب بھی کیا ہے۔

رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر موجودہ صدر اعظم باب حکومت کی مساعی جمیلہ بھی موجب امتنان ہیں کہ پہلے پہل جب سررشتہ طبابت (۲۸) سال تک ہوم آفس کی ماتحت رہا تو قریبًا اس میں سے دس سال سر اکبر کی نگرانی میں بھی اس سررشتہ نے ترقی کی۔ گو بعد میں باب حکومت کے قیام کے بعد یونانی صیغہ، صیغہ فوج میں ضم کر دیا گیا۔

ذیحجہ ۱۳۵۵ھ میں حضور آصف جاہ سابع کی سلور جوبلی مبارک جس جوش و خروش سے منائی گئی، وہ دکن کی تاریخ میں ایک بے نظیر یادگار ہے پہلی ذی حجہ ہی سے جوبلی کے پروگرام کا آغاز تھا۔ چنانچہ اس روز "باغ عامہ" کے "جوبلی ہال" میں رعایا ملک کے عام سپاس نامہ کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے حضور نے طب سے متعلق جن مخصوص الفاظ میں گہر باری فرمائی وہ تاریخ طب میں ایک بے نظیر درجہ رکھتی ہے، رعایا، حیدر آباد کے لئے یہ سب سے پہلا تاریخی موقع تھا کہ ذریعہ لاسلکی، انہیں اپنے عزیز بادشاہ کی تقریر سننے کا شرف حاصل ہوا۔ جب نطق شاہانہ گویا تھا

تو رعایا، وفورِ عقیدت و جوشِ وفاداری سے ہر ہر لفظ پر بے خود ہو رہی تھی، اور انتہائی حیرت ہو رہی تھی کہ دکن کا شہرہ آفاق، بیدار مغز سلطان جو اپنے فرق شاہی پر علم و فضیلت کا تاج رکھتے ہوئے ایسا زبردست مقرر و خطیب بھی ہے، جس کا جواب اقصائے ہند میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا اور ہمیشہ سننے والوں کے کانوں سے تقریر شاہانہ کی لذت عمر بھر کبھی بھی زائل نہ ہو سکے گی۔ سننے والے صاف طور پر یہ محسوس کر رہے تھے کہ کسی فاضل باکمال سے بھی برتر اور مخصوص ہستی اس جاہ و جلال سے گویا ہو رہی ہے، جو سوائے ظل اللہ کے کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ایک بادشاہ رعایا کے جذبات عقیدت سے متاثر ہو کر شاہانہ تکلم میں مصروف ہے۔ سپاس نامہ کے جواب میں فن طب سے متعلق شاہی الفاظ یہ تھے:۔

"مشرقی طب سے مجھ کو ہمیشہ شغف رہا ہے، کیونکہ یہ طریقۂ علاج، عوام الناس کو مرغوب اور بہت مفید ہے، اور مجھے امید ہے کہ خاص دواؤں کے تیار کرنے اور اس قدیم فن کو از سر نو زندہ کرنے اور حاذق حکما کو جمع کرنے کی طرف صیغۂ متعلقہ خاص توجہ کرے گا کہ اس کی اس وقت یہاں سخت ضرورت ہے۔"[1]

۵ ذی الحجہ کو شام میں پانچ بجے باغ عامہ میں مختلف طبقوں کی جانب سے مختلف سپاس نامے پیش ہوئے، اور ان میں اطبائے یونانی کو بھی اپنا سپاسنامہ پیش کرنے کی عزت عطا کی گئی تھی۔ تو حضور والا نے اس موقع پر نمایندگان صدر جمعیت امداد باہمی اور اطبائے یونانی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

"امداد باہمی اور طب یونانی کے بارے میں، میں عام ایڈریس کے جواب میں کافی کہہ چکا

[1] مطبوعہ اخبار رہبر دکن جلد (۱۷) نمبر (۱۱۰) ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ دو شنبہ۔